ماہنامہ حجاب کراچی

بیاد زیب النساء
فرحت آراء

مدیراعلیٰ مشتاق احمد قریشی

مدیرہ قیصر آراء

نائب مدیرہ سعیدہ نثار

معاون مدیر ندارضوان، عثمان عبداللہ

گروپ ایڈیٹر طاہر احمد قریشی

جلد	05
شمارہ	03
جنوری	2020

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

info@naeyufaq.com

naeyufaq.com

Digitized by Google

اس شمارے میں

ابتدائیہ

بات چیت — مدیرہ 10
حمد — صبیح رحمانی 11
نعت — فرحت عباس شاہ 11

آنگن کی چڑیا

انٹرویو — کوثر خالد/ارم بشیر 12

سلسلہ وار ناول

عشق دی بازی — ریحانہ آفتاب 78
عشق نگر کے مسافر — ندا حسنین 118

ناولٹ

من بتیاں — فرح طاہر 14
دل کو کس کا ملال تھا — نادیہ احمد 48
میرے بن کر آؤ — سیما بنت عاصم 144
پرچھائیں — سیدہ مزنہ 190

افسانے

دنیا مل گئی — رفاقت جاوید 34
سیا بازی ہم نے ہاری ہے — نزہت جبین ضیاء 66
چاند تارے جگنو — نظیر فاطمہ 98
سکوت — شبینہ گل 112
ذرا سی بات — مہتاب خان 164
میری تنہائی — یمنیٰ نور 176
جزو بدن — نورین معشوق جان 182

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: 81 ٹیمپر بیرکس، ہاکی کلب آف پاکستان، اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

Digitized by Google

ضد بتاں

فرح طاہر

''کیا یہ ضروری ہے سیانے جو کچھ بھی کہہ کر گزر گئے وہ قیامت تک کے لیے پتھر پر لکیر کی مانند حق اور سچ ہوگیا اور پھر حق اور سچ ہو تو ہو مگر کیا یہ ضروری ہے جو بات ہمارے سیانوں نے کردی' ان کے ان لفظوں کی تفسیر وہی بنتی ہو جو ان سیانوں نے ارشاد فرمادی؟ کبھی کبھی ان کے اندازے ان کے لفظ بھی تو غلط ہوسکتے ہیں ناں......؟'' تجربے اور تحقیق سب کی اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق ہوا کرتی ہے۔

''پھر کیسے سیانوں کی اس بات پر اندھا اعتماد کرکے اسے تسلیم کرلیا جائے کہ جوان ہوتا لڑکا گھر کے ہر کام میں میں میخ نکالنے لگے یا جوان ہوتی لڑکی گھر میں بڑے چھوٹوں سے جھگڑنا شروع کردے تو اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ اب وہ فوری شادی کے خواہش مند ہیں چنانچہ فوراً ان کی شادی کرکے انہیں گھر سے چلتا کردیا جائے...... یہ کون سا طریقہ ہے بچوں کے الجھے ذہنوں کو سلجھانے کا......؟ مرتے کو اور مار دیا جائے۔'' اپنی اس سوچ کے زیر اثر اس کے ہونٹ قدرے طنزیہ انداز میں سکڑے ہوئے تھے جب کہ نم آنکھیں اداسی سے آسمان کی وسعتوں میں بھٹکتیں اپنے اطراف سے بالکل بے خبر تھیں۔ جب کسی نے ہنکارہ بھر کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی نگاہوں کے سامنے لہرایا تو وہ ایک دم چونک کر سیدھی ہوتی مقابل کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس کے لبوں سے ادا ہوتے لفظوں کے زہر نے اسے ایک بار پھر نئے سرے سے نیلوں نیل کردیا تھا۔

''آپ کی نحوست کی ان طویل گھڑیوں میں مداخلت کی معافی چاہتا ہوں مگر وہ کیا ہے ناں کہ بیگم صاحبہ اگر آپ نے اسی طرح میرے گھر اور گھر والوں کو نظر انداز کرکے الگ کونہ آباد کرکے اپنی نحوست کو آباد کیے رکھنا تھا تو بہتر تھا آپ اپنے ماں' باپ کے گھر ہی رہتیں۔'' اتنا بول کر وہ ذرا دیر کو چپ ہوا' اس کو ہنوز خاموش دیکھ کر منہ بناتا دوبارہ بولا۔

''بگڑا تو خیر ابھی بھی کچھ نہیں ہے۔ آپ ایسا کریں میرے گھر سے اپنی نحوست کو سمیٹ کر اپنے ماں' باپ کے گھر شفٹ ہوجائیں تاکہ میرا گھر ہر وقت کی اس نحوست سے نجات حاصل کرلے۔'' وہ اپنی بات مکمل کرکے چلا گیا۔ مگر اس کے لفظوں کے زہر سے اس کی روح تک بلبلا اٹھی تھی۔ ساری اذیتیں نئے سرے سے تازہ ہوئیں تو وہ پچھتاؤں میں گھر کر بری طرح سسک پڑی تھی۔

......✿......✿......

ان کا ایف ایس سی کا رزلٹ آگیا تھا اور اب وہ بی ایس سی میں داخلے کے لیے داخلہ فارم لینے کالج میں جمع تھیں۔ جب وہ فارم لے چکیں تو مل بیٹھ کر مضامین کا انتخاب کرنے لگیں۔ تب روشنی' لبنیٰ اور ندا نے ایف ایس سی کی طرح اس بار بھی بی ایس سی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو زرش نے کب سے خاموش بیٹھی منال کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''تمہارا کیا ارادہ ہے منال؟'' اس کے پوچھنے پر سنجیدہ بیٹھی منال نے پہلے تو گہرا سانس لیا پھر کندھے اچکا کر بولی۔

''میں اس بار سمپل بی اے کروں گی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے گویا ان کی سماعت پر بم پھوڑا تھا۔ جب ہی وہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''ہم سب بی ایس سی کی طرف جارہے ہیں اور تم ایف ایس سی میں اے پلس لے کر بھی سمپل بی اے کی

Digitized by Google

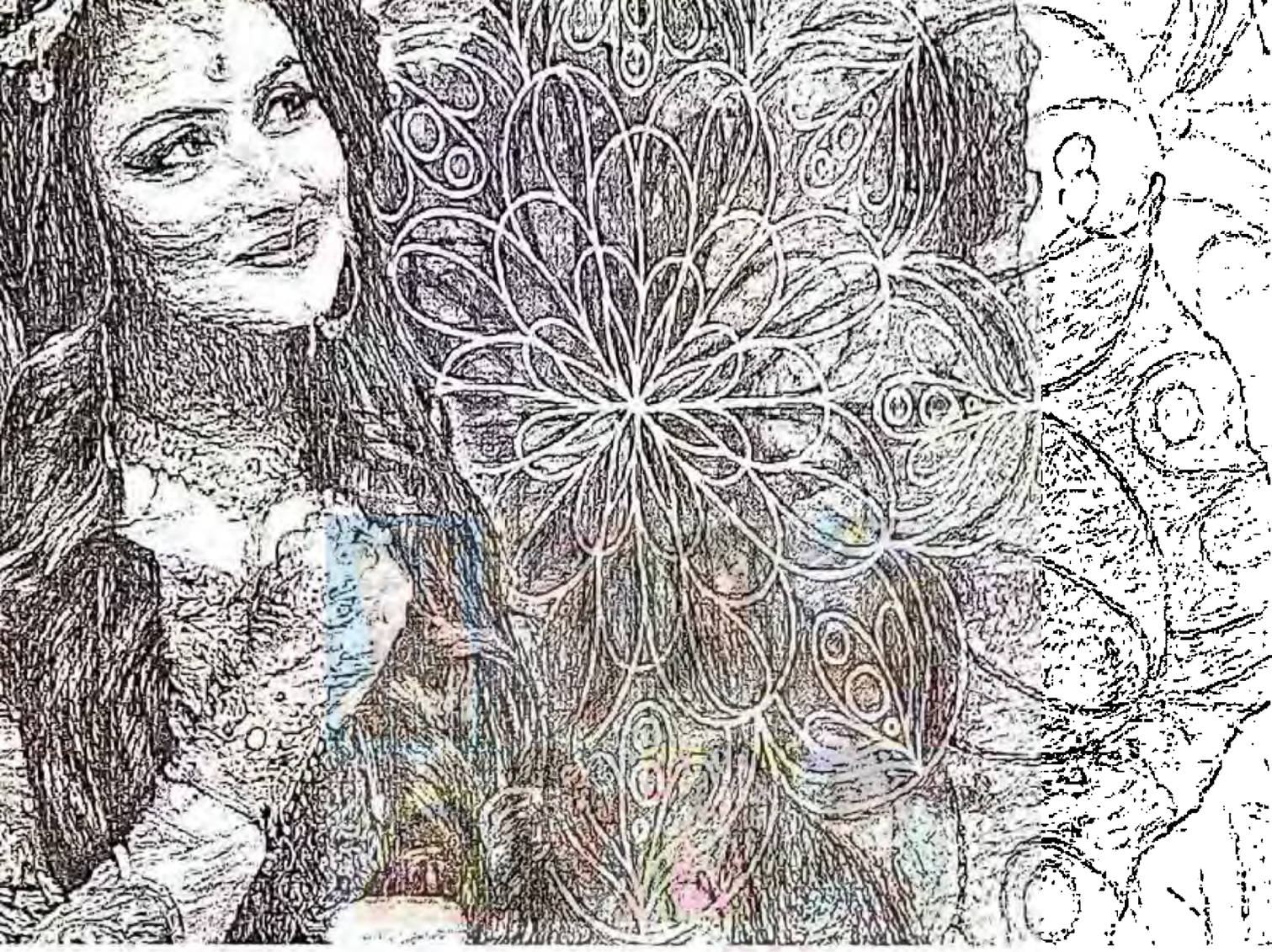

طرف جارہی ہو؟'' روشنی نے بہت بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں تو سب کی اپنی مرضی ہوتی ہے۔ تم لوگ کرو بی ایس سی میں سمپل بی اے ہی کروں گی۔'' اس کے انداز اور الفاظ دونوں اٹل تھے جسے محسوس کرکے وہ سب بے حد پریشان ہوئیں۔

''یار سائنس سے آرٹس کی طرف کیوں جارہی ہو تم؟'' ندا نے لب کشائی کی تو لبنیٰ نے بھی ندا کے سوال پر مزید کہا۔

''اور تم اچھے سے جانتی ہو آرٹس کی کوئی ویلیو بھی نہیں ہے تو پھر تم نے کیا سوچ کر ایسا فیصلہ کیا ہے؟'' ان میں واحد زرش تھی جو خاموش بیٹھی بس بے یقینی سے منال کی طرف دیکھ رہی تھی اور منال اس کے انداز کو محسوس کرنے کے باوجود مسلسل اسے نظر انداز کررہی تھی۔ اب بھی بس اتنا بولی۔

''آرٹس اور سائنس کی ویلیو کے چکروں میں تو میں جب پڑوں جب آگے جاکر مجھے نوکری کرنی ہو..... ایسا کچھ میں کرنے والی ہوں نہیں، تو بس پڑھنا ہی تو ہے۔ سمپل بی اے کرکے گریجویٹ ہوجاتی ہوں۔'' اتنا کہہ کر اس نے ابرو اچکا کر ان سب کی طرف دیکھا پھر دوبارہ بولی۔

''اور پھر اتنی سال سائنس میں پڑھ کے دیکھ لیا..... اب ذرا آرٹس بھی پڑھ کر دیکھ لیتی ہوں۔''

''مگر آرٹس لے کر تم ہم سے الگ ہوجاؤ گی۔''

اس کا جواب سن کر روشنی نے بہت فکرمند انداز کہا تو بھی اس نے لاپرواہ انداز میں جواب دیا۔

''تو ہم لوگوں نے کون سا سدا ساتھ ہی رہنا ہے۔ کبھی نہ کبھی تو الگ ہو ہی جانا ہے۔ تو وہ علیحدگی چلو ابھی سہی..... ابھی سے عادت ڈال لیتے ہیں۔''

نجانے اس کو کیا ہوا تھا جو مسلسل اس طرح کا برتاؤ

Digitized by Google

کررہی تھی۔ وہ سب حقیقتاً پریشان تھیں۔ ان کو بالکل سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح اس کو اس کے ارادے سے باز رکھیں' اس کے باوجود انہوں نے اپنی اپنی جگہ اپنی سی کوشش کرکے دیکھ لی مگر جب وہ کسی صورت راضی نہ ہوئی تو ہار مان کر زرش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''زرش یار تم ہی سمجھاؤ اس پاگل لڑکی کو..... اپنے ساتھ غلط کرنے جارہی ہے۔''

''اب یہ مجھے کیا سمجھائے گی؟'' ان کی بات سنتی منال نے ناک چڑھا کر قدرے نخوت سے کہا تو زرش نے لبوں کو جنبش دی۔

''منال میں بھی بی ایس سی کرنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں تو..... تم کرو بی ایس سی' کس نے منع کیا ہے تمہیں؟''

''منع نہیں کیا مگر میں تمہارے ساتھ رہ کر بی ایس سی کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو منال اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے حتمی انداز میں کہا۔

''میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو پھر تمہیں بھی سمپل بی اے ہی کرنا ہوگا ورنہ تمہاری مرضی۔'' اس نے کہا اور پھر تیز تیز قدم اٹھا کر ان سے دور ہوگئی۔ زرش نے اسے یوں جاتے دیکھا تو ایک دم بوکھلا کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور اسے یوں کھڑا ہوتا دیکھ کر ان سب نے افسوس سے لب بھینچ لیے کیونکہ ان کو بہت اچھے سے اندازہ تھا کہ وہ سب اپنے لیے اسٹینڈ لے کر بی ایس سی کی طرف چلی جائیں گی۔ واحد زرش ہوگی جو منال کے لیے بی ایس سی کی قربانی دے کر بی اے کی طرف جاسکتی ہے۔ اس نے ایسا ہی کرنا تھا جس کا ثبوت دینے کے لیے وہ چیزیں سمیٹ کر ان سے الگ ہوئی اور تیز تیز قدم اٹھاتی منال کے پیچھے چلی دی تھی۔

''منال..... کبھی کبھی تم بہت حد کرتی ہو۔''

''کیوں کیا کیا میں نے؟'' اس نے گردن گھما کر بھنویں اچکاتے ہوئے اس سے سوال کیا تو زرش نے کہا۔

''تم خود غور کرو..... تمہارا رویہ آج ہمیشہ سے الگ تھا اور پھر بی اے کا بول کر تم نے دھماکہ کیا اور پھر سب کو وہاں چھوڑ کر بھی آ گئیں۔''

''تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ جب سب کا ساتھ چھوٹ ہی جانا ہے تو ابھی سے ہی میں عادت ڈال رہی ہوں تم سب سے الگ رہنے کی۔'' اس کا انداز بھلے سے لاپرواہ تھا مگر آخر میں لفظوں میں اداسی نمایاں تھی جسے محسوس کرتے جذباتی سی زرش ہمیشہ کی طرح پگھل کر بولی۔

''کوئی الگ نہیں ہو رہی تم ہم سے..... تم ہمارے ساتھ ہی رہو گی اور ہمارے ساتھ رہ کر بی ایس سی کرو گی۔'' زرش نے اپنے انداز میں اس کی اور اپنی دوستی کے مان کو بہت نمایاں کیا تھا۔ جسے منال نے محسوس تو کیا مگر اپنی توجہ کا ارتقاز ظاہر کیے بنا بولی۔

''بھائی نے امی سے کہا ہے منال نے بہت پڑھ لیا ہے' اب اس کے لیے کوئی اچھا رشتا تلاش کرکے اس کی شادی کردیں۔'' منال اس سے اپنے گھر اور گھر والوں کی باتیں بہت کم شیئر کیا کرتی تھیں۔ اس وجہ سے زرش اس کی فیملی اور اس کے حالات کے متعلق بہت کم جانتی تھی اور جو بات منال اسے بتایا کرتی تھی اسے سن کر وہ خود کو منال سے زیادہ بے بس محسوس کرتے ہوئے اس کے لیے مزید نرم ہوجایا کرتی تھی۔

''یہ کیا بات کی تمہارے بھائی نے ایک دم اچانک..... یوں پڑھائی ختم کرکے شادی کا مطلب؟''

''مطلب تو کوئی نہیں۔ بس جوان کی مرضی..... ہاں مگر میں نے امی سے کہا ہے کہ جب تک رشتا تلاشنے اور شادی ہوجانے تک کا دورانیہ ہے وہ اس دوران میں مجھے پڑھ لینے دیں..... امی نے میری بات بھائی تک پہنچائی تو انہوں نے پڑھنے کی اجازت تو دے دی مگر ساتھ ہی کہہ دیا ہے کہ داخلہ لینا چاہتی

Digitized by Google

ہے تو سمپل گریجویٹ کرلو تاکہ جب شادی کا سلسلہ شروع ہو تو اس کی پڑھائی شادی کے لیے رکاوٹ نہ بنے۔ بی اے ہوگا تو شادی کے بعد گھر بیٹھ کر بھی آسانی سے پیپر دے لے گی..... امی نے ان کا پیغام مجھے دیا تو میں نے بھی حامی بھرلی کیونکہ سائنس کے لیے اصرار کرتی تو پڑھائی کو خیر باد کہنا پڑ جاتا...... میں ایسا نہیں چاہتی تھی اس لیے ان کی بات مان کر اب مجھے بی اے کرنا ہے۔“ اس نے بہت تفصیل سے اپنے اٹل ارادے کی وضاحت پیش کی تو زرش نے بے بسی سے لبوں کو کچلا۔

سب سننے کے بعد یہ تو طے تھا کہ وہ اب منال کو کسی صورت بی ایس سی کے لیے راضی نہیں کرسکتی۔ اب اسے اپنی بیسٹ فرینڈ کے لیے اپنے شوق کی قربانی دینا تھی مگر اس بار منال کے لیے ایسا کرگزرنا اس کو بہت دشوار دکھائی دے رہا تھا کیونکہ عین ممکن تھا اس کو یوں سائنس سے آرٹس کی طرف جاتے دیکھ کر گھر میں طوفان کھڑا ہوجاتا...... ایسے میں وہ کیا کرے گی؟“ اس نے متوقع صورت حال کا تصور کرتے ہوئے بہت پریشانی کے عالم میں منال کی طرف دیکھا۔ جو اداس دکھائی دے رہی تھی...... زرش نے اس کی رنجیدگی کو محسوس کیا تو اپنی پریشانی کو بھول کر اس کے مزاج کو فریش کرنے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑا اور کینٹین کی طرف چل دی۔ وہاں کھانے اور باتوں کے دوران وقت کے گزرنے کا اندازہ ہی نہ ہوسکا کہ وہ منال کا مزاج فریش کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اس کی طرف سے مطمئن ہوکر وہ اس کے ساتھ واپسی کے لیے اٹھی اور گھر آئی تو امی پریشانی سے صحن میں چکر کاٹتی اسی کی منتظر تھیں...... انہوں نے جیسے ہی اسے گھر میں داخل ہوتے دیکھا لپک کر اس کے پاس آئیں۔

”یہ گھر آنے کا کون سا وقت ہے تمہارا؟“ ان کا پریشانی میں تیکھا ہوجانا فطری عمل تھا مگر زرش جس

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں
ماہنامہ آنچل حجاب کراچی
ہم ہر وقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے ہر کونے میں 850 روپے
امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
8000 روپے
مڈل ایسٹ ایشیائی افریقہ یورپ کے لیے
6000 روپے
رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ منی آرڈر منی گرام ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216
موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242
رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242
نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز
81 بیسمنٹ بیرکس ہاکی کلب آف پاکستان
اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510
فون نمبرز: +922-35620771/2
naeyufaq.com
Info@naeyufaq.com

Digitized by Google

ذہنی پریشانی میں مبتلا تھی اس کیفیت میں ان کا یہ انداز اس کے اعصاب کو مزید بھاری کرنے کی وجہ بنا تو اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

''امی آ تو گئی ہوں ناں۔''

''آ تو گئی ہوں سے کیا مراد ہے تمہاری..... کیا گھر چھوڑ کر جانے کے لیے نکلی تھی تم..... جواب واپس آ کر مجھ پر احسان جتا رہی ہو؟'' امی ویسے بھی فطرتاً غصیلی طبیعت کی مالک تھیں اوپر سے اب اس کے یہ الفاظ اور انداز انہیں بس ایک منٹ لگا آگ بگولہ ہونے میں وہ اس کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگیں تو وہ مزید زچ ہو کر بولی۔

''امی پلیز..... ہر بات کو غلط مت لیا کریں۔''

''اب غلط بھی میں لے رہی ہوں؟ تو مجھے یہ بتا دو تمہاری بات میں صحیح لینے کے لیے ہے ہی کیا؟'' انہوں نے بھنویں چڑھا کر اس کو گھورتے ہوئے مزید کہا۔

''میں نے تم سے سیدھا سوال کیا تھا لیکن تم نے جواب میں کیا کہا؟ اپنے لفظ پھر سے دھرا کر دیکھو ذرا۔'' وہ دروازے پر ہی عدالت لگا کر کھڑی تھیں جبکہ زرش کے اعصاب مسلسل جواب دے رہے تھے۔ اسے بہت اچھے سے اندازہ تھا کہ جب تک اس نے بولتے رہنا تھا۔ بات نے بڑھتے ہی جانا ہے۔ اس لیے اس نے مزید بحث کو ملتوی کر کے بس ایک نظر امی کی طرف دیکھا اور قدرے دھیمے انداز میں کہا۔

''میں نے جان بوجھ کر دیر نہیں کی..... بہت دن بعد سب ملے تھے اس لیے باتوں میں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔'' اس نے بات کو مکمل کیا اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ زرش کے گھر کے ماحول میں زندگی گزارتے لوگ اپنی مرضی کی ایسی زندگی جیتے تھے۔ جس میں سب کی اپنی مرضی تھی۔ سب کو اپنی پرواہ تھی' کون کس حال میں کیسے جی رہا ہے۔ کسی کے پاس یہ دیکھنے کی فرصت نہیں تھی۔ ان سب میں واحد ابو خاموش اور قدرے پُرسکون تھے جو سب کو دیکھ لیتے تھے۔ سب کی سن لیتے تھے' ایسے ماحول میں زندگی گزارتے ہوئے اسے کبھی کبھی ایسا گمان گزرتا کہ اس گھر کے کسی بھی فرد کو کسی دوسرے فرد سے نہ کوئی لگاؤ ہے نہ کوئی غرض' ہاں بس وہ سب جانوروں کی طرح ایک جگہ جمع ہو کر کھا پی' سو جاگ' اٹھ بیٹھ کر اپنی زندگی تمام کر رہے ہیں..... اپنی ایسی زندگی سے اکتا کر اس نے باہر کی دنیا میں دل لگا لیا تھا۔ جس میں اس کا خیال رکھنے والی ایسی دوستیں موجود تھیں جو اس کو سنتی بھی تھیں اور سمجھتی بھی تھیں۔ اسے اپنی ہر دوست سے دلی لگاؤ تھا۔ ایسا ہی دلی لگاؤ کبھی اسے اپنی فیملی کے لیے بھی محسوس ہوتا تھا مگر جوں جوں اس نے عمر کی منازل طے کیں اس کے اس لگاؤ پر حالات اور رویوں نے انا اور خودسری جیسے گہرے خول چڑھا کر اسے ان سب سے بے نیاز کر دیا مگر اس کی ایک بات بہت اچھی تھی کہ وہ احساس کر لیتی تھی۔ جیسے اب بہت سارا وقت اپنے ساتھ گزار کر جب اس نے اپنا محاسبہ کیا تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا اس نے اعتراف کیا۔

''اپنی پریشانی میں اس نے امی کو غلط جواب دیا تھا۔'' اس کے دل میں غلطی کے احساس نے سر اٹھایا تو دماغ نے اس کے احساس کو رد کرتے ہوئے سرزنش کی۔

''تو انہوں نے بھی تو کس قدر خراب انداز میں بات کی تھی۔'' وہ جب بھی اپنے اندر جھانکتی تھی خود سے سوال جواب کرتی تھی۔ چنانچہ اب بھی دماغ کی سرزنش سے متفق ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا ہو جاتا جو اگر وہ آرام سے بات کر لیتیں تو میں سب کچھ سچ بتا دیتی۔'' اسے افسوس ہوا تھا۔

پھر جب وہ اپنے کمرے سے نکل کر راہداری عبور کرتی امی کے کمرے کے باہر پہنچی تو اسے دروازے پر ہی رک جانا پڑا کیونکہ اندر امی' ابو سے اس کے متعلق ہی بات کر رہی تھیں۔

Digitized by Google

''زرش کی گستاخیاں دن بدن بڑھتی جارہی ہیں صفوان صاحب' مجھے سمجھ میں نہیں آتی اس کی بڑھتی گستاخیوں کو لگام کیسے ڈالوں؟''

''کیوں اب کیا کیا اس نے؟'' ان کی بات سن کر صفوان صاحب نے سوال کیا تو وہ' انہیں آج دوپہر میں رونما ہونے والی تمام صورت حال سے آگاہ کر گئیں۔

''یہ سارا کیا دھرا اس منال کا ہے..... وہ خود بھی بدتمیز ہے اور اب زرش کو بھی اپنے جیسا بنا رہی ہے' ایک آنکھ نہیں بھاتی مجھے وہ لڑکی' دن بھر کالج میں زرش کے ساتھ ہوتی ہے اس کے باوجود گھر پہنچ کر فون کھڑکا دیتی ہے۔ گھنٹوں فون پر اسے مصروف رکھتی ہے' اس سے بھی دل نہ بھرے تو یہاں پہنچ کر زرش کو لے کر الگ کمرے میں بند ہوجاتی ہے۔ اسے کچھ کہہ دوں تو میری بیٹی محترمہ آگ بگولہ ہوجاتی ہے' اس لڑکی کے سامنے اس کو سگی ماں بری لگتی ہے۔'' امی بہت دل جلے انداز میں اپنا تجزیہ پیش کررہی تھیں۔ جب کہ باہر کھڑی زرش امی کے منہ سے اپنے اور منال کے لیے یہ سب سن کر ان کی طرف سے ایک بار پھر بدگمان ہونے لگی تھی۔ بیٹی تو وہ بھی انہی کی تھی غصہ اور ضد وراثت میں انہی سے ملا تھا چنانچہ اب جو اتنا کچھ ان کے منہ سے اپنے لیے سنا تو اس نے ان سے بات کرنے کا ارادہ ملتوی کردیا اور جانے کے لیے پلٹ گئی۔ اسی پل اس کی سماعت سے ابو کی آواز ٹکرائی جو کہہ رہے تھے۔

''تم ہر وقت پرائی بچی کو الزام مت دیا کرو..... سدھارنا چاہتی ہو تو اپنی بچی کو سدھارو اس کو سمجھاؤ۔''

''آپ کو لگتا ہے آپ کی بچی سمجھنے سمجھانے لائق رہی ہے؟'' وہ اس کی طرف سے حد درجہ بدظن تھیں۔

''چلو میں بات کرکے دیکھ لیتا ہوں۔'' لیکن امی نے ان کی رائے سے فوراً ہی مخالفت کی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے اس سے بات کرنے کی' جس نے میرا لحاظ نہیں کیا وہ آپ کا کون سا ادب کرلے گی۔'' اس گھڑی زرش نے تختی سے لب بھینچ کر گہرا سانس لیا۔ اس کے نزدیک امی کی سب سے بڑی خامی یہی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے سوچ اور سمجھ لیتی تھیں پھر چاہتی تھیں دوسرا بھی ان کی سوچ' ان کی سمجھ پر لبیک کہتے ہوئے سر جھکا دے۔ اس لیے چاہ رہی تھیں اب جو انہوں نے زرش کو غلط کہہ دیا ہے تو صفوان صاحب بھی اس کو غلط کہہ کر اس سے کنارہ کرلیں' بالکل اسی طرح ان کے نزدیک اگر منال بری تھی تو وہ چاہتی تھیں سب منال کو برا کہیں حالانکہ وہ بری تو ہرگز بھی نہیں تھی پھر نجانے کیوں امی کو اس سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ ان کو سخت ناگوار گزرتا جب منال اس سے ملنے ان کے گھر آتی..... حالانکہ وہ ان کے گھر بہت کم آیا کرتی تھی اور جب آتی تو بہت مختصر وقت اس کے ساتھ گزار کر چلی جاتی تھی۔ اس نے ان سے سلام دعا کے علاوہ کبھی کوئی فالتو بات بھی نہیں کی تھی' اس کے باوجود امی کو وہ سخت ناپسند تھی اور ان کی یہ ناپسندیدگی گزرتے وقت کے ساتھ اس قدر بڑھ گئی کہ وہ اب کھلم کھلا اس کی مخالفت کررہی تھیں۔ زرش نے لب بھینچ کر ضبط سے سب سنا اور پھر سرد سے تاثرات لیے پلٹ گئی تھی۔

❀.....❀.....❀

دوسری صبح اس نے سنجیدہ مگر دوٹوک انداز میں اپنے بی اے میں داخلہ لینے کی اطلاع ان کے گوش گزار کی تو انہوں نے بھنویں سکیڑ کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا پھر چہرے پر ناگواری سجا کر بولیں۔

''اب یہ تمہارا کون سا نیا ڈراما ہے؟''

''ڈراما تو کوئی نہیں ہے' میں بس بتا رہی ہوں اس بار بی اے میں داخلہ لے رہی ہوں۔''

''کیوں بی ایس سی سے کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' ان کا انداز مسلسل ترش تھا مگر وہ پھر بھی تحمل سے جواب دے رہی تھی۔

Digitized by Google

''میرا دل نہیں ہے؟''

''دل نہیں ہے تو بھی تم بی ایس سی ہی کرو گی۔'' اس بار انہوں نے حکم دیا۔

''سائنس پڑھ پڑھ کر بور ہوگئی ہوں' میں اس بار سمپل سبجیکٹ پڑھنا چاہتی ہوں۔'' وہ خود کو بہت ٹھنڈا رکھ کر بات کررہی تھی۔ جانتی تھی کہ اگر اس وقت ذرا بھی گرمی دکھائی تو امی نے اسے آگے داخلہ لینے سے ہی منع کردینا تھا اور مزید بحث کیے بغیر بائیک نکالتے ہوئے اسد کی طرف بڑھ کر بولی۔

''اسد مجھے کالج تک چھوڑ دو..... میں نے فارم جمع کروانا ہے۔'' وہ ترنگ میں تھا چھوڑنے کی حامی بھری تو اس نے مطمئن ہوکر قدرے اونچی آواز میں امی سے کہا۔

''فارم جمع کروانے جارہی ہوں۔ آج وقت پر گھر آجاؤں گی۔'' اس نے بات مکمل کی اور کالج کے لیے نکل گئی۔ اس کی اس قدر خودسری پر امی کا غصہ عروج پر تھا۔ یہی وجہ تھی جب وہ اپنی مرضی کرکے گھر لوٹی تو امی غصے کی شدت کے اظہار میں اس سے مکمل قطع تعلق اختیار کرگئی تھیں اور پھر ان کی یہ قطع تعلقی بڑھتی ہی رہی شاید وہ اپنی جگہ ٹھیک تھیں اس نے انہیں ہرٹ کیا تھا ان کا غصہ کرنے کا حق بنتا تھا..... جب بھی اسے یہ احساس ہوتا اور وہ ارادہ کرتی کہ آگے بڑھ کر امی سے معافی مانگ لے مگر جب بھی وہ اپنے ارادے پر عمل کرنے کے لیے آگے بڑھتی امی کی طرف سے اتنا شدید ردعمل ملتا کہ وہ اپنی انا کے خول میں دوبارہ بند ہوکر اس احساس سے بے نیاز ہوجاتی۔

دن یوں ہی بے زاریت لیے گزر رہے تھے' کلاسز شروع ہونے میں ابھی کچھ دن باقی تھے۔ دوستوں سے اس کا رابطہ صرف فون کی حد تک رہ گیا تھا۔ ملنا ملانا سب سے نا ہونے کے برابر تھا' ایسے دنوں میں منال کی سالگرہ نے اسے مزید پریشان کردیا تھا۔ وہ بہت اچھے سے جانتی تھی جو کچھ وہ کرچکی ہے اس کے بعد امی اسے کبھی بھی منال کے گھر جانے کی اجازت نہیں دیں گی مگر اب سے پہلے ایسا بھی تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے منال کی کوئی سالگرہ چھوڑی ہو۔ اس کی سالگرہ پر وہ ہمیشہ اسے قیمتی تحفہ دیا کرتی تھی مگر اب ایسا کیا کیا جائے ابھی تو اس کی پہلی خودسری کی سزا ختم نہیں ہوئی تھی ایسے میں دوسری خودسری کا انجام نجانے کیا ہوتا مگر اسے کچھ تو کرنا تھا۔ وہ ایک بار پھر امی کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''امی..... کل منال کی سالگرہ ہے..... مجھے اس کو تحفہ دینے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے اس کے گھر جانا ہے۔'' اس نے سوچ کر مناسب لفظوں میں اپنی گزارش امی کی سماعت کی نذر کی اور بس..... بہت ہوگیا کی صورت کب سے لگی امی کی چپ ٹوٹی اور وہ بھڑک کر بولیں۔

''تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گی جو اگر تم منال کے گھر گئیں' سارا کیا دھرا تو اس فتنی منال کا ہے' پہلے ہی تمہیں برباد کردیا۔ اس نے اب کون سی کسر پوری کرنے اس کے گھر جانا ہے تم نے؟'' منال کے لیے ان کی نفرت لفظوں کے ساتھ ان کے چہرے پر بھی نمایاں تھی اس نے زچ ہوکر باپ کی طرف رخ کیا۔

''ابو آپ دیکھ رہے ہیں۔''

''دیکھ تو رہا ہوں مگر تم مان کیوں نہیں لیتیں' جب تمہاری ماں کو وہ لڑکی پسند نہیں ہے تو اس کا ساتھ کیوں نہیں چھوڑ دیتی تم؟'' انہوں نے الٹا اسے سمجھانا شروع کردیا تو وہ قدرے تلخ ہوکر بولی۔

''امی کو پسند آتا بھی کون ہے ابو..... ہر دوسرا بندہ تو ان کو سخت ناپسند ہوتا ہے' ہر کسی کے لیے ہر وقت بدگمان رہتی ہیں یہ.....'' کہہ تو وہ سچ رہی تھی مگر امی کو بے حد برا لگا اس لیے فوراً کہا۔

''دیکھا..... کیسے اس کی زبان چل رہی ہے' کوئی ادب لحاظ نہیں رہا اس میں۔ ماں' باپ کو کسی گنتی میں نہیں رکھتی مگر اس منال کے لیے ایک لفظ بھی غلط سننا

Digitized by Google

اس کو برداشت نہیں اس کے سکھائے پر یہ اتنی خودسری کرنے لگی ہے تو ٹھیک ہے اب ہم سے کیوں پوچھ رہی ہو جیسے پہلے اپنی مرضی کی ہے اب بھی ویسے کرو' چلی جاؤ اس فتنی کے گھر۔" امی نے اس کی بدتمیزی اور خودسری کا حالیہ ثبوت ابو کے سامنے پیش کرتے ہوئے آخر میں پھر اس کی طرف سے لاتعلقی کا اظہار کیا تو وہ سنجیدگی سے باپ کی طرف پلٹ کر بولی۔

"مجھے بس اس کو گفٹ دینا ہے۔ دوں گی اور فوراً واپس آجاؤں گی۔" بہرحال اس وقت اسے منال کے گھر جانے کی اجازت چاہیے تھی۔ اس لیے باقی سب نظرانداز کرتے ہوئے ایک بار پھر اپنی درخواست پیش کی تو معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے صفوان صاحب نے ایک نظر دونوں ماں بیٹی کی طرف دیکھا۔ حاویہ بیگم کسی طور اجازت دینے کے لیے تیار نہیں تھیں اور زرش عین ممکن تھا کہ وہ جو اجازت طلب کر رہی ہے' اجازت نہ ملنے پر اپنی مرضی کرتے ہوئے کسی خودسری کا مظاہرہ کرتی تو انہیں بہتر لگا وہ اپنا بھرم رکھ کر زرش کو ذرا دیر کے لیے اجازت دے دیں' یہی سوچ کر انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم اسد کے ساتھ جاؤ گفٹ دو اور اس کے ساتھ ہی واپس آجاؤ۔" ان کو اجازت دیتے دیکھ کر حاویہ بیگم نے اعتراض کے لیے لب کھولے' جب کہ زرش اجازت ملتے ہی فوراً وہاں سے پلٹ گئی تھی۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ اسے اجازت مل گئی تھی۔

وہ اسد کے ساتھ منال کی طرف آگئی' ارادہ گفٹ دے کر فوری واپسی کا تھا مگر جب وہ منال سے ملی تو اپنے ارادے پر عمل نہ کرسکی۔ کیونکہ وہاں منال بہت پریشان اور روتی ہوئی اس کے سامنے تھی۔ وہ پریشان ہو کر اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"اپنی برتھ ڈے کے دن کوئی ایسے روتا ہے کیا؟" اس نے اس کی بھیگی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ

naeyufaq.com

تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے

آج ہی قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں

ماہنامہ آنچل کراچی

ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول' ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہوسکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔

تیری زلف کے سر ہونے تک

خاندانی اختلاف کے پس منظر میں لکھا گیا اقراء صغیر احمد کا بہترین ناول جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ دیگا

اکائی

عشنا کوثر سردار کا ایک لازاول ناول جس کا ہر لفظ انمٹ نقوش چھوڑ دیگا

عشق دی ماری میں جھلی

سمائرہ قریشی کی دلکش دل موہ لینے والی تحریر غم خوشی سے آراستہ ایک ناقابل فراموش کہانی

Info@naeyufaq.com

پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں (03008264242)

Digitized by Google

پھیکا سا مسکرا دی۔

''ہاں...... بس ایسے ہی۔'' زرش نے محسوس کیا وہ آج کچھ چھپانا بھی نہیں چاہ رہی تھی اور اسے بتانا بھی چاہتی تھی مگر اس سے کچھ بتایا بھی نہیں جا رہا تھا۔ تب اس کا حوصلہ بڑھانے کو زرش نے نرمی سے پوچھا۔

''کیا ایسے ہی...... کیا مجھے بھی نہیں بتاؤ گی؟'' وہ جانتی تھی منال اپنے گھر کی باتیں بہت کم زیرِ موضوع لایا کرتی تھی۔ یہ شاید اس لیے بھی تھا کہ وہ خود اتنا زیادہ بولتی تھی اتنا کچھ منال سے شیئر کرتی تھی کہ منال کو کچھ شیئر کرنے کا موقع ہی نہیں دیا کرتی تھی اور آج سے پہلے منال اسے اتنی زیادہ پریشان محسوس بھی نہیں ہوئی۔

''منال میں کچھ پوچھ رہی ہوں ناں؟'' اپنا سوال دوہرا کر وہ منتظر سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''بھائی میری شادی کو لے کر بہت پریشان ہیں وہ ہر صورت جلد از جلد میری شادی کر دینا چاہتے ہیں مگر بہت سے رشتے دیکھنے کے باوجود ان کو ان کی پسند کا کوئی رشتا نہیں مل رہا۔'' اس نے اپنی پریشانی کی وجہ بیان کی تو زرش ایک دم بھنا کر بولی۔

''یہ تمہارے بھائی کو ایک دم کیا ہوا ہے۔ کیوں تمہاری شادی کے پیچھے پڑ گئے ہیں؟''

''ان کے لیے ایسے مت بولو زرش۔ انہوں نے ابو کے بعد بہت کم عمری سے ہماری ذمہ داریوں کو سنبھالا ہوا ہے ان ساری ذمہ داریوں میں اب انہیں میری ذمہ داری سب سے زیادہ پریشان کر رہی ہے۔ اس لیے وہ جلد از جلد اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر پُرسکون ہونا چاہتے ہیں اپنے لیے ان کو اس قدر پریشان دیکھنا مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا؟'' اپنی پریشانی بیان کرتے ہوئے آخر میں اس کا لہجہ ایک بار پھر گلوگیر ہونے لگا تو زرش بھی پریشان ہو گئی مگر پھر تسلی دینے کے سے انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''پریشان ہونے سے تو کچھ بھی نہیں ہوگا' یہ بات تم اپنے بھائی کو بھی سمجھاؤ اور خود بھی دماغ میں بٹھالو' خود کو پُرسکون رکھو اور اللہ پر بھروسا رکھو وہ سب ٹھیک کر دے گا۔'' اس کی بات سن کر منال نے مسکرا کر سر ہلایا تو زرش نے بھی مسکرا کر فوراً کہا۔

''آج تمہارا دن ہے میڈم...... کھل کر مسکراؤ اور مجھ سے اپنا یہ گفٹ وصول کر کے مجھے جانے کی اجازت دے دو کیونکہ اسد باہر میرے انتظار میں سوکھ رہا ہوگا۔'' اس نے بات کو مکمل کرتے گفٹ اس کی طرف بڑھایا اور پھر اسے پریشان نہ ہونے کی تلقین کر کے واپسی کے لیے پلٹ گئی۔

❀......❀......❀

گو کہ وہ منال کو پریشان نہ ہونے کا کہہ کر آئی تھی مگر وہ خود بھی اس کے لیے بے حد پریشان تھی۔ ایسے پریشان دنوں میں تایا ابو کی طرف سے میلاد کا بلاوا آ گیا' اس کا جانے کا ارادہ تو نہیں تھا مگر طبیعت کی بحالی کا سوچ کر سب کے ساتھ وہ بھی تایا ابو کے گھر آ گئی جہاں اب میلاد کی محفل کے اختتام کے بعد باتوں کی محفل عروج پر تھی۔ زیرِ بحث موضوع فراز بھائی کی شادی کا تھا' پہلے تو وہ چپ بیٹھی بے توجہی سے ان کی باتیں سنتی رہی مگر پھر جب بات فراز بھائی کے لیے لڑکی کی تلاش کی شروع ہوئی تو اس کا بے ساختہ خیال منال کی طرف گیا جس کے بعد وہ ایک دم چونک کر سیدھی ہوتی رومیہ آپی کی طرف متوجہ ہوئی جب کہ ذہنی رو بھٹک کر فراز بھائی اور منال کی طرف پرواز کر رہی تھی۔

''منال کی شادی فراز بھائی سے......'' اپنے خیال کے تحت اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اگر منال کی شادی فراز بھائی سے ہو جاتی ہے تو منال اس کے خاندان کا حصہ بن کر ہمیشہ اس کے ساتھ رہ سکے گی۔ منال کے ساتھ کا سوچ کر وہ ایک دم پُرجوش ہو گئی۔ اپنے جوش کی بدولت وہ پھر مسلسل رومیہ آپی کو نظر میں رکھے ہوئے تھی پھر جیسے ہی وہ اسے تنہا دکھائی دیں اس نے

Digitized by Google

فوراً ان کو جالیا اور پھر اس نے فراز بھائی کی شادی کا ذکر کرتے ہوئے ان کے سامنے منال کا ذکر کردیا اور ساتھ ہی اس نے موبائل میں موجود منال کی تصویر ان کو دکھادی جب کہ زبان سے وہ منال کی ہزاروں خوبیاں گنوا گئی تھی۔

رومیہ آپی نے اسے توجہ سے سنا اور تصویر دیکھ کر منال کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تو اس نے فوراً ہی انہیں منال کے گھر کا پتا سمجھا دیا اور شاید یہ اس کی دعاؤں کا نتیجہ تھا یا پھر خود منال کا نصیب فراز کے ساتھ جڑا تھا کہ دونوں طرف سے لڑکی اور لڑکے کے لیے پسندیدگی ظاہر ہوئی اور یوں رشتہ طے پا گیا اور جب یہ خبر حادیہ بیگم تک پہنچی تو پہلے تو وہ ششدر رہ گئیں مگر جب حواسوں نے کام کرنا شروع کیا تو وہ غصے سے زرش پر الٹ پڑیں۔

"یہ سب تمہاری کارستانی ہے ناں' تم نے اپنے تایا کے گھر والوں کو منال کا بتایا ہوگا؟" انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' اس رشتے میں منال کا نام ہی یہ بتانے کو کافی تھا کہ رشتے کی یہ تحریک خالص زرش ہی کی طرف چلائی سے گئی ہے۔ اس لیے اس نے انکار کیے بنا امی کے سوال کو سن کر الٹا ان سے سوال کیا۔

"تو امی اس میں حرج ہی کیا ہے؟ تایا کے گھر والوں کو فراز بھائی کے لیے لڑکی کی تلاش تھی اور منال کے گھر والوں کو لڑکے کی تو بس بہانہ بن گیا۔ ہوگیا ان کا رشتا..... مجھے مفت میں ثواب مل گیا۔" وہ حتی الامکان انداز کو نارمل رکھ کر بولتے ہوئے آخر میں ہنسی تو حادیہ بیگم نے ناگواری سے کہا۔

"تمہاری کم عقلی پر سوائے ماتم کرنے کے میں اور کچھ نہیں کرسکتی' ورنہ تم میں ذرا بھی عقل ہوتی تو کم از کم شادی بیاہ کے معاملے میں اس طرح اپنی خدمات پیش نہ کرتیں۔ کل کو اگر کوئی اونچ نیچ ہوئی تو ساری بات تم پر آئے گی اور تمہاری وجہ سے ہمیں بھی اب عمر بھر باتیں سننے کو ملتی رہیں گی مگر یہ سب ہونے سے پہلے ہی میں کل جا کر بھابی کو اس رشتے کے لیے منع کرتی ہوں۔"

انہوں نے ہمیشہ کی طرح منال کے لیے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے آخر میں اسے اپنے ارادے سے باخبر کیا تو وہ زچ ہو کر بولی۔

"کوئی باتیں نہیں سننے کو ملیں گی آپ کو' منال کو آپ جیسا سمجھتی ہیں وہ ویسی نہیں ہے۔ جتنی اچھی اور سمجھ دار لڑکی ہے اتنی ہی اچھی اور سمجھدار بہو ثابت ہوگی وہ۔" اس نے یقین سے کہا تو امی بھی غصے سے بولیں۔

"ہاں تمہاری آنکھوں پر تو دوستی کی پٹی بندھی ہوئی ہے اس لیے تمہیں وہ سب نظر نہیں آئے گا جو میری جہاندیدہ نظر اس میں دیکھتی ہے۔ اس لیے میں کسی بڑے نقصان سے پہلے ہی جا کر بھابی کو اس رشتے کے لیے منع کروں گی۔" نجانے امی اس کو کس نظر سے دیکھتی تھیں جو ان کو منال میں زمانے بھر کی برائیاں دکھائی دیتی تھیں مگر ان کی اس قدر مخالفت کے باوجود منال اسے پہلے دن کی طرح ہی عزیز تھی۔ وہ اس کے لیے امی کے خیال کو نہیں بدل سکتی تھی۔ ہاں مگر ان کی مخالفت پر وہ ہر بار اس کی طرف سے صفائی ضرور پیش کیا کرتی تھی۔ جیسے اب ان سے منال کے لیے برا سن کر وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"آپ کا مسئلہ پتا ہے کیا ہے امی..... آپ نے بس سمجھ لیا ہے کہ منال بری ہے تو بس وہ بری ہے۔ اس لیے آپ کو اس میں کوئی اچھائی دکھائی نہیں دیتی مگر اب جب وہ آپ سے آپ کے خاندان کا حصہ بن کر ملے گی تو مجھے یقین ہے آپ کو اس کی اچھائیاں بھی دکھائی دیں گی اور وہ خود بھی آپ کو اچھی لگے گی اس لیے صبر کر کے وہ وقت آنے کا تھوڑا سا انتظار کرلیں۔" اتنا کہہ کر وہ ذرا دیر کو خاموش ہوئی پھر مزید بولی۔

"اور ویسے بھی اب جب فراز بھائی کے لیے منال کو اوکے کردیا گیا ہے ایسے میں آپ جا کر ان سے رشتا ختم کرنے کی بات کریں گی تو تائی امی نے سیدھا

Digitized by Google

سیدھا یہی کہہ دینا ہے کہ ان لوگوں نے آپ کی بیٹی کو چھوڑ کر اس کی دوست کے ساتھ رشتہ داری کرلی ہے۔ اس جلن میں آپ اس کی دوست کی مخالفت میں بول کر رشتا ختم کروانا چاہتی ہیں اور میرے خیال میں تائی امی کی اس بات میں مجھ سے زیادہ آپ کی توہین ہے۔ اس لیے اب رشتا ختم کروانے کی سوچ آپ دماغ سے نکال دیں اور آگے سب اچھے کی امید رکھ کر خاموش ہو جائیں۔'' اس کا کہا ہر لفظ درست تھا۔ عین ممکن تھا ان کی طرف سے فراز کے رشتے کی مخالفت کا سن کر تائی ایسا ہی کچھ کہہ دیتیں...... جس سے انہیں واقعی اپنی توہین محسوس ہوتی مگر یہ زرش کی کارستانیاں انہوں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور بڑبڑا کر رہ گئی۔

❁......❁......❁

رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں...... زمین پر تو ملن کی رسم ہوتی ہے' چنانچہ ملن کی اس تکمیل کو پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا اور منال اپنے گھر سے تایا ابو کے گھر دلہن بن کر آ گئی۔ تایا ابو کا گھر ان کے گھر سے دو گلی چھوڑ کر تھا۔ اس کا جب دل چاہتا منال سے ملنے تایا ابو کے گھر چلی جاتی اور منال کا جب دل کرتا وہ اس سے ملنے اس کے گھر چلی آتی۔ اب بس فرق یہ تھا کہ پہلے جو منال اس سے اس کے کمرے میں ہی مل کر چلی جاتی تھی وہ اب اس خاندان کی بہو کی حیثیت سے دھڑلے سے ان کے گھر آتی۔ سب کے سامنے اور سب کے بیچ اس سے ملتی اور تو اور اب تو وہ کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے امی کی ناگواری کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے چہک چہک کر ان سے مخاطب ہو کر گفتگو کرتی اور ایسے وقت میں حادیہ بیگم اسے بہت گھورتیں' جتاتی نظروں سے زرش کی طرف ایسے دیکھتیں جیسے کہہ رہی ہوں۔

''فریب کی پٹی اتار کر کھلی آنکھوں سے اس کی سازش اور اس کے ڈرامے دیکھو۔'' اور زرش بہت اطمینان سے حادیہ بیگم کی نظروں سے نظر چراتے ہوئے اس بات کے لیے اطمینان محسوس کرتی کہ منال حادیہ بیگم کی اپنے لیے ناپسندیدگی جاننے کے باوجود ان کے ساتھ اپنے تعلقات بحال کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اپنی انہی کوششوں کے دوران ایک دن وہ بہت تک سک سی تیار ہو کر اس کے گھر آئی بہت پُر جوش انداز میں اس سے گلے ملی اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر حادیہ بیگم کے سامنے حاضر ہو کر ان کو سلام کرنے کے بعد بولی۔

''آنٹی جی...... مجھے دیکھ کر جیسے آپ کی تیوری چڑھ جاتی ہیں اس سے مجھے اتنا تو اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ مجھے پسند نہیں کرتیں مگر کیوں پسند نہیں کرتیں اس کی وجہ آج آپ مجھے کھل کر بتادیں۔'' حادیہ بیگم جو رات کے کھانے کی تیاریوں میں مصروف تھیں اس کے اچانک کیے گئے سوال پر سر اٹھا کر پہلے اس کی طرف دیکھ کر دوسری نظر زرش پر ڈالی اور پھر دوبارہ سے سر جھکا کر اپنی توجہ اپنے کام کی طرف مبذول کرلی۔

منال کے کیے گئے سوال کے جواب میں ان کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا مگر اب اس کو کچھ بھی کہنے سے پہلے وہ سوچ لیا کرتی تھیں کیونکہ اب وہ ان کے جیٹھ کی بہو تھی۔ جو وہ اگر اپنی ناپسندیدگی کی بدولت اس کے ساتھ تلخ ہو جاتیں اور وہ جا کر ساس سسر کو بتا دیتی تو انہیں یقین تھا ان کے خاندان میں فرق پیدا ہو کر لڑائی جھگڑوں کا آغاز ہو جائے گا۔ وہ خاندان کے ساتھ جڑ کر رہنا چاہتی تھیں اس لیے اب نہ تو اس کو دیکھ کر تلخ ہوتی تھی اور نہ ہی اپنی ناپسندیدگی کا کھلم کھلا اظہار کرتی تھیں بلکہ مصلحت کے تحت مجبور ہو کر وہ خاموش ہو گئیں مگر منال شاید آج بہت فرصت سے آئی تھی اس لیے ان کی نظر اندازی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے پھر سے اپنا سوال دہرا کر بولی۔

''آنٹی جی بتائیں ناں...... آپ کو میں اچھی کیوں نہیں لگتی؟'' وہ جواب لیے بنا ٹلنے کو تیار دکھائی نہ دے

Digitized by Google

رہی تھی۔ زرش نے محسوس کیا تو ہنس کر بولی۔
''یہ آج تم کیا اچھی اور بری کے چکر کو پکڑ کر بیٹھ گئی ہو؟ یہ تو دل کی باتیں ہوتی ہیں کوئی ایک دم دل کو اچھا لگ جاتا ہے تو کسی کو اچھا لگنے کے لیے بہت سا وقت درکار ہوتا ہے اور میری امی کا دل بھی ایسا ہی ہے' دوسروں کی اچھائی کو اپنے اندر اتارنے میں بہت وقت لیتا ہے' تم اب ہمارے خاندان کا حصہ بن کر فرصت میں ان سے ملتی ملاتی رہو گی تو ان کے دل کو اچھی بھی لگ ہی جاؤ گی اس لیے یہ بے صبری ترک کر کے اس وقت کا انتظار کرو۔'' زرش جانتی تھی امی نے منال کے سوال کا جواب دینا ہی نہیں تھا۔ اس لیے اس کو مطمئن کرنے کے لیے اس نے ایسا کہا تو منال فوراً بولی۔

''بھئی یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اب اس وقت کے انتظار میں مجھے کب تک بیٹھنا پڑے گا۔ جب کہ میں اب کسی کے انتظار میں نہیں ہوں...... میں ان کو اچھی نہیں لگتی مگر مجھے تو یہ اچھی لگتی ہیں' اتنی اچھی کہ تمہارے خاندان کا حصہ بن کر ان سے جو میرے دور دور کی رشتے داری بنی ہے میں اس رشتے داری کو قریب قریب کی رشتے داری میں بدلنا چاہتی ہوں۔'' آج اس کے بات کرنے کا انداز الگ تھا مگر اس کی اس ذومعنی بات پر امی کے ساتھ ساتھ خود زرش نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

کیا مطلب تھا اس کا دور کی رشتے داری کو نزدیک کی رشتے داری میں بدلنے کا؟ اس کی بات خود زرش کی بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس لیے الجھ کر پوچھا۔

''یہ آج تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ جو کہنا چاہتی ہو کھل کر کہو۔''

''کھل کر ہی تو بات کر رہی ہوں بھئی...... صاف ہی تو کہا ہے تم لوگوں سے قریبی رشتے داری کرنا چاہتی ہوں۔ زرش میڈم تم میرے بھائی کو دل و جان سے اس قدر پسند آ گئی ہو کہ وہ تم سے فوری شادی کرنا

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں
ماہنامہ نئے اُفق
ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے
امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
6000 روپے
مڈل ایسٹ' ایشیائی' افریقہ' یورپ کے لیے
5000 روپے
رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام' ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔
مقامی افراد
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216
موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242
رابطہ: طاہر احمد قریشی...... 0300-8264242
نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز
81 نیشم بیرکس، ہاکی کلب آف پاکستان
اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510
فون نمبرز: +922-35620771/2
naeyufaq.com
Info@naeyufaq.com

Digitized by Google

چاہتے ہیں۔'' اس نے بہت بے تکلفی سے اپنے بھائی کی پسند حادیہ بیگم کے سامنے زرش کو بتائی حادیہ بیگم کو اس کا یہ چھچھورا پن سخت زہر لگا مگر اس سے پہلے کہ وہ ضبط کا دامن چھوڑ کر ناگواری کا مظاہرہ کرتی اس کو کچھ کہتی ان کی نظر اس کی بات سن کر جھینپ کر لال ہوتی زرش پر گئی تو وہ بری طرح بھنا گئی..... انہیں تو پہلے ہی یقین تھا زرش کے بگاڑ کی اصل وجہ منال ہے اور اب یہ بے شرمی کا نیا ریکارڈ اور زرش کا شرمانا ان کے ضبط کو ختم کر گیا تھا چنانچہ انہوں نے بہت غصے میں دانت پیس کر کہا۔

''اپنی اور اپنے بھائی کی بے حیائی کو اپنے تک محدود رکھو..... مجھے تم لوگوں سے نہ تو کوئی رشتے داری کرنی ہے اور نہ ہی زرش کی شادی تمہارے بھائی سے کرنی ہے۔ اس بات کو حتمی سمجھ کر زرش کے ساتھ اپنے تعلقات کو بھی ختم کردو آئندہ میرے گھر اور میری بیٹی سے ملتی دکھائی نہ دینا تم۔'' حادیہ بیگم ہر لحاظ بھول کر بے حد نفرت سے بولتیں تو منال ان کا انداز اور اپنے لیے ان کی اس قدر نفرت دیکھ کر حیران رہ گئی۔ حادیہ بیگم نے تابوت میں آخری کیل ٹھونکتے ہوئے ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اب تم یہاں سے جاسکتی ہو۔'' انہوں نے آج اپنی ناگواری کو چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آج ان کے پاس اس کو سنانے اور سب کو بتانے کو اس کے بھائی کی بے حیائی کا ثبوت تھا چنانچہ انہوں نے دل کھول کر دل کی بھڑاس نکالی۔ منال خاموشی سے وہاں سے نکل گئی اور اس کے بعد وہ پھر واقعی ان کے گھر نہیں آئی۔ زرش خود اس سے ملنے تایا ابو کے گھر گئی تو بھی منال اس کے سامنے آئی اور نہ ہی اس سے ملی۔ حادیہ بیگم کی ناگواری اور نفرت کی بدولت منال کا یہ رویہ اپنی جگہ بالکل درست تھا مگر زرش بے حد پریشان تھی۔ وہ منال کے ساتھ کسی صورت اپنی دوستی ختم کرنا نہیں چاہتی تھی۔

ایک منال ہی تو اس کی ایسی دوست تھی جس سے وہ اپنا ہر دکھ سکھ شیئر کیا کرتی تھی اور اس کی وہی دوست اب حادیہ بیگم کی وجہ سے اس کی شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کر رہی تھی۔ اب وہ حادیہ بیگم سے ہر وقت الجھنے لگی تھی۔ ہر چھوٹی چھوٹی بات پر ان کی مخالفت کرتی تھی۔ اس کے اس رویے پر سدا کی غصیلی حادیہ بیگم بھی مزید غصہ کرتیں اس پر چیختیں چلاتی جس کی وجہ سے گھر کے ماحول میں ہر وقت محاذ آرائی رہنے لگی تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ حادیہ بیگم اس کو چھوٹی سی بات پر معمولی سا بھی ڈانٹ دیتیں تو وہ بات کو طول دے کر ان کی برابری کرنے لگتی ان سب تماشوں سے تنگ آ کر صفوان صاحب نے حادیہ بیگم کو اس کے رشتے کے لیے منال کو ہاں کرنے کی صلاح دی اور اب اس کی بدتمیزیوں سے تنگ حادیہ بیگم خود بھی عذاب بنی زرش سے ناک تک بھر گئی تھیں۔ وہ خود بھی اس سے فوری چھٹکارا چاہتی تھیں اس لیے انہوں نے خود جا کر منال سے بات کی اور زرش کے رشتے کے لیے رضامندی دے دی۔

زرش نہیں جانتی تھی حادیہ بیگم نے منال سے جا کر کیا بات کی۔ اس کے لیے بس یہی کافی تھا۔ حادیہ بیگم کے منال سے جا کر بات کرنے کے بعد منال راضی خوشی اس سے ملنے اس کے گھر آ گئی تھی اس بار زرش نے خود احتیاط کے دامن کو پکڑتے ہوئے منال کو اپنے کمرے میں لے جا کر اکیلے ملاقات کی تھی۔ ایک ایسی ملاقات جس میں پہلے گلے شکوے ہوتے رہے آخر میں شکوے شکایتیں ختم کر کے منال نے اس کو اپنے بھائی کی پسندیدگی نئے سرے سے بتانی شروع کی اور خوش آئند سنہری خوابوں کی ڈور اس کے ہاتھوں میں تھما دی جس کو مضبوطی سے تھام کر چاہے جانے کے احساس کے زیر اثر وہ ہر وقت ہواؤں کے سنگ اڑی اڑی رہا کرتی تھی۔ حادیہ بیگم نے سب کچھ بہت سنجیدگی سے ملاحظہ کرنے کے بعد بہت سپاٹ انداز

Digitized by Google

میں اس سے کہا۔

"اب تک جو تم نے چاہا ہم نے وہی کیا مگر اب اس کے بعد جو ہوگا وہ سراسر تمہاری ذمہ داری ہوگی۔ اسے تمہیں اکیلے بھگتنا ہوگا۔" وہ شاید اپنی طرف سے اس کو آگاہی دے رہی تھیں مگر اس نے سنا تو سر اٹھا کر سنجیدگی سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بد دعا دے رہی ہیں مجھے؟" اس کی بات سن کر حاویہ بیگم نے سر کو ہلا دیا۔

"دینی تو چاہیے مگر نہیں دوں گی کیونکہ تمہیں بد دعا سے زیادہ آگاہی کی ضرورت ہے جو شاید آگے حالات کو بد دعا کی صورت ڈھلتے دیکھ کر کچھ کام آجائے۔" انہوں نے کہا تو زرش سنجیدہ انداز لیے بولی۔

"آپ ٹینشن سوچنا چھوڑ دیں بس...... باقی جو ہوگا اچھا ہی ہوگا۔" وہ حد درجہ پُرامید تھی حاویہ بیگم نے اس سے مزید بحث کا ارادہ ملتوی کیا اور اس کے سامنے سے ہٹ گئیں۔

......❀......❀......

حاویہ بیگم اس کی شادی جلد از جلد کر دینا چاہتی تھیں اور خود منال کے گھر والوں کی طرف سے بھی شادی کے لیے جلدی کا مطالبہ تھا اس لیے بس تھوڑا سا وقت شادی کی تیاریوں کی نذر کر کے انہوں نے شادی کی تاریخ طے کر دی۔ یوں مقررہ تاریخ پر نکاح کے مقدس بندھن میں بندھ کر زرش باپ کے گھر سے رخصت ہو کر پیا گھر آگئی۔ جہاں سہراب حقیقتاً دل کی تمام راہیں وا کیے اس کا منتظر تھا۔ اس نے بہت مان سے ان راہوں پر قدم رکھ کر اس کی ہمراہی کو قبولیت کی سند دی تو زندگی مسرور ہو کر کھلکھلا اٹھی۔ منال کی فیملی بہت مختصر سی تھی۔ اس کے دو بھائی خود وہ ایک بہن اور اس کی امی۔ اس کے والد کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ جس کے بعد سے سہراب نے ہی باپ بن کر ان کو پالا ان کی ہر ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھایا تھا جس میں سرفہرست منال کی شادی کر دینا شامل تھا۔ ان کے علاوہ اس کا چھوٹا بھائی تھا جو ابھی پڑھائی کر رہا تھا۔ گھر پر وہ بہت ہی کم دکھائی دیتا تھا۔ شاید پڑھائی کی وجہ سے وہ کسی ہاسٹل میں رہائش پذیر تھا۔ جب ہی ہفتے میں ایک آدھ دن گھر میں دکھائی دیا کرتا تھا۔ یوں اس کے لیے سسرال کی زندگی میں راوی ہر طرف چین ہی چین لکھ رہا تھا۔

اس کی شادی کو ابھی مہینہ ہی ہوا تھا وہ مرضی کی نیند لے کر جاگتی...... دل ہوتا تو گھر پہ کھانا کھا لیتی ورنہ سہراب کے ساتھ گھومنے جاتی تو باہر سے ہی کھانا کھا کر آتی تھی۔ ایسے خوب صورت دنوں میں سے ایک دن وہ سہراب کے ساتھ باہر سے گھوم پھر کر گھر آئی تو وہاں منال ان کی منتظر تھی۔ اس نے منال کو دیکھا تو بہت جوش و خروش سے اس کی طرف بڑھ کر تپاک سے اس سے گلے ملی تو منال نے بھی ہنستے ہوئے اس کو خود سے لپٹایا پھر اس کی پشت پر بھرپور تھپکی دیتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"سنا ہے لوگوں کی روز سیریں دیریں ہو رہی ہیں مگر ہمیں کوئی اطلاع ہی نہیں ہے بھئی...... ہم کباب میں ہڈی جو بن جائیں گے۔ اس لیے چھپتے چھپاتے پروگرامز بنائے جاتے ہیں۔" بظاہر وہ ہنس کر سب کہہ رہی تھی مگر سہراب کی طرف وہ بھرپور شکوہ بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ زرش اس کی نگاہوں کے تاثرات پر غور کیے بنا چینج کا کہہ کر وہاں سے چلی گئی تو منال نے سہراب سے کہا۔

"اس کے ساتھ تو چلیں میرا نند بھاوج کا رشتہ ہے اس سے شکوہ کرنا بنتا نہیں ہے میرا مگر آپ سگے بھائی ہو کر روز نت نئی جگہوں پر سیر سپاٹوں کے لیے نکل جاتے ہیں اطلاع تک نہیں دیتے۔" اس بار اس نے انتہائی سنجیدگی سے شکوہ کیا جس کے جواب میں سہراب نے کہا۔

"یہ نند بھاوج کیا ہے بھئی وہ دوست ہے تمہاری کوئی شکوہ ہو تو کرو اس سے۔ بھئی نئی نئی شادی ہوئی

Digitized by Google

ہے اپنی بیوی کو گھمانے لے جاتا ہوں تو کیا اب اس کی بھی اطلاع دیا کروں۔'' اس نے ابرو اچکا کر استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو منال نے مزید شکوے سے بھرے لفظ ادا کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو کیا ہو جائے گا جو اگر آپ مجھے اطلاع کر دیں گے تو..... ہو سکتا ہے میرا بھی پلان بن جائے میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ گھومنے چلی جاؤں۔''

''لو جی یہ کیا بات کی تم نے..... تم ہمارے ساتھ کیوں گھومنے جاؤ گی' خیر سے تم شوہر والی ہو اب اس کے ساتھ گھومتی پھرتی ہی اچھی لگو گی۔'' منال کی سنجیدگی کو کسی گنتی میں لیے بنا سہراب مسلسل ہنس کر ہلکے انداز میں اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ جس پر منال مزید سنجیدہ ہو گئی۔

''شوہر والی ہونے کے بعد کیا بھائیوں پر سے بہن کا حق ختم ہو جاتا ہے؟'' اس کی سنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی' سہراب تھوڑا سا چونک کر بولا۔

''ایسا کب کہا میں نے؟''

''صاف لفظوں میں نہیں کہا مگر دبے لفظوں میں آپ مجھ سے ایسی ہی بات کر رہے ہیں بھائی اور آپ کی اس بات کے بعد مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ وہ کل کی آئی لڑکی آپ کے لیے بیوی بن کر اس قدر اہم ہو گئی ہے کہ آپ آج مجھ سے اس طرح کی بات کر رہے ہیں۔'' بات مکمل ہونے سے پہلے ہی منال کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو ٹپ ٹپ گرنا شروع ہو گئے تھے۔ سہراب اس ردعمل سے بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

''منال پاگل ہو گئی ہو کیا۔ جیسا تم سوچ رہی ہو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔'' اس کی طرف دیکھ کر سہراب فوراً اپنی طرف سے صفائی دے کر اس کے مزاج کو بحال کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر منال اس کی کوشش کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھتی بھیگی آواز میں بولی۔

''مجھے سب کچھ بہت اچھی طرح سمجھ آ رہا ہے۔ اندازہ ہو گیا ہے مجھے آپ کے لیے اب بیوی کے سامنے بہن کی کوئی اہمیت نہیں رہی ہے مگر یہ بات مت بھولیں آپ کہ زرش کو آپ کی بیوی بنانے کا ہر راستہ میں نے ہموار کیا ہے اور اس دوران جس قدر ذلت اور توہین کا سامنا کرنا پڑا وہ صرف میں ہی جانتی ہوں۔ سب کچھ میں نے اکیلے برداشت کیا۔ آپ سے آ کر کبھی کوئی شکوہ نہیں کیا کیونکہ میں آپ کی خوشی غارت کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے بہن ہونے کا حق ادا کیا مگر اب آج آپ.....'' آنسوؤں کی شدت میں اس نے بات کو ادھورا چھوڑا پھر بنا اس کی طرف دیکھے تیزی سے پلٹی اور کمرے سے نکل گئی۔

سہراب پہلے تو ہکا بکا کھڑا اس کو سنتا رہا مگر جب وہ پلٹ کر کمرے سے نکلی تو وہ ایک دم بوکھلا گیا۔ فریش سی زرش ٹھنڈے مشروب کا گلاس ٹرے میں سجائے وہاں چلی آئی۔

''منال کہاں گئی؟''

''وہ..... امی کے پاس ہے۔'' سہراب کو یہی بہتر لگا کہ وہ اسے پریشانی سے بچا کر فی الحال بات کو ٹال دے۔ اس نے یہی سوچا وہ خود منال کو سمجھا کر راضی کر لے گا' زرش اس ساری بات سے بے خبر رہے اس لیے اس نے مختصر جواب دیا۔

''چلیں تو پھر امی کے پاس ہی چلتے ہیں۔'' کہتے ہوئے وہ جانے کے لیے پلٹی اور قدم بڑھائے تو سہراب نے کہا۔

''نہیں رہنے دو..... ابھی وہ امی سے مل لے ان سے مل لے گی تو ہم کو بھی بلا لے گی۔'' اس نے اسے منال کے ارادے سے باز رکھنے کو کہا اور ہاتھ بڑھا کر ٹھنڈے مشروب کے گلاسوں میں سے ایک گلاس اٹھایا اور پلٹ کر دائیں طرف رکھے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

Digitized by Google

منال گھر آ کر بھاوج بنی اپنی دوست کے بارے میں غلط سوچ جل بھن رہی تھی۔ قصور شاید اس کا بھی نہیں تھا یہ رشتا ہی ایسا تھا جو منٹوں میں حبیب کو رقیب بنا کر دلوں سمیت گھروں کو بھی حسد اور جلن کی آگ کی نذر کر دیتا ہے۔ منال بھی آج سہراب کے اطوار دیکھ کر زرش کی طرف سے شدید حسد اور جلن محسوس کر رہی تھی' اپنے احساسات کی بدولت اسے شدید خطرہ لاحق ہو رہا تھا کہ اب اس کا میکہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے کو ہے اور ایسا اسے کسی صورت بھی قبول نہیں تھا۔ اس لیے اس نے پہلے ہی مرحلے پر سنجیدگی اختیار کرتے سختی کا ایسا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں سہراب پریشان سا اگلے ہی روز اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

اب لاکھ زرش اس کی دوست تھی مگر سہراب اس کا بھائی تھا۔ بھائی بھی ایسا جو ہمیشہ اس کی مٹھی میں رہا تھا تو پھر اب وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے نکلتا دیکھ کر کیسے برداشت کر سکتی تھی۔ سہراب نے اس کی ناراضی دور کرنے کا جتن کیا تو اس نے دوستی کو بلائے طاق رکھ کر اپنا مطلب دیکھتے ہوئے سانپ سا پھن پھیلایا اور پھنکار کر بولی۔

''مجھ پر اپنا وقت ضائع کر کے کیوں اپنے سیر سپاٹوں میں کمی کر رہے ہیں؟''

''یہ تم کیسی بات کر رہی ہو منال؟''

''ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں..... مجھ پر اپنا وقت ضائع مت کریں' گھر جائیں آپ کی بیوی آپ کا انتظار کر رہی ہوگی پھر کہیں جانا ہوگا آپ لوگوں کو۔''

اس کا انداز اس قدر تیکھا تھا کہ وہ بے بسی سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ اس کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ایک دم منال کو ہو کیا گیا ہے۔ وہ زرش کے لیے اس طرح کی بات کیوں کر رہی تھی۔ وہ زرش جو اس کی بیوی بعد میں بنی پہلے وہ اس کی دوست تھی تو وہ اپنی دوست کے لیے یوں تیکھی کیوں ہو رہی ہے۔ جب ہی الجھے ہوئے انداز میں اس سے سوال کیا۔

''منال تمہیں ہو کیا گیا ہے..... کیوں اس طرح برتاؤ کر رہی ہو؟'' وہ بہت زیادہ پریشان دکھائی دے رہا تھا' منال نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا پھر کہا۔

''کچھ نہیں ہوا ہے مجھے..... میں بس وہ فرق دیکھ رہی ہوں جو میرا بھائی مجھ سے میری اس دوست کی وجہ سے کر رہا ہے جس کے ساتھ تعلق رکھنے سے لے کر اس کو بھابی بنانے تک اس کی ماں کی ناگواری اور نفرت کو برداشت کرتی رہی ہوں۔ میں نے کبھی کسی کو نہیں بتایا نہ ہی آپ کو بتایا کہ زرش سے آپ کا دل برا ہوگا مگر اب اس زرش کی وجہ سے میرا بھائی مجھ سے آنکھیں بدل رہا ہے تو مجھے دکھ تو ہوگا ناں۔'' بہت دلگیر انداز میں کہتے ہوئے اس نے دھواں دھار رونا شروع کر دیا' جب کہ سہراب اس کے منہ سے زرش کی ماں کی منال کے لیے نفرت اور ناگواری سن کر حیران رہ گیا تھا۔

''زرش کی امی کی تمہارے لیے ناگواری اور یہ میرے اور زرش کے رشتے کو لے کر اس کی امی کی نفرت یہ سب کیا ہے؟'' منال نے غور سے اس کے تاثرات ملاحظہ کیے پھر بھس میں مزید آگ لگانے کو بولی۔

''آپ کا دل برا نہ ہو اس لیے میں کچھ بتانا نہیں چاہتی' ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ زرش کی امی ہمارے ساتھ کوئی رشتا جوڑنا ہی نہیں چاہتی تھیں۔ انہیں ناں تو میں پسند ہوں اور نہ میرے گھر والے۔'' اس نے انداز کو اتنا مسکین بنا کر کہا کہ مزید حیران ہوتا سہراب آخر میں غصے سے سرخ ہوتے چہرے سے بولا۔

''تم نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''کیسے بتا دیتی..... آپ کا اتنا دل تھا زرش کے لیے۔ آپ کا دل توڑنا نہیں چاہتی تھی میں۔''

''بھاڑ میں جائے دل۔ منال حد کر دی تم نے..... ایسی بات تمہیں مجھے اسی وقت بتانی چاہیے تھی' ہماری

Digitized by Google

عزت سے بڑھ کر نہیں تھا میرا دل۔"

"یہ تو آپ کہہ رہے ہیں ناں بھائی۔ میرے لیے آپ اور آپ کی خواہش بہت اہمیت رکھتی تھی اس لیے میں نے رشتے کی بات کے بعد اس عورت کی ہر بری بات اور اس کا ہر ناگوار انداز برداشت کیا' اپنے گھر میں کھڑی ہو کر وہ عورت مجھ پر اس قدر چلائی' اتنا برا بھلا کہا مجھے کہ کیا بتاؤں آپ کو حالانکہ وہ خود ایک ایسی نفسیاتی عورت ہے جس نے گھر کو گھر کے بجائے سرائے بنا کر رکھا ہوا ہے۔ جو اپنی سگی اولاد اور شوہر کو جوتی کی نوک پر رکھتی ہے' خود زرش اپنی ماں سے اس قدر تنگ ہے ہر وقت میرے سامنے اپنی ماں کے خلاف بولا کرتی تھی۔" منال نے دکھی انداز میں خود کو بھائی کی ہمدرد ثابت کرتے ہوئے چپکے سے بے خبر زرش کی پیٹھ میں ایسا وار کیا جس کے زخم نے ناسور بن کر اب عمر بھر اس کو بلبلائے رکھنا تھا۔

سہراب ضبط سے سرخ چہرہ لیے بہت توجہ سے اس کو سن رہا تھا اور وہ بھائی کی توجہ محسوس کر کے اسے شروع دن سے لے کر آخر تک زرش کی ماں کی سب باتیں' ان کا غصیلا انداز' جارحانہ طبیعت اور ان کے گھر کے حالات سے لے کر خود گھر کے حالات سے تنگ آئی زرش کا گھر کے ماحول سے فرار کا بتانے کے ساتھ ساتھ اس نے ہر وہ چھوٹی بڑی بات سہراب کے گوش گزار کر دی جو زرش خود اس سے شیئر کیا کرتی تھی۔ اچھی طرح آگ لگانے کے بعد جب وہ مطمئن ہو گئی کہ اس کا بھائی اب پھر کبھی اس کے ہاتھ سے نہیں نکلے گا تو پھر سے خفا اور بھیگے سے انداز میں شکایتاً بولی۔

"میں سب کچھ جانتی تھی۔ اس کے باوجود ایسے گھر کی لڑکی کو اتنے جتن کر کے آپ کی بیوی بنا کر لائی اور اس سے مل کر آپ مجھے ہی غیر کرنے لگے ہیں۔" اس کا ملال کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا مگر دل میں یقین تھا کہ اب پھر سے اس کے لیے اس کے بھائی اور میکے کی طرف سے بیک مضبوط رہے گی۔ وہ دل میں اطمینان اترتا محسوس کر رہی تھی جب کہ سہراب اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔

"کوئی غیر نہیں کر رہا میں تمہیں..... تم بہن ہو میری اور ہمیشہ مجھے عزیز رہو گی' باقی رہی زرش اور اس کی ماں اس سے اب میں خود نمٹ لوں گا' ان کی اب تم فکر مت کرنا۔" اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر مزید کچھ کہے وہاں سے نکل گیا۔

پیچھے کھڑی منال نے گہرا سانس بھر کر "خس کم جہاں پاک" کے سے انداز میں کندھے اچکا کر خود کو مطمئن کیا۔ اس کے کسی بھی انداز میں کہیں بھی ایسا کوئی تاثر نہیں تھا' جس سے واضح ہو سکتا کہ دوست کا بھروسا توڑنے کا اسے کوئی ذرا سا بھی افسوس ہو اور یہ افسوس اسے کبھی ہونا بھی نہیں تھا کیونکہ وہ ایسی ہی تھی' اپنے مطلب کے لیے کچھ بھی کر گزرنے والی اور وہ ایسا ہی اب بھی کر رہی تھی۔ پہلے اس نے زرش کی شادی اپنے بھائی سے صرف اس لیے کروائی تھی کہ بھائی سے شادی کی صورت کوئی اور انجانی لڑکی آ کر اسے اس کے بھائی سے الگ کر کے اس کے میکے اس کے باپ کے گھر سے بے دخل نہ کر دے اور اب جب زرش کی طرف سے بھی اسے ایسا ہی خطرہ محسوس ہونے لگا تو اس نے اپنی چال چل دی۔ جس کا خمیازہ اب زرش نے بھگتنا تھا۔

❀.....❀.....❀

سہراب جب گھر میں داخل ہوا تو غصہ اس کے چہرے پر بہت نمایاں تھا۔ زرش نے دیکھا تو پریشان ہو کر اس کے قریب آ کر استفہامیہ انداز میں بولی۔

"کیا ہوا آپ بہت غصے میں دکھائی دے رہے ہیں؟" اور یہ پوچھ کر گویا اس نے خود اپنی شامت کو آواز دی تھی۔ سہراب سارا ضبط کھو کر بری طرح اس سے مخاطب ہوا۔

"مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو کہ کیا ہوا ہے تمہیں خود بہت اچھے سے علم ہے کہ کس طرح تمہاری نفسیاتی ماں

Digitized by Google

میری بہن کی انسلٹ کرتی رہی ہے۔‘‘ گو کہ اس نے اپنی طرف سے آدھی ادھوری بات کہی تھی مگر غور سے سنتی زرش سیکنڈ سے بھی کم وقت میں بات کی گہرائی میں اتر کر بات کو سمجھ گئی تھی مگر وہ حیران تھی کہ آج سہراب کو یہ بات کس نے بتادی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ منال اس کی بہترین دوست اس کے ساتھ کچھ غلط بھی کرسکتی ہے۔ اسی لیے وہ الجھ کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی جس کے الفاظ آگ اگل کر اس کو بھسم کررہے تھے۔

’’میری بہن کی انسلٹ کرنے سے پہلے خود تمہاری ماں نے اپنے گریبان میں کیوں نہیں جھانکا۔ وہ خود کیا ہے؟ خود وہ اپنا گھر سمیٹ کر نہیں رکھ سکتی‘ جو اولاد کی اچھی تربیت نہیں کرسکتی‘ جس کی سگی اولاد اس سے متنفر رہتی ہے...... اتنی متنفر کہ گھر والوں کو چھوڑ کر غیروں میں وقت گزارنا پسند کرتی ہے۔‘‘ سہراب یہ سب کیا کہہ رہا تھا؟ وہ گنگ سی آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

جو منال کی زبان منہ میں رکھ کر مسلسل بولتا اس کی زندگی کے ہر اس تاریک پہلو سے پردہ اٹھا رہا تھا جو کبھی اس نے خود مظلوم بن کر منال سے شیئر کیا تھا تو پھر منال نے اس کے بھرم پر بم لگا کر اس کی دھجیاں بکھیر دی تھیں مگر منال اس کے ساتھ ایسا کیوں کررہی تھی۔

’’منال اگر یہ سب مجھے پہلے بتادیتی ناں تو میں کبھی بھی تم سے شادی نہ کرتا...... تم اسی نفسیاتی عورت کی بیٹی ہو ناں تو جیسی ماں ہوتی ہے بیٹی بھی تو ویسی ہی ہوتی ہے۔ کل کو ماں بن کر تم بھی میرے گھر اور میری نسل کو برباد کروگی۔‘‘ انگلی اٹھا کر اس پر چلاتے ہوئے آخر میں سہراب نے تنفر سے مزید کہا۔

’’مگر اب...... تم کسی گمان میں نہیں رہنا...... میرے دل سے اتر گئی ہو تم...... کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا ہوں میں تم سے‘ چاہو تو اپنے گھر جاسکتی ہو۔‘‘

دل کو چھو لینے الفاظ شعر میں بیان کرتی

نائلہ ذیشان بٹ

کا شعری مجموعہ

کیوں اداس رہتی ہو

منظر عام پر آگیا ہے

قیمت صرف 200 روپے

خواہش مند حضرات رابطہ کریں

03056208824

اور اگر آپ اپنی کتاب پبلش کرانا چاہتی ہیں

مناسب قیمت پر تو رابطہ کریں

محمد ندیم عطاری

پبلی کیشنز 03362601530

غصے کی شدت سے پاگل ہوتے سہراب نے لال انگارہ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے اس کی اوقات یاد دلائی اور پھر تن فن کرتا کمرے سے نکل گیا۔ پیچھے بت بنی زرش ذرا سی لرزی اور لرز کر زمین پر ڈھے گئی۔ وہ مسلسل اپنے حواسوں کو برقرار رکھ کر یہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ منال نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟

''اپنی سوچ میں سلگتے ہوئے اسے دوپہر سے شام' شام سے رات ہوگئی مگر اسے اپنے سوال کا جواب نہ مل سکا تو جواب کی تلاش میں اس نے اپنے اندر جھانک کر اپنی ذات سے سوال کیا تو وہ خود اپنے مقابل سوال بن کر کھڑی ہوگئی..... اس نے سر اٹھا کر کھلی آنکھوں سے اپنے احساس کو دیکھا تھا جو اسے جتا رہا تھا۔ تمہیں لگتا ہے منال نے تمہارے ساتھ غلط کیا؟ جب کہ غلط تو تم نے خود اپنے ساتھ کیا ہے' اپنا ہر راز جب تم خود اپنے لیے راز نہیں رکھ سکیں تو کسی دوسرے سے یہ امید کیسے رکھ لی کہ وہ تمہارے راز کو راز رکھے گا؟''

''مگر وہ میری بہترین دوست تھی۔'' اس نے وضاحت دی تو کوئی طنزیہ سی ہنس کر بولا۔

''دوست..... یہ دوست کیا ہوتا ہے بھلا؟'' کس قدر نوکیلا سوال تھا' اس نے سر کو جھکا کر گھٹنوں پر ٹکایا جب کہ دل نے چپکے سے اعتراف کیا۔

''تو اس کا مطلب ہے منال کے لیے امی کی پہچان درست تھی۔''

مگر..... وقت گزارنے کے بعد کیے گئے اس اعتراف کا اب کوئی فائدہ ہی نہیں تھا مگر اس بار اس نے نفع نقصان کی پرواہ کیے بغیر دل کے اعتراف کو زبان کی نوک سے ادا کیا اور تھکے ہارے جواری کی مانند دیوار سے سر ٹیک کر آنکھیں بند کیے ملال سے بڑبڑائی۔

''کاش امی..... آپ نے اپنی پہچان کو درست انداز میں مجھ تک بھی پہنچایا ہوتا۔'' ماں کے لیے اس کے جذبات کو سن کر اس کے اپنی احساس نے تیکھا ہو کر اس سے سوال کیا تھا۔

''ان کے درست انداز سے پہلے کیا کبھی تم نے ان کو درست تسلیم کیا تھا۔'' اس لمحے وہ وقت کے ان لمحوں کے مقابل تھی جو اپنی پہچان خود بن کر آئینہ دکھاتے ہیں۔ وہ بھی ان لمحوں کے زیر اثر اپنی زندگی کے آئینے میں جھانکتی وہاں دیکھ رہی تھی جہاں حادیہ بیگم اس کی کسی بات پر غصے سے اسے ڈانٹ رہی تھیں تو وہ خود بھی ان سے متنفر ہو کر ان کی ہر بات کا تلخ جواب لوٹا رہی تھی۔ اپنے مقابل آئینے میں اس نے خود کو اپنی ماں کی شکایتیں منال سے لگاتے سنا تو ایک بار پھر اس کا سر جھک گیا۔ اس کی نظر میں اگر امی قصوروار تھیں تو آج اپنی نظر میں وہ خود بھی قصوروار تھی مگر وہ تو اولاد تھی ناں اور اولاد سے نادانیاں ہو ہی جایا کرتی ہیں تو پھر امی نے اسے پیار سے کیوں نہیں سمجھایا' اسے کیوں نہیں بتایا کہ منال اگر بری ہے تو کیوں بری ہے؟ اور پھر ماں نے اسے خود سر تو بول دیا ماں بن کر کبھی یہ کیوں نہیں پوچھا کہ خود سری کیوں کرنے لگی ہو؟

''انہوں نے ماں ہونے کا کوئی حق ادا نہیں کیا تھا۔'' اس نے اذیت میں تڑپ کر بری طرح ہونٹوں کو کچلا تو اس کے احساس نے سر اٹھا کر کہا۔

''بیٹی کا حق تو تم نے بھی کبھی ادا نہیں کیا..... جب معلوم تھا ماں کے مزاج کی تلخی ان کی فطرت ہے تو خود کو ڈھال کر ان کی فطرت بدلنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ الٹا ماں سے بدظن ہو کر ان کی برائیاں غیروں کے سامنے کی جس کی بدولت آج وہ شوہر کی نظروں سے گر گئی تھی۔''

غلطی سراسر اسی کی تھی تو پھر وہ کسی سے شکوہ کرتی بھی تو کیسا..... چنانچہ اس نے اپنی غلطی کی سزا کو سر جھکا کر اس لیے قبول کر لیا کیونکہ اب وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ہار کا سن کر اس کی ماں اس کو کوئی طعنہ دے

Digitized by Google

اور اس نے سزا پر سر جھکا کر اس لیے بھی خاموشی اختیار کرلی تھی کیونکہ وہ اب خود کو اچھی نسل کا امین ثابت کرنا چاہتی تھی مگر اس سب کے لیے ابھی اسے بہت سے امتحانات کے دریا پار کرنے تھے اور وہ اس کے لیے تیار تھی جس کے ثبوت میں وہ اس گھر میں رہی اور وہاں رہ کر چپ چاپ سر جھکا کر سارا دن کام میں لگی رہتی۔ جب جہاں ذرا بھی فرصت میسر آتی وہ اپنی غلطیاں یاد کر کے خود کو نصیحتیں کرتی' سہراب اب بہت کم اس سے مخاطب ہوتا تھا مگر وہ جب بھی اس سے مخاطب ہوتا طنز کے ڈھیروں زہریلے تیر اس کی طرف برسا کر مزید زخمی کر دیتا۔ وہ اس کو چھوڑ دینا چاہتا تھا مگر فراز منال کے لیے مسئلہ نہ کرے کی وجہ سے وہ اپنے اس عمل سے خود کو روک کر اس کو اپنے گھر میں برداشت کر رہا تھا مگر اپنی اس برداشت کی سزا کے طور پر اس نے یہ کیا کہ اس کی ہر حقیقت اپنے گھر کے ہر فرد کو بتا دی جس کے بعد اب جس کا جب دل کرتا اس کی تزلیل کر دیتا۔ حالانکہ اتنے عرصے میں وہ خود ان سب کی تمام حقیقت سے اچھی طرح واقف ہو گئی تھی..... وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ منال کی ماں نے گھر سے بھاگ کر اس کے باپ سے شادی کی تھی جس کی وجہ سے ان کا ددھیال اور ننھیال سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

گھر سے بھاگ کر آئی اس عورت سے محلے کے لوگوں نے بھی کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔ ہر کوئی ان سے ملنے سے کتراتا تھا۔ اسی وجہ سے خود منال کا چھوٹا بھائی غیرت کی وجہ سے اس سب سے متنفر ہو کر خود اپنے گھر کم آیا کرتا تھا۔ ان میں بس سہراب ہی تھا جس کو ماں اور بہن کی پرواہ تھی' اس پرواہ کی بدولت اس کو یہ فکر تھی کہ ان حالات جاننے کے بعد اس کی بہن سے شادی کون کرے گا' اپنی اسی پریشانی کی بدولت اس نے منال کی شادی کی افراتفری مچائی جس کے نتیجے میں وہ زرش کے اچھے خاندان کی بہو بن کر اب وہاں راج کر رہی تھی۔ منال نے پہلے اس پر وار کر کے اس کا گھر خراب کیا' اس کے بعد اس کو جیسے ہی اپنے ماں بننے کی خبر ملی اپنے لیے الگ گھر کا مطالبہ کر دیا۔ وہ ہمیشہ سے موقع پر چال چلنے کی عادی تھی۔ اس لیے ایسے موقع پر ایسا ہنگامہ کھڑا کیا کہ جیت اس کی ہوئی..... فراز نے ایک نیا گھر لے کر اس کے نام کر دیا تھا جہاں وہ خوش گوار زندگی گزار رہی تھی۔ ہر طرح سے مات زرش کی ہوئی تھی مگر اپنی مات کے باوجود وہ چاہتی تو بہت کچھ کر سکتی تھی۔

اس کی ماں پر انگلی اٹھانے والے سہراب کی ماں کا کردار اس کے سامنے رکھ سکتی تھی..... اس کے گھر کے ماحول کا آئینہ اس کے سامنے رکھ سکتی تھی مگر اس نے ضبط کے دامن کو پکڑ کر ہر لفظ کو زبان کی نوک تک آنے سے پہلے اس کا گلا دبا کر مار دیا تھا کیونکہ اب وہ کچھ بھی کہہ کر اپنی زندگی میں مزید تلخی نہیں چاہتی تھی۔ اس کی اپنی غلطیوں نے اسے سبق سکھا دیا تھا مگر کاش اس کی اپنی ماں نے اسے سبق پڑھا کر تلخیوں کو امرت سمجھ کر پینے کا ہنر سکھا دیا ہوتا اور کاش اس نے منال کی طرح اپنے گھر کے ہر راز کو راز سمجھ کر خود کو اپنے رازوں کا امین بنایا ہوتا۔

مگر اب اس کا ہر کاش اس کے پچھتاوؤں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس لیے اس نے حالات سے سمجھوتہ کر کے خود کو وقت کے بہتے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔

www.naeyufaq.com

Digitized by Google

دنیا مل گئی

رفاقت جاوید

تنہائی کے اس سفر میں مجھے گامزن کرنے سے پہلے تم نے کچھ تو سوچ لیا ہوتا کہ یہ سچا عاشق اپنی زندگی کے بقیہ دن کیسے گزارے گا۔ شاکر نے اس کی تصویر پر انگلیاں پھیرتے ہوئے خود کلامی کی۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ میرا پیار رانجھے اور پنوں سے بہت اعلیٰ اور بے لوث تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا اور پل بھر میں محبت کے جال میں ایسے پھنسے کہ ہوش و حواس ہی کھو بیٹھے۔ میری محبت تو بن دیکھے شعلوں کی طرح بھڑکی تھی جس نے مجھے گرفت میں لے کر بے بس کر دیا تھا۔

آج بھی اپنا موازنہ کرتا ہوں تو خود کو عشق مجازی کے بہت بلند مقام پر پا کر مطمئن ضرور ہو جاتا ہوں کہ میرا پیار منفرد تھا۔ ایسا پیار آج تک کسی نے کیا ہی نہ ہوگا۔ کیا عجب تھا میرا پیار اور عشق کہ تمہیں بن دیکھے ہی دیوی سمجھ کر پوجنے لگا تھا۔ باقی ماندہ الفاظ سنا کر لبوں پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ گئے اور وہ ماضی کے حسین دنوں میں گم ہو گئے۔

"شاکر بیٹا میڈیکل کے آخری سال میں لڑکے اور لڑکیاں اپنی شادی کا فیصلہ کر لیتے ہیں تم نے بھی ضرور اپنے بارے میں سوچ لیا ہوگا' مجھے بتاؤ بیٹا کیا تمہیں کوئی اپنی کولیگ پسند آئی ہے تو بلا خوف و خطر بتا دو کل ہی رشتہ لے جاتی ہوں۔" ماں نے نہایت لگاوٹ سے پوچھا۔ "کیونکہ جونہی کسی لڑکی نے ایم بی بی ایس مکمل کیا جھٹ سے منگنی اور پٹ سے بیاہ ہو جاتا ہے۔"

"امی مجھے ابھی تک تو کوئی لڑکی پسند نہیں آئی۔" شاکر نے بے پروائی سے کہا۔ "ابھی بہت وقت پڑا ہے' آپ بے فکر رہیں۔"

"بیٹا..... کسی کو اس نظر سے دیکھو گے تو فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔" کلثوم نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر بکھیرتے ہوئے کہا۔

"آج کل کی لڑکیاں اپنی پسند کو اولیت دینے لگی ہیں۔ تم تو پڑھے لکھے خوبرو جوان ہو نجانے کتنی لڑکیاں مرتی ہوں گی تم پر۔"

"امی اپنی کسی کولیگ سے ہرگز نہیں ہو سکتی میری شادی وادی اور میں تو نہیں مر رہا کسی پر....." وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تو پھر کس سے کرنا چاہتے ہو میرے لعل..... کیا میں اپنی پسند کی بہو ڈھونڈ لاؤں۔" وہ بھی مضطربانہ لہجے میں بولا۔

"مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میری بیوی آپ کی پسند کی ہوگی یا میری پسند کی۔" وہ سوچتے ہوئے بولا۔

میرا مشورہ مانو تو کسی ڈاکٹر کا ہی انتخاب بہتر رہے گا' ڈاکٹر شوہر کی بیوی بھی ڈاکٹر ہو تو دونوں ایک دوسرے کے مسائل کا خوب ادراک رکھتے ہیں اور اچھی نبھ جاتی ہے' اپنی کولیگز پر نظر دوڑاؤ تمہیں جیسی بیوی چاہیے ویسی ہی ضرور مل جائے گی۔ دیکھو بیٹا میں تم سے والہانہ محبت نہ کرتی تو تمہیں اتنی چھوٹ ہرگز نہ دیتی۔"

"امی اس وقت شادی ضروری نہیں ہے' فی الحال مجھے اپنی ایجوکیشن تو مکمل کرنے دیں پھر شادی کے بارے میں سوچوں گا کہ اس ذمہ داری کو اٹھا بھی سکتا ہوں کہ نہیں..... شادی کا کھیل تماشا تو صرف تین دن کا ہی ہوتا ہے' اس ڈرامے میں سینکڑوں لوگوں کی شرکت بھی عارضی ہی ہوتی ہے' دو انسانوں کو ایک بندھن میں عمر بھر کے لیے قید کرنے کے بعد سب یہ جا وہ جا ہو جاتے ہیں۔" وہ قہقہہ لگا کر بولا۔

"پگلا ناں ہو تو..... وہ سب تمہارے ساتھ عمر بھر چلنے کا وعدہ تو کرنے سے رہے۔ زمانے کا دستور یہی ہے کہ ایک لڑکی اور لڑکے کے ملاپ کے لیے زمانے بھر کے

Digitized by Google

دوست احباب اور رشتہ دار اکٹھے ہوکر والدین کے کندھوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے میں کمال کا کردار ادا کرتے ہیں' بیٹا اسی میں مسرت وراحت ہے۔" کلثوم سمجھانے کے انداز میں بولیں۔ "یاد رکھو کہ اچھے گھرانے کی تعلیم یافتہ لڑکیاں بہت جلد ازدواجی رشتے میں منسلک ہوجاتی ہیں۔ آج سے تم اپنی کولیگز کو اسی نظر سے دیکھ کر پرکھو' مسئلہ حل ہوجائے گا۔" اسی دوران شاکر کی چچی ان کے قریب پہنچ کر ماں بیٹے کا جہاندیدہ نظروں سے جائزہ لینے لگیں۔

"لگتا ہے کوئی بہت گمبھیر مسئلہ ہے..... بھابی سچ کہہ رہی ہوں ناں۔" وہ سر کو ہلاتے ہوئے بولیں۔ تو دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرادیے۔

"لگتا ہے ماں بیٹا کسی اہم فیصلے میں الجھے ہوئے ہیں اگر آپ دونوں مناسب سمجھیں تو مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرسکتے ہیں' مفت کا مشورہ میرا اور فیصلہ آپ کا۔" وہ کھلکھلاتے ہوئے بولیں۔

"کوئی خاص بات نہیں عمارہ۔ وہی ہر ماں کی اولین خواہش یعنی کہ اپنے بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی خواہش بس اپنی اسی تمنا کا اظہار کررہی تھی لیکن یہ بات سننے کو تیار نہیں۔ عمارہ میری بات غور سے سنو اگر میں غلط ہوئی تو مجھے بلاجھجک ٹوک دینا آخر تم میری بہت پیاری دوست اور دیورانی ہو' ہماری خوشیاں اور دکھ درد سانجھے ہیں۔" کلثوم نے اپنائیت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"بھابی آپ غلط نہیں کہہ رہیں۔ شاکر کی منگنی تو ہوہی جانا چاہیے' جونہی پڑھائی سے فارغ ہو اس کے سر پر سہرا سجادیں گے۔ آپ حکم تو کریں کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔" وہ خوشدلی سے بولیں۔

"سن رہے ہو بیٹا، تمہاری چچی میرے احساسات کو بخوبی جانتی ہیں' تم بھی بیٹا ہونے کے ناطے میرے مشورے پر غور تو کرو..... ہمارے زمانے میں کچی عمر کی شادیوں پر زور دیا جاتا تھا کیونکہ اسی میں کامیابی ہوا کرتی تھی' اب تو زمانہ ہی بدل گیا ہے۔"

"امی کسی کولیگ سے شادی ہرگز نہیں..... ناممکن ہے..... میں شادی سے انکار نہیں کررہا..... بس ابھی تک کوئی لڑکی دل کو نہیں بھائی..... ورنہ اپنی تعلیم کے مکمل ہونے کا انتظار نہ کرتا فوراً آپ کی خواہش پوری کردیتا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"چل پتر' ایک کام کر' مجھے اپنی پسند بتادے' اللہ کی قسم بینر اٹھا کر گلی گلی' محلے محلے پھر کر لڑکی ڈھونڈ نکالوں گی۔" عمارہ نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"چچی جان..... تو سنیے کہ مجھے کیسی لڑکی چاہیے۔" وہ خوشگوار لہجے میں بولا۔

"جسے دیکھنے کی طلب دن رات ستاتی رہے..... اس سے بات کرنے کے بہانے سوتے جاگتے گھڑے جاتے ہوں مگر اس تک رسائی نہ ہو اور پھر کشش مزید طول پکڑتی جائے' نیندیں حرام اور سکون غارت ہوجائے' جب دیدار ہو تو آنکھیں جھپکنا بھول جائیں' دل کی دھڑکن اسے دیکھ کر دھک دھک کرنے لگے اور زبان

Digitized by Google

تالو کو جا لگے' مجھے ایسی لڑکی چاہیے' نہیں تو کوئی بھی نہیں چاہیے..... سالم ون پیس میں یہ لڑکی اوما ئی گاڈ سراسر ڈیزاسٹر ہے۔'' وہ کانوں کو چھوتے ہوئے بولا۔

''ذرا سنو تو اس کی بے وقوفانہ باتیں' میں تمہیں آزادی کا سبق دے رہی ہوں اور تم ہو کہ اسیری کے خواب دیکھ رہے ہو میرا خیال ہے کہ ایک دیکھی بھالی لڑکی ہی شادی کے لیے مناسب رہتی ہے' ہمارا زمانہ اور تھا' والدین کے فیصلوں کو اولا واہمیت دیا کرتی تھی۔ اب ایک دوسرے سے شناسائی' عادات کی شد بد اور خاندانی نظام کے قواعد وضوابط کو جاننا بے حد ضروری سمجھا جاتا ہے۔''

''امی یہ تو درست فرمایا آپ نے مگر تجسس کا مزا تو زیرو ہو گیا' ہمارے اس دور میں۔'' وہ شگفتگی سے بولا۔

''امی یہ جو تجسس واشتیاق' امید وبیم کے امتزاج کا ذائقہ ہے ناں بہت ہی شاندار اور نا قابل فراموش ہوتا ہے آپ مجھے اس لذت سے دور مت کریں' کوئی انجان لڑکی ڈھونڈ لیں' بے حد حسین وجمیل' سرو قد اور قدرے شرمیلی سی ہو۔ مجھے دیکھے تو انار کی کلی بن جائے' بات کرنا مشکل ہو جائے اور ناخن چباتی ہوئی ہرنی کی مانند قلانچیں بھرتی ہوئی میری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے اور میں حواس باختگی میں اس کے پیچھے چل نکلوں' کیوں چچی ہے ناں زبردست سین۔'' وہ دونوں ہاتھ رگڑتے ہوئے بولا۔

''تو پھر کسی گاؤں سے پکڑ لاتی ہوں' شہر میں تو یہ سب کچھ ایک لڑکی میں ملنے سے رہا۔''

''عمارہ اس نے تو پڑھ لکھ کر ہی گنوا دیا ہے۔ اسے جاہل' ان پڑھ' شرماتی لجاتی ساتھی کی تلاش ہے۔ جو بچے پیدا کرنے کی مشین اور گھر کی باندی ہو۔'' کلثوم جز بز ہونے لگیں۔

''بھابی پریشانی کی بات نہیں' آناً فاناً میرے ذہن میں ایک لڑکی کا خیال آیا ہے۔ کیا کمال کی لڑکی ہے' ہمارے بیٹے کی خواہش کے عین مطابق' بھابی آپ بھی کیا یاد کریں گی۔'' عمارہ نے مسرت آگین لہجے میں کہا تو شاکر ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''عمارہ بس یہ خیال رکھنا کہ ان پڑھ ہو نہ ہی گاؤں کی شرمیلی مٹیار ہو' یہ نا سمجھ بچے ہے بھلا ایسی لڑکی اس کے ساتھ دو گام بھی کیسے چل سکے گی..... خوامخواہ اپنی زندگی بھی داؤ پر لگائے گا اور اس معصوم کی عزت کے پرخچے تو اڑ ہی جائیں گے' اس کی بد عا لگ گئی تو ہم کسی کام کے نہیں رہیں گے۔'' کلثوم سہم کر بولیں۔

''بھابی لڑکی شہری ہے' شہروں میں بھی ایسی لڑکیاں گھر گھر میں پائی جاتی ہیں' خصوصاً ہمارے مڈل کلاس میں ان کی کمی نہیں' پڑھ لکھ کر بھی اپنی نسوانی عزت ووقار کو اولیت دیتی ہیں۔ آپ بے فکر ہو جائیں' میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے' اگر میرا بیٹا ایسی فطرت کی لڑکی کی ڈیمانڈ کرتا تو اسے اگلے لمحے بہو بنا لیتی' کیا لڑکی ہے؟'' عمارہ پُر جوش انداز میں بولیں۔

''ٹھیک ہے چچی جان لیکن ہو بے حد خوب صورت' گوری چٹی اور غزالی آنکھوں والی' یہ جو آنکھیں ہوتی ہیں ناں' بھولی بسری داستانیں بیان کر دیتی ہیں۔ ذہانت ومطانت کی گواہ بن جاتی ہیں پھر کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی' انہی کے ذریعے اس کے باطن میں اتر کر اسے پالیا جاتا ہے۔'' وہ چہک کر بولا۔

''واہ کیا کہنے اس چھپے رستم کے..... بھابی جان ذرا محتاط ہو جایئے اس کا یہ روپ تو ہم پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔'' عمارہ نے بھرپور قہقہہ لگایا اور پھر سنجیدہ ہوئیں۔

''قسم سے ایسی ہی لڑکی میرے ذہن میں آئی ہے۔ یہ بڑی بڑی بادامی آنکھیں' گھنگھریالے سیاہ گھٹاؤں جیسے بال' چمکتا ہوا رنگ' گال ایسے کہ جیسے سیب ہوں' غور سے سنو عام سیب نہیں' افغانی لال سیب' گورے سپید رنگ پر کیسے بھلے لگتے ہوں گے..... ذرا سوچو شاکر کہ حسن کی منہ بولتی تصویر ہے' دیکھو گے تو آنکھ جھپک نہیں سکو گے' سکتہ ہو جائے گا شرطیہ۔''

''ہاں تو چچی آگے چلیے' ویسے آپس کی بات ہے کہ

Digitized by Google

کسی سے کم تو ہے برخوردار بھی نہیں۔" شاکر نے اپنا کالر جھاڑتے ہوئے شگفتگی سے کہا۔

"آپ نے نقشہ تو کشمیر کی دوشیزہ کا کھینچ لیا ہے۔ چچی لاہور میں مجھے تو آج تک ایک لڑکی ایسے نین نقش کی نظر نہیں آئی۔"

"تم نے دیکھنے کی کوشش کی ہوتی تو کب کے کامیاب ہو چکے ہوتے..... ویسے یاد رکھو کہ تم سیر ہی رہو گے اور وہ سوا سیر۔" وہ خوشدلی سے بولیں۔

"سچ چچی..... آگے بھی بتائیے ناں ذرا میری قدو قامت کا دھیان بھی رکھیے گا' کوئی گھنی نہیں چلے گی۔" وہ چھیڑنے کے انداز میں بولا۔

"سرو سا قد ہے اس کا' تمہارے ساتھ خوب جچے گی۔ چچی نے اسے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا' لگتا ہے جیسے وہ تمہاری قسمت کی لوح پر لکھ دی گئی ہے' ہو بہو ویسی جیسی تم چاہتے ہو۔"

"واہ چچی..... اب یہ تو بتائیں کہ بے باک ہے یا شرمیلی۔" وہ مزید مذاق بولا۔ "میری شرائط میں شرمیلا پن بہت اہم ہے۔ عورت کی شرم وحیا ایک ایسا مضبوط ہتھیار ہے جو اس کی عزت اور جان کا محافظ ہوتا ہے۔"

"ہاں ایک دم سے چھوئی موئی' معمولی سی بات پر شرم سے گلاب کی مانند سرخ ہو جاتی ہے اور کیا مجال کہ نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر بات کر جائے۔" عمارہ نے چسکے لیتے ہوئے مزید بتایا۔

"چچی جان تو پھر ہو جائے ہاں۔" وہ ہاتھ آگے بڑھا کر بولا تو چچی نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر کہا۔

"اسے کہتے ہیں بندہ عاشق اور اندھی محبت..... بھابی یہ تو بن دیکھے گیا کام سے۔"

"عمارہ اللہ کے لیے' میرے بیٹے کے لیے کہیں جاہل نہ ڈھونڈ نکالنا..... میری پہلی شرط ہے تعلیم' میرے بیٹے کی نوکری کی ہو ورنہ گزارا مشکل ہو جائے گا۔" کلثوم نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔ "یہ شرمیلی اور کم گو لڑکیاں تو جنگلی کی طرح میٹھی اور الجھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ذرا دھیان رکھنا۔"

"بھابی' میں سب سمجھتی ہوں' وہ سوا سیر ہے' گولڈ میڈلسٹ ہے' ہر کلاس میں ٹاپر' آج کل ایف ایس سی کے رزلٹ کے انتظار میں ہے اور ان چھٹیوں میں اس نے سلائی' کڑھائی' کوکنگ اور کیا کچھ نہیں سیکھ لیا' کسی استاد کی رہنمائی کے بغیر' اپنی استاد خود ہی ہے۔ میں نے ایسی لڑکیاں بہت کم دیکھی ہیں بھابی' آپ مطمئن رہیں۔" وہ پُریقین لہجے میں بولیں۔

"یعنی لائق فائق' حسن کی دیوی اور شرم وحیا کا پیکر۔" وہ انگلیوں پر خوبیوں کو گنتے ہوئے بولا۔ "اور بہترین درزن' خانساماں اور اور سب کچھ..... چچی یہ تو بتائیں کہ وہ خوش بخت ہے کون؟ اب اس کا اتہ پتہ بتائیں' مابدولت کو تو آپ نے بے تاب کر دیا ہے۔"

"شاکر وہ بچی اپنی ہی ہے' غیر ہوتی تو میں اتنا ادراک ہرگز نہ رکھتی۔ میری چھوٹی بھابی کی سب سے چھوٹی بہن ہے۔ نام سنو گے تو خوشبوؤں میں کھو جاؤ گے۔" وہ اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر مار کر بولیں۔ "بے چینی بڑھی ہے کہ کم ہوئی ہے۔"

"چچی آپ بھی بہت اعلیٰ شخصیت کی مالک ہیں۔ آپ نے تجسس کا لیول اس قدر رہائی کر دیا ہے کہ مدہوش ہونے لگا ہوں۔ جو کسر باقی رہ گئی ہے وہ نام کا انکشاف کر کے پوری کر دیجیے۔" وہ جھومتے ہوئے بولا۔

"شاکر ذرا ہوش میں رہو۔ بھابی یہ لڑکا تو گیا ہاتھ سے۔" وہ شریر لہجے میں بولیں۔

"اس کا نام ہے یاسمین..... اب بتاؤ کہ خوشبو نے مسحور کیا ہے کہ نہیں' بہت بھینی بھینی خوشبو ہوتی ہے اس پھول کی کہ کبھی اس سے دل نہیں بھرتا۔ بس سونگھتے ہی چلے جاؤ' سمجھے کہ نہیں۔"

"چچی جان آپ نے سو فیصد درست کہا۔ یقین جانیے کہ میں ایک دم سے یاسمین کے باغات کی سیر کرنے لگا ہوں' امی اب آپ ہی اگلا قدم اٹھائیے جلد از جلد..... ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھ سے نکل جائے۔" اس کے

Digitized by Google

لہجے کی بیقراری پر دونوں ہی ہنسنے لگیں۔

"بیٹا جی! ابھی تو اس کی عمر ہی کیا ہے؟ بے فکر رہو..... عمارہ اب تم جانو اور تمہارا کام' جب حکم کرو گی میں تمہارے ساتھ رشتے کے لیے چل پڑوں گی۔ دیر مت کرنا ورنہ یہ لڑکا فائنل ایئر میں فیل ہو جائے گا۔ کیونکہ تم نے بھی تو حد کر دی ہے کہ جیسے ہر خوبی اس ایک ہستی میں سما گئی ہو' عمارہ خود سوچو کہ یہ کیسے ممکن ہے۔"

"چچی جان زندہ باد۔" شاکر نے مسرت میں مغلوب ہو کر نعرہ لگایا' چچی کو بوسہ دے کر ماں کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

"خوب صورت بہو گھر میں چلتی پھرتی بہت بھلی لگتی ہے۔" ماں نے اسے چمکارتے ہوئے کہا۔ "خوش خلقی بھی ہو تو پھر تو سونے پر سہاگے کا کام۔"

"چچی ایک بات پوچھنی بھول ہی گیا۔" وہ ایک دم سے بولا۔

"بولو..... پوری طرح تسلی کر لو بیٹا پھر ہی بات آگے چلاؤں گی' میری بھابی کی بہن ہے' ایسا نہ ہو کہ ہم نند بھاوج میں بگاڑ پڑ جائے۔" عمارہ خوفزدہ سی نظر آنے لگیں۔ "ان رشتوں کی نزاکت سے تم ناآشنا ہو ہر مرد کی طرح۔"

"یہ بتائیں کہ کہیں ناک چڑھی تو نہیں..... بدمزاج اور بداخلاق تو نہیں۔ اس میں تھوڑا بہت سنس آف ہیومر تو ہوگا ناں..... جو بہت ضروری ہوتا ہے ایک شخصیت کے مکمل ہونے کے لیے ورنہ ادھورا پن عمر بھر کھٹکتا رہتا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"نہ بدمزاج ہے' نہ بداخلاق۔ خاموش طبع ہے' پڑھاکو ہے' اور اپنے کام سے مطلب رکھتی ہے۔ اب یہ مت پوچھنا کہ لطیفے' طنز و مزاح اور چھیڑ خانیوں میں کتنی مہارت رکھتی ہے۔ جب ایک جوکر کے ساتھ رہے گی تو اس پر کچھ رنگ تو چڑھ ہی جائے گا ناں۔" وہ ہنسی پر قابو پا کر بولیں۔

"آخر وہ ایک ڈاکٹر کی بیگم ہوگی۔" وہ سینہ تان کر بولا۔ "سرجن بنوں گا تو دیکھیے گا کہ اس کی زندگی کیسی عیش و عشرت سے گزرے گی' اسے رانی بنا کر رکھوں گا اور خود کو اس کے سر کا انمول تاج بنا لوں گا۔"

"سنو ذرا اس کی باتیں..... ویسے تو بہت ہوشیار ہے' خوب جانتے ہو کہ ہر عورت اپنے گھر کو جنت بنانے کے لیے ہر قسم کا کام سیکھ جاتی ہے تو ایسی شرط ہی کیوں رکھوں؟" کلثوم نے چھیڑا تو خوشگوار ہنسی اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ جو اس کے اندرونی جذبات کی غمازی کر رہی تھی۔

"بھائی' آپ نے کیا خوب کہا' واہ خوب سمجھتی ہیں' اپنے بیٹے کو لیکن آپ نہ سمجھیں تو اس کی اس نرالی اور عجیب پسند سے نابلد رہیں۔" عمارہ نے خوش دلی سے کہا۔

"ہاں عمارہ تم نے درست کہا' اللہ خیر کرے' اب سب سے پہلے میں اس کی بہنوں سے بھی مشورہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں' چار بہنوں کے بعد یہ لاڈلہ ہماری زندگی میں آیا تو دو بھائیوں کی بگنگ کرانا نہ بھولا' اسی لیے تو اس کا مقام میری اولاد میں بہت اونچا ہے' بہت اعلیٰ اور قابل ستائش ہے۔" کلثوم مسرت سے بھرپور لہجے میں بولیں۔

شاکر نے ماں کو بوسا دیا اور کھلی آنکھوں سے خواب دیکھتا ہوا کالج رخصت ہو گیا۔ یاسمین کی خوشبوؤں میں بسا ہوا وہ کالج پہنچا تو تمام قصہ اس نے جگری یار عبداللہ کے گوش گزار دیا۔

اس کے بعد یاسمین اس کے ہوش و حواس پر ایسی چھائی کہ اس سے والہانہ محبت ہو گئی اور عشق کا بخار ہر ساعت تیز سے تیز تر ہونے لگا اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے دل اکتانے لگا۔ کیونکہ فلمیں دیکھنے' عاشقانہ آہیں بھرنے سے فرصت نہ ملتی تھی۔ شاعری اور پینٹنگ میں دل بہلنے لگا لیکن بہت جلد ہی اسے یہ احساس ہوا کہ وہ اسے حاصل کرنے کے لیے تمام تر توجہ پڑھائی کی جانب مبذول کرے' وہ گولڈ میڈلسٹ ہے تو مجھے بھی تو

Digitized by Google

کچھ نہ کچھ کمال دکھانا چاہیے تاکہ اس کی طرف سے انکار کی گنجائش ہی نہ رہے۔ شب و روز امید و بیم میں گزرنے لگے۔ نگاہیں اس کی ایک جھلک دیکھنے کو ترسنے لگیں مگر ابھی یہ سب ناممکن لگ رہا تھا۔ ایک شام وہ گھر کے لان میں بیٹھا اسی کے بارے میں سوچتے ہوئے اداس ہوگیا۔ بے اختیاری میں زبان سے کچھ الفاظ نکلنے لگے جن میں آس بھی تھی' یاس بھی' خوشی بھی تھی' غم بھی' خدشا بھی تھا اور خوف بھی۔

''خوشبوؤں کی شہزادی..... یہ دنیا کی مضبوط دیواریں تیرے اور میرے درمیان موجود سہی لیکن یہ سوچ کر دل بہل جاتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب ہم ہوں گے اور تم میری بانہوں میں ہوگی اور پھولوں کی رم جھم میں تمہاری پذیرائی ہوگی' بہاروں کا سماں ہوگا' ملن کی گھڑی ہوگی' وہ دن کتنا حسین ہوگا' جب دوستاروں کا ملن اس زمین پر ہوگا۔ نہ یہ دیواریں ہوں گی' نہ حسرتیں تڑپائیں گی' آس ہی آس میں خوشیوں کی برات میں ہم ایک دوسرے کے سنگ چل رہے ہوں گے۔ وہ دن بھی جلد ہم سے ہاتھ ملانے والے ہیں' اللہ کرے کہ میری بہنیں' میرے ابو اور دادا اس رشتے کو قبول کرلیں..... بس پھر تو دیر نہیں ہوگی لیکن جانم تم تو اس یک طرفہ عشق سے بے خبر ہو' جب تم میری کیفیت سنو گی تو مجھے دیوانہ اور پاگل کہہ کر خوب تمسخر اڑاؤ گی کہ یہ انجان لڑکا مجھے بن دیکھے بن جانے میرا شیدائی کیسے ہوگیا؟ جھوٹا ہے یا بہت ہی معصوم اور کھرا..... شاطر ہے یا سراسر بے وقوف۔''

''شاکر بیٹا باہر اندھیرے میں اس وقت کیا کر رہے ہو؟'' ماں کی آواز پر وہ چونکا۔

''امی وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔'' وہ نادم ہوا۔

''اندر آؤ' تمہیں خوشخبری سنانا چاہتی ہوں۔'' کلثوم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر خوش گوار انداز میں کہا۔

''یہاں ہی سنا دیجیے امی اندر جا کر کیوں؟'' وہ بیقراری سے تڑپا۔

''تو سنو میرے چاند..... اس رشتے کے لیے سب رضامند ہوگئے ہیں' ہم کل ان کے گھر جا رہے ہیں۔ میرے چاند سے بیٹے کو وہ فوراً قبول کرلیں گے۔'' ماں نے اسے گلے لگا کر پُرامید لہجے میں کہا۔

''امی اللہ کرے ایسا ہی ہو..... امی مجھے تو یاسمین سے پیار ہوگیا ہے' اس کا حصول میری زندگی کا مقصد اور کامیابی ہے۔'' وہ بے چینی سے بولا۔

''ارے ناامیدی کس بات کی' میرا بیٹا ڈاکٹر ہے مذاق نہیں اور نہ ہی شکل و صورت میں مار کھا ہے' کل دعائے خیر کی مٹھائی لے کر ہی واپس آؤں گی۔ انہیں ایسا شاندار رشتہ ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گا۔ وہ تو بہت خوش بخت لوگ ہیں جنہیں تم جیسا شریف النفس داماد مل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری تمام مشکلیں آسان کرے گا' اسی امید کے سہارے کل ہم ان کے مہمان بننے جا رہے ہیں۔'' وہ ہاتھ پھیلائے دعائیں مانگنے لگیں۔

''دلہا میاں کی بہنوں ذرا تیاری میں تیزی پکڑو' ابھی تو ہم رشتے کے لیے جا رہے ہیں تو یہ حال ہے کہ لیٹ ہوگئے ہیں' جب برات سجے گی تو پھر کیا ہوگا؟'' چچی نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

''پھر ان کے ابا حضور کا ڈنڈا ہوگا انہیں ہانکنے کے لیے۔'' کلثوم نے ہنستے ہوئے کہا اور بیٹیوں کو چلنے کا اشارہ کیا۔

اللہ اللہ کر کے مٹھائی کے ٹوکرے سمیت خواتین کا قافلہ گاڑی میں براجمان ہوا اور ان کے گھر کی جانب رواں دواں ہوگیا۔

یاسمین کی والدہ کو منتظر پا کر ماں کو قدرے تسلی ہوئی لیکن ان کی نگاہیں لڑکی کو تلاشتی رہیں' چچی نے بات شروع کرنے میں پہل کی تو کلثوم نے بھی اپنے حصے کا لقمہ دیا' بہنوں نے بھی اپنی خواہش کا اظہار کرنے میں دیر نہ لگائی..... ملازمہ میز پر چائے کے لوازمات سجانے

Digitized by Google

لگی تو لڑکی کی ماں نے اس کے جانے تک خاموش رہنے میں مصلحت جانی۔ جونہی وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکلی تو یاسمین کی والدہ گویا ہوئیں۔

"آپ کے آنے کا بہت شکریہ' سو بسم اللہ جم جم آؤ' ہزار بار آؤ' آپ ہمارے لیے غیر تو ہیں نہیں' ہم خوب اچھی طرح ایک دوسرے کو جانتے ہیں' شاکر بیٹا ڈاکٹر بننے جارہا ہے' ماشاء اللہ ہمیں اس کی بھی رپورٹ مل گئی ہے' بہت شریف النفس اور ذہین بچہ ہے مگر ہماری مجبوری ہے....." وہ جھجکتے ہوئے بولیں۔ یہ الفاظ ان کے کانوں میں زہر گھولنے لگے تھے۔ بھلا کیا مجبوری ہے؟ جوان لڑکی کے لیے جھٹ پٹ ایسا اچھا رشتہ آنے کا انہیں احساس ہی نہیں' حیرت کی بات ہے' سب نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔ وہ تو اس قدر پُرامید تھیں کہ جیسے آج ہی دعائے خیر پڑھ کر واپس لوٹیں گی لیکن پل بھر میں ہی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا..... سوچ کر ہی نادم سے ہونے لگے کہ بیٹی کے والدین پر دباؤ ڈالنا درست نہیں ہے لیکن مجبوری کا علم تو ہونا چاہیے' ہوسکتا ہے وہ مجبوری ایسی ہو کہ جسے ہم حل کرسکیں..... سبھی اپنی اپنی جگہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔

"عصمت اپنی مجبوری تو بتاؤ....." چچی عمارہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"عمارہ یہ ڈھکی چھپی مجبوری ہرگز نہیں..... تم بھی جانتی ہو کہ جس کے گھر میں یاسمین جیسی ذہین و فطین بچی ہو تو اس کے لیے والدین سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس کی تعلیم کو آگے بڑھایا جائے نہ کہ جھٹ پٹ اسے رخصت کردیا جائے۔" وہ تحمل سے بولیں۔

"اوہو اب سمجھی..... ویسے سوچنے کا مقام ہے کہ اگر بچی کو شاکر جیسا فرشتہ خصائل لڑکا اپنے گھر کی رانی بنا کر رکھنا چاہتا ہے تو پھر مجبوری کی گنجائش نہیں رہتی۔" عمارہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ ناممکن ہے' ہم یاسمین کو ڈاکٹر بنانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ کنگ ایڈورڈ کالج ہمارے گھر میں موجود ہے..... ہم اس کا فائدہ کیوں نہ اٹھائیں؟" وہ سنجیدگی سے بولیں۔ "وہ ابھی ہے بھی چھوٹی' ذرا اس میں عقل و شعور تو آنے دیں۔"

"عصمت تمہاری مجبوری بجا سہی پھر بھی ایک بار سوچ لینا..... شاکر کو لاکھوں میں یکتا سمجھو۔" عمارہ نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"یہ فیصلہ سوچ بچار کرنے سے بہت پہلے کا ہو چکا ہے۔ عمارہ یہ قسمت میں نہیں' ورنہ میں آنکھیں بند کرکے ہاں کردیتی..... میں یہ نہیں چاہتی کہ خوامخواہ آپ کو لارے میں رکھوں' آپ کو بار بار حاضری کی تکلیف دوں اور پھر ہم انکار کردیں..... مجھے افسوس ہو رہا ہے یہ کہتے ہوئے کہ یاسمین کو تعلیم جاری رکھنے کا موقع ضرور ملنا چاہیے۔" وہ ندامت سے بھرپور لہجے میں بولی۔

"عصمت ایک بار یاسمین سے ہی پوچھ لیا ہوتا۔" عمارہ کے ردعمل پر وہ مستحکم لہجے میں بولیں۔

"عمارہ اس کی ضرورت نہیں' ہمارے گھروں میں ابھی تک بیٹی سے پوچھنے کا رواج نہیں' جو ہمارا فیصلہ ہوگا وہی یاسمین کا بھی ہوگا' میں جانتی ہوں اپنی بچی کو بلکہ تم بھی اس کی عادات سے خوب واقف ہو۔" وہ ذرا سا مسکرا کر بولیں۔

"یعنی کوئی گنجائش نہیں۔" عمارہ نے پھر سے زور دیا۔ "سوچ لیں ایک بار پھر سے' اس رشتے کی گارنٹی میں دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"ہرگز نہیں عمارہ آپ کی عزت افزائی کا شکریہ' کلثوم آپا معذرت کے ساتھ یہ مجبوری نہ ہوتی تو....." وہ ہاتھ جوڑ کر بولیں۔ "یقین جانیے میں اپنی اس خواہش کے ہاتھوں مجبور ہوں۔"

"مجبوری کو تو مٹایا جاسکتا ہے مگر خواہش ہمیشہ حیات رہتی ہے۔" کلثوم نے چائے کی بھری ہوئی پیالی میز پر رکھ دی۔ "آپ نے ٹھیک ہی کہا' اللہ تعالیٰ آپ کی خواہش پوری کرے۔" وہ جز بز سی ہو کر بولیں۔

"کلثوم آپا' آپ تو خفا ہوگئیں' آپ چائے تو

Digitized by Google

پئیں۔" عصمت ہچکچاتے ہوئے بولیں۔
"یہ تو مقدر کے فیصلے ہیں جو اس کی پیدائش سے پہلے ہی ہوگئے تھے۔"
"میں نے ان بیٹیوں کو خوامخواہ تکلیف دی' کس خوشی سے اپنے لاڈلے بھائی کے لیے آئی ہیں' اب اپنے سسرال میں کیا جواب دیں گی۔" وہ تذبذب میں مبتلا ہوئیں۔
"کلثوم آپا' بچوں کے لیے بیسیوں رشتے دیکھنے کے بعد ہی فیصلہ ایک کے حق میں ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ آپ کا پہلا گھر ہے..... جو اس قدر دل برداشتہ ہوگئی ہیں۔ آپ کا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے' آپ کو اس کا رشتہ کرنے میں کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہوگا۔" ان کی بات سن کر کلثوم نے گہری سانس لی اور چائے کا زہریلا گھونٹ بہ مشکل حلق سے اتارا۔ "اللہ آپ کو خوش رکھے میری مشکل آسان کرنے والا نیلی چھت پر براجمان میری فریاد سن رہا ہے۔"
"امی آنٹی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں' آج کل کے والدین بہت پریکٹیکل ہوتے جارہے ہیں۔"
"گڈ سائن..... آپ نے بھی تو اپنی بیٹیوں کی بہتری کے لیے دل سے نہیں ذہن سے سوچا ہوگا۔" بڑی بہن نے سمجھانے اور ٹھنڈا کرنے کے انداز میں کہا۔
"ہاں بیٹا سب سمجھتی ہوں' ہمیں انتظار کی صورت میں کمپرومائز کرنا پڑے گا۔" کلثوم خود کو سنبھالتے ہوئے بولیں۔
"کلثوم آپا پانچ سال کا عرصہ قلیل نہیں۔ آپ اسے اپنی مجبوری مت بنائیں' آپ کا بیٹا ایک دو سال میں سیٹل ہوجائے گا جبکہ یاسمین کی پڑھائی کا دوسرا سال شروع ہوگا۔" وہ فوراً بولیں۔
"اگر منگنی یا نکاح کردیا جائے تو اس بارے میں کیا خیال ہے۔ بھائی جی سے مشورہ تو کرکے دیکھیں۔" کلثوم نے سوچتے ہوئے کہا۔
"کلثوم آپا' میں ایک باپ کے مشورے کو جانتی ہوں' وہ ہرگز انکار نہیں کریں گے کیونکہ یہ باپ کی کمزوری ہے کہ وہ پہلا پرپوزل وہ بھی آپ کی طرف سے' وہ تو فوراً نکاح کیا رخصتی کرنے پر زور دینے لگیں گے۔ ماں کا دل ذرا الگ ہوتا ہے' ذہن میں سوچیں بھی شوہر سے مختلف ہی ہوتی ہیں..... کیونکہ ماں بیٹی کو خود سے بہتر زندگی دینے کے خواب دیکھتی ہے' جیسے باپ واحد ایسی ہستی ہے جو اپنے بیٹے کو خود سے اعلیٰ اور اونچا دیکھنا چاہتا ہے' کچھ ایسا ہی حال میرا ہے۔" وہ نرمی سے بولیں۔
"عصمت آپ کو حق تو حاصل ہے کہ اپنی بیٹی کا اکیلی بھی فیصلہ کرسکتی ہیں۔" عمارہ نے ماتھے پر بل ڈال کر کلثوم کی طرف دیکھ کر آنکھ سے چلنے کا اشارہ کیا۔
"عصمت تو پھر ہم چلتے ہیں' تم برادری میں اس بات کا ڈھنڈورا مت پیٹنا کیونکہ ہم تو بڑے ہی دعویٰ اور مان سے آئے تھے۔ اچھا ہوتا اگر ہم کسی کے ذریعے تمہارے خیالات کا ادراک رکھتے' اب میں یہی کہوں گی کہ تمہاری وجہ مجبوری بھی درست ہے اور ہماری خواہش بھی غلط نہیں۔" عمارہ نے سنجیدگی سے کہا۔
"عمارہ دل برا مت کرو' ہم بے اختیار ہیں۔"
"یہ سب اللہ کے فیصلے ہیں' انسان تو کٹھ پتلی ہے اس کے ہاتھ میں ہی اس کی ڈور ہے۔" کلثوم نے بہ مشکل کہا اور جانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔ اسی ٹائم یاسمین کوریڈور سے گزری اور مین ڈور سے باہر نکل گئی۔
"سلام کرنے کی تمیز تک تو ہے نہیں' کیا ہم نے صرف اس کے حسن کو ہی چاٹنا ہے۔ بھاڑ میں جائے ایسا حسن' جوانی میں گدھی پر بھی حسن آہی جاتا ہے۔" کلثوم دل ہی دل میں کہتی ہوئی لبوں پر ہلکا سا تبسم بکھیر کر بولیں۔ "بیٹی آپ کی ہے' اس پر آپ کا حق اور اختیار بھی ہے' اللہ تعالیٰ آپ کی بچی کے لیے بہتری کرے' اس کے نصیب روشن کرے۔"
"آمین' آپ کی مثبت سوچ کو سلام پیش کرتی ہوں۔ بہت شکریہ۔ کلثوم آپا آپ کا دل دکھانا میرا موقف ہرگز نہیں تھا۔" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں

Digitized by Google

بولیں۔
"میں سمجھتی ہوں عصمت۔" کلثوم تھکے ماندے انداز میں بولیں تو عصمت ان سب کے پیچھے چلتی ہوئی مین ڈور تک آ گئیں۔
"سوری کہ آپ خالی ہاتھ واپس جا رہی ہیں۔"
"اس عزت افزائی کا شکریہ کلثوم آپا اور عمارہ میری بچی کو تم نے اپنی نظر میں رکھ کر بہت اعلیٰ رشتہ اس کے لیے منتخب کیا۔ میں تمہارا یہ احسان یاد رکھوں گی۔" عصمت گہرا سانس بھر کر بولیں۔
"عمارہ آئندہ بھی خیال رکھنا اسے ذرا اپنے پاؤں پر کھڑا تو ہونے دو ممکن ہے کہ ایسا ہی بہترین رشتہ پھر سے مل جائے۔"
"عصمت جب وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہو جائے گی تو پھر وہ تمہاری نہیں سنے گی اپنی سنائے گی اپنی ہی منوائے گی اور تم سب کو مجبوراً بے بس کر دے گی۔" وہ دل ہی دل میں سوچتی ہوئیں سب کے ساتھ پورچ میں پہنچ گئیں۔

❁.....❁.....❁

گھر میں غصے اور توہین و ہتک کی لہر دوڑ گئی تھی۔ جبکہ شاکر بے حد حیران و پریشان تھا کہ میں جو خود کو پھنے خان سمجھ رہا تھا اس کی اصلیت یہ نکلی۔ وہ بھنوئیں سکیڑے سوچ کی گہری وادیوں میں غوطہ زن ہو گیا تھا۔ کلثوم اسے دیکھ کر اس کی پریشانی و اضطراب کا اندازہ تو لگا ہی گئی تھیں اس لیے اس کے سر پر پیار اور لگاوٹ سے ہاتھ پھیرتے ہوئے یاسمین میں دس نقص نکال دیے اور خوبی ایک ہی کہ حسن کی دیوی ہے ہوتی رہے میرا بیٹا اس سے بڑھ کر ہی ہے۔
"امی یہ یاد رکھیے کہ اس میں قصور نہ تو ان لوگوں کا ہے نہ ہی ہم قصور وار ہیں۔ اگر وہ اپنی بیٹی کو ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں تو بہت خوشی کا مقام ہے۔ میں یاسمین کا انتظار کر سکتا ہوں۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔
"میں ہرگز ایسا نہیں ہونے دوں گی انہوں نے جو ٹکہ سا جواب ہمارے منہ پر دے مارا ہے اس سے ان کی ذہنیت اور اخلاقیات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہا۔ ہمارا ان کے ساتھ نبھا ہی ناممکن ہے تمہارے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں تمہیں یاسمین سے بھی حسین اور اس کے خاندان سے بھی اعلیٰ رشتہ یوں چٹکی بجاتے مل جائے گا۔" وہ وثوق سے چٹکی بجاتے ہوئے بولیں۔
"امی آپ نے اور چچی نے اس رشتے کے بارے میں بھی یہی فرمایا تھا۔ مجھے تو ادراک ہو گیا ہے کہ کسی کی بیٹی کا حصول اتنا آسان نہیں جتنا ہم نے سمجھ رکھا تھا۔ اس لیے آپ ان خوش فہمیوں سے نکل کر حقیقی دنیا میں آنکھ کھول کر دیکھیں تو تمام دھندلاہٹ ختم ہو جائے گی۔ آج کا زمانہ آپ کے وقت سے بہت مختلف ہے افسوس تو اس بات کا ہے کہ آج بھی مائیں اپنی ہی من مانی کرتی ہیں۔ اسے ڈاکٹر بننے دیں ممکن ہے کہ وہی فیصلہ میرے حق میں سنا دے اس لیے میں منتظر رہوں گا۔"
"میرے نادان اور معصوم بچے تم نے یاسمین کو دیکھا تک نہیں اور انتظار کرنا چاہتے ہو پانچ چھ سال کا۔" وہ متذبذب لہجے میں بولتی ہوئیں اس کے سامنے ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔ "تم نے تو مجھے فکر میں ڈال دیا ہے اگر چھ سال کے طویل انتظار کے بعد بھی ان کا فیصلہ نہ بدلا تو....."
"امی انتظار میں خوشی سے کر سکتا ہوں خود غرضی کی بیماری سے امید کی بیماری بہت خوش آئند ہوتی ہے۔ آپ یوں سوچیں کہ ان کی فیملی بیک گراؤنڈ شاندار اور مذہبی ہے اور پھر ان کا بیٹی حسین و جمیل ہونے کے ساتھ گولڈ میڈلسٹ ہے اور ڈاکٹر بننے کی خواہش بھی بجا ہے۔ یہ کمبینیشن بہت خوب رہے گا۔" یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر امید کے ساتھ خفیف سی ندامت بھی ابھری۔
"میں تو دوبارہ ان کے گھر ہرگز نہیں جاؤں گی حد درجے کا بے لحاظ اور بے مروت خاندان ہے۔ مذہب نے انہیں یہی درس دیا ہے کیا؟ تم نے اپنی مردانگی کہاں

Digitized by Google

رخصت کردی' کہاں گئی ایک مرد کی آنا' تم نے تو حد ہی کردی۔ مجھے تو خوف آنے لگا ہے کل کو اس کے سامنے ہاتھ باندھے جورو کے غلام بن جاؤ گے۔'' کلثوم کے لہجے میں خدشے اور وسوسے سما گئے تو وہ شگفتہ اور مسکان کے ہمراہ ماں کو تسلی و تشفی دینے لگا مگر ماں کے خدشات اور خوف و ڈر میں کمی نہ آئی تھی۔

''شاکر بیٹا ذرا اپنے پاپا کو تو دیکھو ان کی طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' شاکر دوپہر کے وقت کمرے میں بیٹھا اپنی کتابیں کھولے الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

ماں کی اضطراب میں ڈوبی ہوئی آواز سن کر وہ ایک دم سے چونکا۔ وہ تیزی سے وہ ان کے کمرے کی طرف بڑھا' پاپا کو خاموش اور بے سدھ دیکھ کر اس نے ان کا بلڈ پریشر چیک کیا تو گھبراہٹ سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔

''او مائی گاڈ..... امی ان کا بلڈ پریشر بہت ہائی ہے' انہیں فوراً ہسپتال لے جانا ہوگا۔'' وہ فکر مندانہ نظروں سے انہیں دیکھتا ہوا بھاگنے کے انداز میں اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

جب ماں کے ہمراہ شاکر اسپتال پہنچا تو ایک عمر رسیدہ مرد کا ڈاکٹر معائنہ کر رہا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک جوان دوشیزہ اپنے دوپٹے کے کونے سے بار بار اپنے بہتے ہوئے آنسو پونچھ رہی تھی۔ شاکر نے اس کی طرف ہمدردانہ نظروں سے دیکھا اور پھر شاکر کی نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔ اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ اس مریض کے دائیں بائیں اور کتنے لوگ کھڑے ہیں اور وہ کون ہیں جب ماں نے اسے ہک دک لڑکی کو گھورتے دیکھا تو انہوں نے بھی بغور لڑکی اور اس کے ساتھ آئے لوگوں کو دیکھا تو ان کے ساتھ عصمت بھی کھڑی نظر آئی تھی۔

''جانتے ہو وہ لڑکی کون ہے؟'' کلثوم نے بھنویں چڑھا کر کہا۔ ''اسے مت گھورو بے وقوف کہیں کے۔''

''میں نہیں جانتا امی' نجانے کیوں اس پر ہی نظریں ٹک گئیں' امی یہ میرا قصور نہیں۔'' اس کے جان لیوا حسن کا کمال ہے' امی اگر یہ اتنی حسین ہو سکتی ہے تو یاسمین تو قاتلانہ حسن رکھتی ہوگی اور پھر آنسو بہاتے ہوئے یہ لڑکی واہ' ہنستے ہوئے تو گلاب کا پھول لگتی ہوگی۔''

''ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔ اپنے دل سے پوچھو کہ یہ لڑکی کون ہے؟ جس نے تمہیں اس دنیا سے بے خبر کر دیا اور ڈھٹائی اور بے باکی سے اس پر نگاہیں جما کر سکتے میں چلے گئے۔'' وہ قدرے الجھ کر بولیں۔

''امی میں نہیں جانتا تو یہ دل کیسے جان سکتا ہے' آپ کچھ مضطرب سی لگ رہی ہیں' میری بے باکی کی وجہ سے مجھ سے خفا تو نہیں ہو گئیں۔'' وہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

''ہر جوان لڑکے کی طرح تم دل پھینک تو ہو' یہ تو میں جانتی ہوں مگر اس قدر گھٹیا حرکت نے مجھے حیران ضرور کر دیا ہے۔'' ماں کی بات سن کر وہ خجالت سے مسکرا دیا۔

''سمجھ گیا ہوں امی' یہ یاسمین ہے میرا دل گواہی دے رہا ہے' یہ تو مجھ پر منکشف ہو گیا کیونکہ یہ دل کی خواہش بہت قوی ہے امی۔''

''بیٹا اتنی خاص الخاص حسینہ تو ہرگز نہیں' اس سے پہلے تم نے تصوراتی دنیا میں اس کا نقشہ کھینچا تھا' غالباً وہ بہت حسین ہوگا' اب یہ حقیقی دنیا میں تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے تو فرق محسوس کر سکتے ہو' غائبانہ تعارف اور بالمشافہ تعارف میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے' کیوں شاکر ٹھیک کہا ہے ناں میں نے؟'' وہ خود اعتمادی سے بولیں۔

''امی یہ میرے خیالی صنم سے بڑھ کر حسین ہے اور ایسی مکمل شخصیت کہ جیسی میں نے خواہش کی تھی۔ چچی کی خود اعتمادی کی داد دیتا ہوں' جنہوں نے میرے لیے وہی لڑکی ڈھونڈ نکالی جیسی میں چاہتا ہوں' ہمیں حتی المقدور ان کی اس خواہش کا احترام کرنا چاہیے' میں انتظار کر سکتا ہوں' ان سے منگنی کا تو بولیں امی' ابتدائے کار اسے ہی تو کہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے پہلا قدم جو کہ

Digitized by Google

اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔" وہ بلا تامل بول رہا تھا تو کلثوم نے مختصراً کہا۔
"ہرگز نہیں۔"
"نہیں امی ایک بار پھر سے کوشش کر دیکھیں میرے نصیب میں یہی لڑکی لکھ دی گئی ہے۔ آپ یقین مانیے میں غلط نہیں کہہ رہا۔" وہ ماں کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔
"یہاں میں اسی کا نام اسی کی خوشبو اور اس کی قربت کو محسوس کر رہا ہوں۔"
"تم یہ اتنے وثوق و اعتماد سے کیسے کہہ رہے ہو بیٹا؟ مت کرو بچگانہ باتیں۔" وہ متنفر لہجے میں بولیں۔ "اب میں ان کے پاؤں پکڑنے سے تو رہی۔ ڈرامے باز کہیں کا۔"
"امی میں شروع سے ہی کوایجوکیشن کے اسکول اور کالج میں پڑھتا ہوا کنگ ایڈورڈ پہنچا۔ سیکڑوں لڑکیوں سے میرا واسطہ رہا مگر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی لڑکی میرے دل یا آنکھ کو بھائی ہو یہ لڑکی بن دیکھے ہی مجھ پر قابض ہوگئی یہ کوئی عام سی بات ہے نہ ہی لطیفہ اور نہ ہی میں اسے ڈرامے کا نام دوں گا میں نے سچائی سے کام لیا ہے امی۔" اسی اثنا میں عمارہ بھی آئی سی یو میں داخل ہوئیں۔
"شاکر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہارے بابا کو آپریشن تھیٹر سے باہر آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی بھابی آپریشن کامیاب رہا۔" ڈاکٹر مطمئن ہیں وہ تیزی سے بولیں۔ وہ شرمندگی میں دونوں کو وہیں چھوڑ کر بھاگنے کے انداز میں آپریشن تھیٹر کی طرف بڑھ گیا۔
"بھابی آپ یہاں ہی بیٹھیں آپریشن تھیٹر کے باہر بیٹھنا بالکل فضول ہے شاکر اور اس کے بھائی وہاں موجود ہیں ناں بیٹیاں بھی پہنچنے والی ہیں آپ بے فکر رہیں ہم انہیں یہاں ہی لے کر پہنچتے ہیں آپ سورہ یسین پڑھ رہی ہیں وہی پڑھتی رہیں اور بالکل مطمئن ہو جائیں۔" وہ تسلی بخش لہجے میں بولیں۔
"نہیں عمارہ میں وہیں بیٹھوں گی مجھے نہ یہاں چین ہے نہ ہی وہاں ہوگا تو بہتر ہے کہ وہیں بیٹھی سورہ یسین پڑھ کر آپریشن تھیٹر کے دروازے پر پھونکتی رہوں گی۔" وہ آنسو پیتے ہوئے بولیں۔ "بس دعا کرو کہ کسی کا سہاگ نہ اجڑے یہ شان و شوکت ہماری عزت و تحریم انہی کے دم سے ہے۔"
"آپ دل مضبوط رکھیں بھابی آج کل ہارٹ کی اوپن سرجری بہت عام ہے اور سو فیصد کیور ایبل بھی ہے شکر الحمدللہ کہ ہم بروقت یہاں پہنچ گئے۔" وہ تشکرانہ لہجے میں بولیں۔
"اسی دن کے لیے تو شاکر کو ڈاکٹر بنایا تھا دیکھو کہ آج کیسے وقت پر کام آ گیا۔" کلثوم نے عمارہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر نکل کر شولڈر سے بیگ اتارنے لگیں۔
"تم نے دیکھا نہیں یاسمین کے ابا بھی موت اور زندگی کی کشمکش میں یہاں داخل ہیں۔ مجھے نہیں آتی ایسے لوگوں کی عقل و سمجھ کہ ان نالیوں سے عمر کو بڑھانے کی کوشش میں مریض کو نئی آزمائش میں ڈال دیتے ہیں۔" کلثوم نے آہستگی سے کہا۔
"ایک تو بیماری خود ایک بہت بڑا امتحان ہے اور پھر یہ آج کل کے علاج معالجے آزمائش کبیرہ کہ اگر مریض ہوش و حواس میں ہے تو سب کے سامنے خود کو کس قدر بے بس لاچار اور کم ہمت محسوس کرتے ہوئے دل ہی دل میں شرمندگی جیسے لاعلاج مرض کا شکار رہتا ہوگا۔ نہ اس موذی علاج سے انکار کرنے کی ہمت رکھتا ہے نہ ہی اس کے اقرار سے جان چھڑانے کا حوصلہ بڑھتا ہے تو کیوں دیتے ہیں یہ تکلیف ایک بے بس انسان کو۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولیں۔
"بھابی آپ میرے ساتھ چلیں ہم کھڑے کھڑے بھائی جی کا حال ہی پوچھ لیں اگر انہوں نے ہمیں دیکھا نہ ہوتا تو پھر آپ کی بیمار پرسی کی ضرورت نہیں تھی آخر نیکی بدی میں آپ کا ان سے آمنا سامنا تو رہے گا..... اس وقت سب خالی الذہنی کیفیت میں مبتلا ہیں انہیں حوصلہ تسلی و تشفی دینے کی ضرورت ہے۔" عمارہ نے ان

Digitized by Google

سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔
''عمارہ' آزمائش میں تو ہم بھی ہیں' انہوں نے مجھ سے پوچھنے کی تکلیف ہی گوارہ نہیں کی۔ ان لوگوں کو میں تو منہ نہ لگاؤں' جنہیں نہ کسی کی دید ہے نہ لحاظ' خود کو سمجھتے کیا ہیں؟'' وہ تلخی سے بولیں۔
''بھابی ہم بھی تو خود کو افضل سمجھتے ہیں۔ ہر انسان خود کو حقیر اور کمتر سمجھنے لگے تو یہ دنیا ایک ہی نقطے پر منجمد ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی طریقے پر کانٹ چھانٹ کر بنایا ہے جس سے دنیا رواں دواں رہے۔ چاہے مصری ہو یا ہپی انسان زندہ رہنا چاہتا ہے' لاعلاج بیماری میں بھی وہ اپنی زندگی کو دراز کرنے کے لیے کیسے کیسے حیلے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ بے شک وہ اس کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔'' عمارہ نے نرمی سے کہا تو کلثوم نے اثبات میں سر ہلایا اور اتنی دیر میں دونوں آپریشن تھیٹر کے مین گیٹ تک پہنچ کر اپنوں میں گھر گئیں اور چند گھنٹوں کے بعد پاپا کو آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا تو شاکر پھر سے ٹکٹکی باندھے یاسمین کے فسوں میں کھو گیا تھا۔

''عمارہ تمہاری جٹھانی نے تو ہم سے مرنا جینا ہی ختم کر لیا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ وہ کل پھر کسی دوسرے دروازے پر دستک دینے پر مجبور ہوں گی وہاں سے بھی انکار ہو گیا تو کیا کیے بعد دیگرے اپنے رشتہ داروں اور ملنے والوں سے منہ موڑ لیں گی۔'' یاسمین کی ماں نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔
''عصمت دراصل ڈاکٹر شاکر بہت متاثر ہے اور اس قدر انٹرسٹڈ کہ بن دیکھے ہی یاسمین کے علاوہ کسی اور کا تصور کرنا ہی گناہ سمجھنے لگا ہے' ویسے آپس کی بات ہے' آپ میری بھابی کی امی اور میری پیاری دوست بھی ہیں' آپ کو اس سے بہتر رشتہ اس روئے زمین پر تو ملنے سے رہا' ایک بار پھر سے سوچیں' بھائی جی سے مشورہ کرنا بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔''
عمارہ نے دعائیہ انداز میں کہا۔
''عمارہ میں بھی سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں' کل یاسمین کا رزلٹ آؤٹ ہو رہا ہے۔ کل ہی فیصلہ ہو جائے گا کہ اسے کنگ ایڈورڈ میں میرٹ پر داخلہ مل بھی رہا ہے کہ نہیں۔'' عصمت سوچنے کے بعد بولیں۔
''ان شاء اللہ سب درست رہے گا۔''
''اللہ کرے اس کی اور آپ کی خواہش پوری ہو' اگر وہ اس میں ناکامیاب رہی تو پھر آپ کا فیصلہ کیا ہوگا؟ آپ بھائی جی کی صحت کو بھی مدنظر رکھیں' بے شک اب ہارٹ اٹیک لاعلاج بیماری نہیں رہی مگر اس کا بھروسا نہیں کہ.....'' عمارہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔
''ہم فیصلہ تو حالات کے پیش نظر سوچ و بچار کے بعد ہی کریں گے' میں جانتی ہوں میرے میاں اس عمر میں ہی دل جیسی مہلک بیماری کے شکنجے میں پھنس گئے ہیں۔ تین بیٹیاں جوان ہیں' مجھے انہیں سسرال سدھارنے کے بارے میں سوچنا چاہیے مگر جلد بازی میں کسی بھی رشتے پر کمپرومائز نہیں کروں گی اور نہ ہی اللہ کی رحمت کو مجبوری سمجھ کر ایرے غیرے کے گھر بھیجوں گی۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولیں۔
''اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے' عارضہ قلب جان لیوا مرض نہیں رہا۔ اللہ کی شان کہ شاکر کے والد صاحب کو بھی یہی بیماری لاحق ہے مگر ہم بہت پُرامید ہیں اور شاکر نے ابھی ہاؤس جاب کمپلیٹ نہیں کی لیکن کیا سمجھ اور شعور ہے کہ میں تو امپریس ہو گئی ہوں' اس لیے ایک بار پھر سے آپ کو سمجھانا چاہوں گی کہ اس ہیرے کو پہچان جاؤ' لڑکی کی ماں تو شاہین کی نظر اور جوہری کی شناخت رکھتی ہے' تمہیں نجانے کیا مسئلہ ہے۔'' عمارہ نے ان کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر کہا۔
''عمارہ تم جلد بازی مت کرو' بیٹی کے مقدر پر سرنگوں ہو جانا اتنا آسان اور سہل نہیں جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے' تمہاری بیٹیاں ابھی عمر کے اس حصے میں نہیں پہنچیں' اس لیے تم اس درد اور تسکین کو کیا جانو؟ جس سے تم گزری ہی

Digitized by Google

نہیں۔" عصمت نے سختی سے کہا تو عمارہ نادم ہو کر اثبات میں سر ہلایا اور کلثوم کی طرف چل دی۔

عمارہ نے موبائل پر عصمت کی تین مسڈ کال دیکھ کر حیرت و تجسس سے اس کے پاس آ گئی۔ وہ لوگ ابھی اسپتال میں ہی تھے۔

"عمارہ اس کی فکر مت کرو میں نے یاسمین کے پاپا سے مشورہ کیا ہے وہی ہوا جیسا میں پہلے انکشاف کر چکی تھی کہ جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ کرنے پر بضد ہو گئے ہیں۔"

"عصمت یاسمین کے رزلٹ کا کیا ہوا؟" عمارہ نے فوراً سے پوچھا۔

"رزلٹ بہت خوب رہا مگر بدقسمتی سے کچھ پوائنٹس کی کمی سے کنگ ایڈورڈ میں داخلہ ملنا مشکل ہے جبکہ فاطمہ جناح میں تو با آسانی مل سکتا ہے لیکن اس کے بابا نے مشورہ دیا ہے کہ ہم بیٹی کو ڈاکٹر بنانے کے بجائے اسے کینڈ بھیج دیں اور پھر بی ایچ ڈی کی ڈگری بھی با آسانی حاصل کر سکتی ہے۔ کیونکہ کینڈ کی طالبہ زندگی میں کبھی ناکام نہیں رہتی۔" وہ طمانیت سے بھرپور لہجے میں بولیں۔

"عصمت مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا' یہ تو اکیڈیمک ڈاکٹر کہلائے گی جبکہ آپ کی خواہش تو اسے میڈیکل ڈاکٹر بنانے کی تھی۔ آپ کو علم ہے ناں کہ پی ایچ ڈی تک کا سفر نہ تو آسان ہے نہ ہی قلیل مدت کا۔"

"ہاں عمارہ یہ خواہش تو ابھی بھی وہیں ہے لیکن اس کے بابا نے جو مشورہ دیا ہے کہ ایسے یاسمین شادی کے بعد وقفوں میں بھی اپنی پڑھائی کمپلیٹ کر سکتی ہے۔ پڑھائی کے لیے عمر کی قید تو نہیں ہوتی مگر بعض فیلڈز میں وقفہ نہیں دے سکتے' جیسے میڈیکل کی پڑھائی میں یہ مسئلہ بہت بڑا ہے۔"

"اوکے..... اب سمجھی۔" عمارہ نے سر ہلا کر کہا' اسی ثانیے شاکر اس کے قریب آ گیا۔

"چچی، امی آپ کو بلا رہی ہیں۔"

"چلو عمارہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔"

"شاکر تم یہاں ہی رکو اپنے انکل سے بات کرو' یاسمین کو تسلی و تشفی دو' بیچاری نے رو رو کر خود کو نڈھال کر لیا ہے۔" عمارہ نے آنکھ دبا کر کہا۔

"وہ کیوں چچی جبکہ انکل کی رپورٹ پڑھ کر مجھے بہت تسلی ہوئی ہے۔ انکل کل اپنے گھر چلے جائیں گے کیونکہ اس عمر میں ریکوری بھی تیزی سے ہوتی ہے۔"

"میں نے کہا ناں کہ تسلی دو یہ میڈیکل کالج نہیں تمہارا۔" عمارہ نے سرگوشی کی یعنی شادی تیار سمجھو۔

"ارے عمارہ تم کہاں رہ گئیں۔" عصمت نے پلٹ کر دیکھا تو عمارہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ شاکر انکل کے قریب پہنچ کر انہیں نئی زندگی کی مبارک باد دینے لگا تو یاسمین نے فوراً اپنا دوپٹا درست کیا۔

"میرا خیال ہے انکل سو گئے ہیں۔"

"آپ کو بھی مبارک ہو....." وہ اس کی طرف محبت پاش نگاہوں سے دیکھ کر بولا۔

"ہر انسان کسی نہ کسی آزمائش سے ضرور گزرتا ہے جنہوں نے صبر کیا اور شاکر رہے وہ ہوئے کامیاب رہتے ہیں۔"

"مجھے مبارک کس لیے؟ کینڈ میں داخلے کی یا بابا کے کامیاب آپریشن کی۔" یاسمین نے معصومیت سے پوچھا۔

"تمام مبارک باد سے بڑھ کر اہم مبارک باد کہ مجھے آج ایسے محسوس ہوا ہے جیسے مجھے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ یہ حسین و جمیل دنیا مل گئی ہے۔" وہ بے اختیار ہو کر بولا۔

"دنیا آپ کو ملی اور مبارک باد مجھے دی جا رہی ہے' یہ تو بتائیے کہ اسے لطیفہ سمجھوں یا پہیلی۔" وہ قہقہہ لگا کر بولی۔

"نہ لطیفہ نہ ہی پہیلی' ایک اٹل حقیقت کہ ایک کے اندر دنیا سما گئی' اسی پر بھروسا رکھو کیونکہ تم جو مجھے مل گئی۔" وہ مسرت آگین لہجے میں بولا۔

"میں آپ کو مل گئی سمجھی نہیں۔" وہ حیرت و اشتیاق

Digitized by Google

سے اپنی خوب صورت بادامی آنکھوں کو کھول کر بولی۔
"میری محبت یک طرفہ ہی سہی مگر ہے بہت طاقتور۔ تم بھی ایک دن محسوس کرو گی مگر پلیز دیر مت لگانا۔ ایسا نہ ہو کہ میں تمہارے انتظار میں برف کی مانند گھلتا رہوں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔" وہ بیقراری سے بولا۔
"ڈاکٹر صاحب! مجھے آپ کی باتیں سمجھ میں نہیں آرہیں۔" وہ سوئے ہوئے والد کی طرف دیکھ کر بولی۔ "آپ یہاں سے جائیں، پاپا جاگ گئے تو مشکل کھڑی ہوجائے گی کیونکہ انہیں بہت مشکل سے نیند آئی ہے۔" یاسمین اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئی تو شاکر بھی اس کے قریب کھڑا ہوگیا۔ عمارہ نے جب انہیں باتیں کرتے دیکھا تو خوش آگئیں لہجے میں بولیں۔
"بھابی آج آپ کا دل پھینک بیٹا رشتے کے لیے ہاں کرا کر ہی دم لے گا۔"
"اللہ خیر کرے، قسم سے مجنوں لگ رہا ہے اس وقت۔" کلثوم نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔
"مجھے پنوں لگ رہا ہے بھابی۔" خوشی اس کے انگ انگ سے جھلکنے لگی تھی۔ دونوں وہیں کھڑیں تانے بانے بنتے ہوئے مطمئن ہوگئیں۔
"اب تمہیں سمجھ میں آگئی ہوگی کہ میں کیا چاہتا ہوں، اور کیوں چاہتا ہوں؟" شاکر نے اس کی آنکھوں پر گھنی مژگاں کو گرتے ہوئے دیکھ کر وثوق و خود اعتمادی سے سوال کیا۔
"آپ کیا چاہتے ہیں؟ یہ تو بخوبی سمجھ گئی ہوں، کیوں چاہتے ہیں؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔
"اس کا جواب بے حد واضح ہے یاسمین کہ جب میں نے تمہیں پہلی نظر میں دیکھا تھا تو مجھے گمان ہوا کہ جیسے یہ کائنات صرف میرے لیے بنی ہے اور یہ دنیا میرے انگ انگ میں مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی ہے۔ اس لیے تمہیں اپنانا میری مجبوری سمجھو یا ضرورت..... اس کا فیصلہ تم پر ہی چھوڑتا ہوں۔" وہ شگفتہ لہجے میں بولا۔
"فیصلہ تو آپ نے سنا دیا۔" وہ شگفتہ لہجے میں بولی۔
"آپ نے مجھے کچھ کہنے کے قابل چھوڑا ہی نہیں..... ویسے کافی دل پھینک واقع ہوئے ہیں آپ۔"
"واہ میرے رب سچ مچ تو بڑھے ہوئے ہاتھ کو کبھی خالی نہیں لوٹاتا۔ میرے کشکول میں تم نے اتنی وسیع و عریض، حسین و جمیل دنیا ڈال دی۔ اس کا شکرانہ کیسے ادا کروں گا؟" وہ ہاتھ اٹھائے تشکر آمیز لہجے میں بولا۔
"طریقہ ڈھونڈ لیجیے۔" وہ آنکھیں مٹکا کر بولی۔ "اگر آپ ان لمحوں کو یاد رکھیں گے تو قدم قدم پر اس کی احسان مندی کا شکر ادا کرنے کے طریقے آپ کو خوش آمدید کہیں گے۔"
"ہاں یاسمین اس انمول دنیا کو خوش کرنا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ شاکر اپنے رب کی خوشنودی اور یاسمین کی مہک کو بحال رکھنے کے لیے صدق دل سے کوشش کرتا رہے گا..... یہی میری طرف سے اس عظیم ہستی کا شکرانہ ہوگا۔"
"وہ بھی دیکھ لیتی ہوں۔" وہ چھیڑنے والے انداز میں بولی تو شاکر کا دل چاہا کہ اسے اپنی بانہوں کے حصار میں مقید کیے وہ دنیا کے تمام باسیوں کی نظروں سے اوجھل ہوجائے جہاں اس کی حسین دنیا ہو اس کی مسحور کن خوشبو ہو اس کی قربت و رفاقت کا نشہ اور سرور ہو۔

www.naeyufaq.com

Digitized by Google

حصہ 8

دل کو کسی کا ملال تھا

نادیہ احمد

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

عائشہ اپنے چھوٹے بھائی نومی اور بیوہ ماں فضیلت کے ساتھ رہتی ہے۔ فضیلت کو کینسر ہوتا ہے، گھر میں کمانے والا کوئی نہیں اور آمدنی محدود ہونے کے سبب عائشہ کو ہی مجبوراً ملازمت کے لیے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ وہ ایک خوددار لڑکی ہوتی ہے۔ شرجیل اسے اپنے آفس میں نوکری دیتا ہے لیکن عائشہ کو یہ نوکری دینے کے پیچھے اس کے مکروہ عزائم ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی اس کے اپنی سیکرٹری یمنیٰ کے علاوہ بہت سی لڑکیوں سے تعلقات رہتے ہیں جن کے متعلق اس کی بیوی سامعیہ یا خاندان کے کسی دوسرے فرد کو کچھ معلوم نہیں ہیں سوائے اذان کے جو اس کے ماموں کا بیٹا اور اس کا دوست بھی ہوتا ہے۔ اذان اپنے ماضی کی وجہ سے ایک ابنارمل اور بے سکون زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ بچپن میں برسوں اپنے گھریلو ملازم کی درندگی کا شکار رہنے اور پھر صابر کے ہاتھوں اپنے والد کی موت نے اذان کو ذہنی مریض بنا دیتا ہے۔ وہ اپنی والدہ سے نفرت کرتا ہے اور لوگوں سے دور رہتا ہے۔ اس کے قریب ترین فقط ہاجرہ بیگم ہی ہوتی ہیں جن سے وہ اپنے دل کی بات کہتا ہے اور ان ہی کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال کر راہینہ سے منگنی بھی کر لیتا ہے البتہ دل سے اب تک اس بات پہ راضی نہیں ہوتا۔ اذان سے عائشہ کا سامنا دو بار شرجیل کی بدولت ہوتا ہے اور اذان عائشہ کو بھی انہی لڑکیوں میں سے ایک سمجھتا ہے جن سے شرجیل کے تعلقات استوار رہتے ہیں...... یہی وجہ ہے کہ اذان کی نگاہوں اور رویے میں عائشہ کے لیے حد درجہ ناپسندیدگی ہوتی ہے۔ دوسری طرف عائشہ اپنی ماں اور بھائی کی وجہ سے شدید پریشان ہوتی ہے اور شرجیل کے انداز اسے ہراساں کرتے رہتے ہیں۔ آشیانہ میں فضیلہ اور علی کی شادی جلد متوقع ہے جس کے ساتھ راہینہ اور اذان کی منگنی بھی کرنے کی تیاری ہو رہی ہوتی ہے البتہ اریبہ سنبل سے کہتی ہے کہ پورے خاندان کی موجودگی میں منگنی کی رسم کی جگہ اذان کے نکاح کا اعلان کر دیں گے اس طرح وہ ایک بار پھر دباؤ میں آ جائے گا اور انکار نہیں کر پائے گا۔

(اب آگے پڑھیے)

وہ جو عشق تھا وہ جنون تھا
یہ جو ہجر ہے یہ نصیب ہے
یہاں کس کا چہرہ پڑھا کروں
یہاں کون اتنا قریب ہے
میں کسے کہوں کہ ساتھ چل
یہاں سب کے سر پہ صلیب ہے!

سورج ڈھلتے ہی مزار کے تیل آلود اور بے رنگ چبوترے پہ قطار در قطار رکھے دیے ستاروں کی طرح جھلملانے لگے تھے۔ ایک ایک کر کے سب کی ناآسودہ خواہشوں کی لو روشن ہونے لگی اور آن کی آن میں وہ میلی دیوار جگمگا اٹھی تھی۔ بالکل اس آس کی طرح جو وہاں آئے ہر شخص کو ایسے کسی آستانے تک آنے پہ مجبور کر دیتی ہے۔ کسی اتفاق کو معجزے سے تعبیر کر دیتی ہے۔ اسے بیٹھے بیٹھے یک دم یونہی خیال آیا کہ دلوں میں امید کی بجھتی لو نجانے ایسی جگہوں پہ ہی کیوں روشن ہو جاتی ہے۔

سب کچھ جانتے بوجھتے، عقل اور شعور رکھنے کے باوجود فقط ایک ناامیدی انسان کو کتنی ٹھوکریں کھانے پہ مجبور کر دیتی ہے...... پتھر کو خدا اور قبروں کو معبد سمجھ لیا جاتا ہے۔ شاید ہم سب ہی زندگی میں اس مقام سے گزرتے ہیں جہاں ہمیں ہماری ٹوٹتی ہوئی آس اور ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے کے لیے ناخدا کی ضرورت پڑتی ہے...... ہم

Digitized by Google

وقتی آسرا چاہتے ہیں۔ جھوٹی تسلی سے دل بہلاتے ہیں۔ جیسے اس پل سامعیہ وہاں کھڑی ان دیئوں کی روشنی میں اپنی امید تلاش کررہی تھی۔ کبھی یہ گمان تھا کہ سب کچھ ہے اور آج ایسا لگ رہا تھا کہ دامن بالکل خالی ہے۔ سب کچھ کھو گیا ہے۔ وہ جو اپنا تھا بس ایک بھرم تھا جب آنکھ کھلی تو خواب کی طرح نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ وہ جسے محبت جانا ایک سراب تھا..... گمان تھا..... دھوکا تھا۔

وہ اپنے دھیان میں گم ذہن میں آئی اپنی سوچوں سے الجھتی اردگرد سے یکسر لاپروا تھی کہ اب تو اس بھیڑ کی عادت سی ہوگئی تھی پھر بھی تنہائی وجود کا حصہ تھی۔ جب وہیں صحن کے کونے میں اپنی مخصوص جگہ بیٹھے اس نے آنکھیں سکیڑے دیے جلاتی سامعیہ کو دیکھا۔ وہ اتنے فاصلے سے بھی اس کی آنکھوں کی نمی بخوبی دیکھ گئی تھی۔ یک دم اس کے بے جان اور پتھرائے ہوئے وجود میں حرکت ہوئی۔ گو اس کا چہرہ پوری طرح سیاہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا پھر بھی نجانے کیوں اسے لگا جیسے وہ پہچانی جاسکتی ہے۔ اسے پچھلے دنوں روشن سائیں کی کہی بات یاد آئی جو انہوں نے اسے حویلی والوں کے متعلق بتائی تھی۔

وہاں بیٹھے کڑی سے کڑی جوڑتے وہ جس نتیجے تک پہنچی اس سے ایک خوف تھا جو اس پل اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کر گیا تھا۔ اس نے اپنی ساری ہمت مجتمع کرتے وہاں سے اٹھنے کی کوشش کی۔ سامعیہ چبوترے کے پاس کھڑی ہاتھ میں پکڑی دیا سلائی سے وہاں رکھے دیئوں کی لو کو سلگا رہی تھی اور وہ ایک ٹک اس کو دیکھتے ہوئے قدم قدم وہاں سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کررہی تھی۔ مزار میں آمد و رفت معمول سے زیادہ تھی کیونکہ آج جمعرات تھی۔ ایسے میں وہاں موجود لوگوں سے ٹکراتی وہ بہ مشکل جگہ بناتی احاطے کے دروازے تک آئی اور پھر پلٹ کر بری طرح بھاگتی ہوئی مزار سے باہر

Digitized by Google

نکل گئی تھی۔

وہ جلد از جلد وہاں سے دور چلی جانا چاہتی تھی..... اتنی دور جہاں اس کے ماضی سے جڑی کوئی یاد کوئی بات سامنے نہ آسکے۔ کوئی اسے واپس پلٹنے پہ مجبور نہ کر پائے۔ لیکن اس وقت اس کے پاؤں من من بھاری ہوگئے تھے۔ اتنے مہینوں سے اس مزار کے ایک کونے میں بیٹھے اسے اندازہ ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ کتنی کمزور ہوگئی ہے جو چند قدم دوڑنے سے ہی اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ وہ ننگے پاؤں احاطے کے باہر درختوں کے جھنڈ میں دوڑتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی جب اچانک اس کے قدم رک گئے کیونکہ وہ مزار کی طرف بڑھتے اس شخص کو گاڑی سے اترتا دیکھ چکی تھی۔ اسے لگا اس کی رہی سہی ہمت بھی کھو گئی ہے۔ وہ اسی کی طرف چلتا ہوا آرہا تھا اور وہ الٹے قدموں پیچھے ہوتی جارہی تھی۔ آنکھوں میں خوف اور دل میں آنے والے لمحوں کے اندیشے سر اٹھانے لگے تھے..... یک دم یوں لگا جیسے آسمان سر پہ آگرے گا۔ پیروں تلے زمین کروٹ لینے لگی اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے ہر منظر دھندلا گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم اریبہ؟" بی بی جان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ٹوکا۔ اریبہ اور سنبل دونوں نے بیک وقت چونک کر اندر آتی بی بی جان کو دیکھا۔

"بی بی..... جان وہ..... میں....." اریبہ نے گھبرا کر وضاحت دی۔

"میں سب سن چکی ہوں۔" انہوں نے جتاتے ہوئے سنبل کی طرف دیکھا جو سنجیدہ اور خاموش تھیں۔

"کیا غلط کہہ رہی ہے اریبہ بی بی جان..... اذان اگر شادی کے لیے سیدھی طرح نہیں مان رہا تو تھوڑا سا انگلی ٹیڑھی کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟" سنبل نے خفا انداز میں کہا۔ اریبہ کے برعکس وہ خاصی مطمئن تھیں۔

"مسئلہ اس کی خوشی ہے سنبل..... جو تمہیں دکھائی نہیں دے رہی۔" صوفہ پہ بیٹھتے ہاجرہ بیگم سنجیدگی سے بولیں۔ اریبہ نے بے اختیار لب کاٹا۔ وہ تو اپنی طرف سے ماں کی فکر اتارنے کا سوچ رہی تھی' اسے کہاں خبر تھی بی بی جان یوں اچانک سب سن لیں گیں۔

"تو آپ کے خیال میں' میں اذان کی خوشی نہیں چاہتی؟" انہوں نے بے ساختہ سوال کیا۔

"بی بی جان میں ماں ہوں اس کی مجھ سے زیادہ اس کی خوشی کون چاہے گا؟" وہ قدرے ناراضی سے بناء لحاظ کے بولیں۔

"اولاد پہ اپنی مرضی مسلط کرتے ہوئے ان کی خوشی کا خیال نہیں رہتا۔" انہوں نے احساس دلایا۔ سنبل کے چہرے پہ ہنوز ناراضگی تھی۔

"تم نے اس کی منگنی اس سے پوچھے بغیر کردی' میں نے تمہارا ساتھ دیا کیونکہ میں خود بھی چاہتی تھی کہ اذان اب ماضی کو بھول جائے' اپنے درد سے آگے بڑھ جائے لیکن اگر تم نے دوبارہ وہی حرکت کی تو اس بار میں تمہارا نہیں بلکہ اذان کا ساتھ دوں گی۔" ہاجرہ بیگم دوٹوک اور تنبیہی انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سنبل بے تحاشا چونکتے سیدھی ہوکر بیٹھ گئیں۔ ہاجرہ بیگم انہیں جتاتے ہوئے انداز میں دیکھتی وہاں سے چلی گئیں۔ اریبہ نے آگے بڑھ کر ان کے بازو پہ ہاتھ رکھا..... وہ مسلسل اضطراب سے اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھیں۔ جانتی تھیں' ہاجرہ بیگم کی حمایت کے بغیر وہ اذان کو کبھی قائل نہیں کرسکتی تھیں۔

❁.....❁.....❁

شرجیل کے کمرے سے نکل کے اپنے کیبن تک جاتے اسے اپنا ہر قدم انگاروں پہ محسوس ہورہا تھا۔ ایک ہاتھ سے فائل تھامے اس کا دوسرا ہاتھ اب تک اپنے اس گال پہ ٹکا ہوا تھا جسے کچھ دیر پہلے شرجیل نے بے تکلفی سے چھوا تھا۔ آج سے پہلے یہ سب کہیں اور ہوا ہوتا تو عائشہ ایسا کرنے والے چہرے پہ زوردار تھپڑ مار کر اپنا ردعمل ظاہر کرچکی ہوتی لیکن حیرت یہ تھی کہ وہ شرجیل کو کچھ بھی کہے بغیر فقط سر جھکائے خاموشی سے اپنا سارا

Digitized by Google

خوف اپنے ساتھ لیے واپس چلی آئی تھی۔ وہ شاک اور حیران تھی یا پھر اس کی اس بے تکلفی کا مقصد سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔

کچھ بھی تھا مگر کیبن تک پہنچتے اس کا یہ شاک شدید غصے میں بدل گیا تھا اور یہ غصہ اسے خود پہ تھا کہ اس نے کیوں اپنے ردعمل کا اظہار بروقت نہ کیا۔ اس نے کیبن کا دروازہ کھول کے ہاتھ میں پکڑی فائل کو زور سے میز پہ پٹخا اور خود دونوں بازوؤں سے میز کو تھامے نچلا لب دانت سے دبائے گہرے سانس لینے لگی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ابھی کچھ دیر پہلے کا وہ منظر گھوم رہا تھا اور عائشہ کے اندر الاؤ جل رہے تھے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ایسا کیا کرے جس سے وہ وقت واپس آجائے۔

اس سے پہلے ایک دو بار شرجیل کا اس کو چھونا اتنا سرسری اور اتفاقیہ تھا کہ عائشہ محسوس کرنے کے باوجود سب نظر انداز کرگئی تھی لیکن آج کی یہ حرکت نظر انداز نہیں کرسکتی تھی۔ وہ کیسے کسی اجنبی لڑکی کے گال کو تھپتھپا سکتا ہے؟ تسلی دینے کے لیے..... اپنا تعاون ظاہر کرنے کی خاطر..... وجہ کوئی بھی ہو لیکن اسے ہرگز عائشہ کو چھونے کا اختیار نہیں تھا۔ دونوں مٹھیاں بھینچے وہ اپنی کرسی تک آئی اور کرسی کھینچ کر اس پہ بیٹھ گئی۔ ذہن بری طرح مشتعل تھا۔ لب کاٹتے وہ اپنے اگلے لائحہ عمل کے متعلق سوچنے لگی..... اسے کیا کرنا چاہیے؟ کس طرح اور کن الفاظ میں شرجیل کو باز رکھنا چاہیے..... اس ملازمت سے فوری استعفیٰ دے دینا چاہیے یا پھر فقط شرجیل کو خبردار کرنے تک ہی محدود رہے..... سر پکڑے نجانے کتنی ہی دیر وہ یہ سب باتیں سوچتی رہی اور پھر جیسے ایک فیصلہ کرکے اپنی کرسی سے اٹھی اور اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

❁.....❁.....❁

عائشہ کا غصہ اس وقت عروج پہ تھا جو اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہورہا تھا' وجود میں شعلے بھڑک رہے تھے..... دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور وہ جانتی تھی اسے اس وقت شرجیل سے کیا کہنا ہے۔ اس نے بناء دستک اور بغیر اجازت کے شرجیل کے آفس کا دروازہ کھولا اور تیزی سے چلتی اس کے کمرے میں داخل ہوئی لیکن اندر پہنچتے ہی وہ ٹھٹک گئی۔

''آیئے عائشہ میں ابھی آپ ہی کو کال کرنے والا تھا۔'' شرجیل نے عائشہ کو دیکھتے مصروف سے انداز میں کہا..... اس کا دھیان اپنے سامنے رکھی ایک فائل کی طرف تھا شاید اسی لیے اس نے عائشہ کا یوں بنا اجازت اپنے کمرے میں آنا محسوس نہیں کیا تھا لیکن عائشہ کی نظریں شرجیل کے سامنے بیٹھے ایج آر منیجر پہ تھیں۔ اسے شدید مایوسی نے آن گھیرا کیونکہ کچھ بھی تھا وہ کسی اور کے سامنے شرجیل سے بات نہیں کرسکتی تھی۔ عائشہ نے بے اختیار نچلا لب کاٹتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر اپنے اندر کے اشتعال کو کم کرنا چاہا..... بے ساختہ شرجیل نے فائل سے نظر اٹھا کر دروازے پہ کھڑی عائشہ کو دیکھا..... عائشہ بھی اس وقت شرجیل کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ سنجیدہ اور آنکھوں میں خوف تھا..... دوسری طرف شرجیل کے چہرے پہ جتاتی سی مسکراہٹ تھی۔

عائشہ کو لگا کہ شرجیل اس کے ذہن کو پڑھ رہا ہے' اس کی بے چینی اور اضطراب کو محسوس کررہا ہے۔ وہ جانتا ہے اس کی آمد کا مقصد کیا ہے۔ اس کے اندر کون سا طوفان برپا ہے اسے سب معلوم ہے..... چند لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے اور پھر شرجیل کی نظروں کی چنگاریوں سے جل کر عائشہ نے نگاہیں جھکالی تھیں۔

''وہاں کیوں کھڑی ہیں..... یہاں آکر بیٹھیں۔'' شرجیل نے بے تکلفی سے کہا۔ وہ سر جھکائے لب بھینچے بوجھل قدموں سے چلتی بہ مشکل اپنے چہرے کے تاثرات کو نارمل کرتی اس کے سامنے والی کرسی پہ آکر بیٹھ گئی۔

Digitized by Google

"عائشہ یہاں سائن کردیں۔" سکندر نے بناء کسی دعا سلام اور تمہید کے اس کے وہاں بیٹھتے ہی ایک کاغذ عائشہ کی طرف بڑھایا۔ اس کا انداز مکمل پروفیشنل تھا۔ عائشہ نے سوالیہ نگاہوں سے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا۔ شرجیل اپنی کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھے ریلیکس بیٹھا تھا۔

"یہ آپ کی والدہ کے علاج کے سلسلے میں دیے جانے والے میڈیکل الاؤنس کی درخواست ہے۔" سکندر اس کی حیرانی کو سمجھتے ہوئے وضاحتی انداز میں بولا۔

"میں نے سکندر صاحب سے کہہ دیا ہے..... اس ایپلیکیشن کو آج ہی پروسیس کردیں تاکہ آپ کو فوری فنڈز مل جائیں۔" شرجیل نے ریوالونگ چیئر پہ جھولتے اعتماد سے کہا۔ عائشہ بے یقین سی شرجیل کو دیکھتی رہ گئی۔ لفظ جیسے اس کے حلق میں پھنس گئے تھے۔ وہ اسے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ وہ ان سہولیات کی اہل ہوسکتی ہے مگر کیا یہ سب اتنی جلدی ہوسکتا ہے؟

"آپ ایسا کیجیے گا اب تک علاج کی سب رسیدیں تو ہوں گی ناں آپ کے پاس..... وہ بھی اکاؤنٹس میں جمع کروا دیں آپ کو ری امبرسمنٹ (پیسوں کی ایڈجسٹمنٹ) ہوجائے گی۔" وہ اب بھی ہنوز خاموش تھی جیسے کچھ بھی سمجھ نہ پا رہی ہو۔ چند منٹ پہلے کا غصہ اور یہ صورت حال مل کر اس کے ذہن کو منتشر کررہی تھی۔ وہ بس خالی نظروں سے سامنے بیٹھے شرجیل کو دیکھتی رہی۔ اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے شرجیل نے ہاتھ سے اشارہ کرتے اسے فارم پہ سائن کرنے کو کہا۔

عائشہ نے شرجیل کو دیکھتے میکانکی انداز میں اپنا سر ہلایا۔ اس کا ذہن پوری طرح ماؤف تھا۔ کچھ دیر پہلے والا غصہ..... اس ایک پل میں جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور اب نگاہ صرف اس فارم پہ تھی جس پہ کیے عائشہ کے دستخط اس کی ماں کا علاج ممکن بنا سکتے تھے۔ اس نے کانپتے ہاتھ سے وہاں نشان کے نیچے سائن کیے البتہ زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے سر میں اسے منظوری کے لیے بھجوا دیتا ہوں۔" فائل اٹھا کر منیجر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا..... عائشہ الجھ کر اسے دیکھ رہی تھی لیکن اس کا مخاطب شرجیل تھا۔ شرجیل نے سر ہلاتے اجازت دی' وہ اسی وقت کمرے سے باہر نکل گیا۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو؟" کرسی پہ جھولتے اس نے عائشہ سے پوچھا۔

"نہیں....." اس نے بہ مشکل کہتے نفی میں سر ہلایا۔ شرجیل کے چہرے پہ بامعنی مسکراہٹ نمایاں ہوئی۔ وہ بظاہر لاپرواہ دکھائی دے رہا تھا لیکن اس نے عائشہ کا کمرے میں داخل ہوتے وہ بے باک اور غصے سے بھرا انداز پوری طرح محسوس کرلیا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ وہاں کس لیے آئی ہے اور اب اپنے سامنے بیٹھے اس کی بے بسی کو بھرپور انجوائے کررہا تھا۔ درحقیقت اسے موقع دیکھ کر وار کرنا آتا تھا۔

"ڈاکٹر شیرازی سے میری بات ہوگئی ہے..... کل تم ان کے پاس اپنی مدر کو لے جانا۔ وہ بغیر اپائمنٹ انہیں کنسلٹ کریں گے اور ان کے ایڈمیشن کو فیسیلیٹیٹ کریں گے۔" اس نے مزید کہا اور عائشہ کے سر پہ احسان کا ایک دوسرا بھاری پتھر دے مارا۔ بے شک وہ ایک بڑا بیوپاری تھا جو موقع کی مناسبت اور وقت دیکھ کر قیمت کا تعین کرتا تھا۔

"تھینک یو....." نظریں جھکائے اس کے سامنے بیٹھی عائشہ کی آواز حلق میں ہی کہیں اٹک گئی تھی۔

"تھینک یو سر۔" اس نے شرجیل کو دیکھتے اس بار پوری قوت سے کہا البتہ آواز بے حد دھیمی تھی۔ شرجیل نے مسکرا کر سر ہلایا۔ عائشہ تیزی سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس سے زیادہ وہاں رک کر وہ اسے اپنی بے بسی پہ مسکراتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

❁.....❁.....❁

عائشہ کے منع کرنے اور فضیلت کے مسلسل سمجھانے

Digitized by Google

کے باوجود نومی کی ضد ختم نہیں ہوئی تھی۔ درحقیقت وہ عمر کے جس حصے میں تھا یہاں انسان حقیقت سے زیادہ فریب کو ترجیح دیتا ہے پھر جن حالات میں زندگی اس نے گزاری تھی اس میں تحمل اور صبر ناپید تھا۔ بے شک پیسہ بڑے مسائل حل کردیتا ہے اور اس وقت ان سب کی اولین ترجیح پیسہ ہی تھا جو ان پہ آئی تمام مصیبتوں کو ختم کرسکتا تھا لیکن سچ تو یہ تھا نومی فقط پیسہ کمانا نہیں چاہتا تھا بلکہ حالات سے فرار کی تلاش میں تھا۔ ایک رات حوالات کی سیر اور فضیلت کی بیماری کا انکشاف ہونے کے بعد نومی کچھ عرصہ سنجیدہ ہوا تھا یا خوف زدہ مگر اب یہ صورت حال گزر چکی تھی۔

پچھلے چند ماہ میں اس نے عائشہ کو شدید دوڑ بھاگ کرتے دیکھا تھا۔ ماں کی بیماری کا علاج اور گھر کی ضروریات وہ بیک وقت پوری کررہی تھی۔ نومی اس جیسا کبھی نہیں بن سکتا تھا کیونکہ اس میں عائشہ جیسا حوصلہ اور ہمت نہیں تھی۔ وہ بظاہر نظر آتی چمک کو سونا سمجھ کر اپنے دوست اور اس ٹریول ایجنٹ کی باتوں پہ حرف باحرف یقین کر بیٹھا تھا۔ پڑھائی لکھائی سے ویسے بھی اسے دلچسپی نہیں تھی۔ عائشہ تو آفس کے کام اور گھریلو مسائل میں جتی ہوئی تھی جبکہ نومی کو اس نے خوب مطمئن کردیا تھا۔ پہلے تو جب گھر پہ ہوتی تھی تو اس کی شامت آئی رہتی تھی۔ اب چونکہ عائشہ خود باہر مصروف تھی اور فضیلت کو بیماری نے نڈھال اور پریشان کررکھا تھا تو نومی یک دم ہی مادر پدر آزاد ہوگیا تھا۔ کل رات جو بحث عائشہ نے غصے سے ختم کی تھی آج اس کی غیر موجودگی میں دوبارہ اس کا آغاز ہوگیا تھا۔

"تمہیں ایک بار سمجھانے سے سمجھ کیوں نہیں آرہی ہے نومی۔ کیوں میری بات نہ مان کر پریشان کرتے ہو۔" فضیلت نے بے بسی اور غصے سے سمجھایا۔ جیسے جیسے ان پہ بیماری کے اثرات غالب آرہے تھے وہ عائشہ اور نومی کی طرف سے فکرمند ہوتی جارہی تھیں۔ نومی سے زیادہ انہیں عائشہ کی پریشانی تھی تو عین وقت پہ اس کی شادی ٹوٹنے کا رنج..... کم سے کم دل میں یہ ملال تو نہ رہتا کہ بیٹی بے آسرا ہے۔ اس پہ نومی کا اچانک ایسی بے تکی ضد پکڑ کے بیٹھنا تو جیسے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا تھا۔

"سمجھ تو آپ نہیں رہیں امی..... آخر رکھا ہی کیا ہے اس ملک میں پھر اگر رو رو کر ایف اے پاس کر بھی لیا تو حاصل کیا ہوگا۔ مہینے کے چند ہزار روپے؟" وہ بے ساختہ تنک کر بولا۔

"میں باہر جاکر آپ کو لاکھوں کما کر بھیجوں گا۔" فضیلت کا ہاتھ پکڑ کر اس بار اس نے دھیمے انداز میں کہا۔

"تم اپنے لاکھوں اپنے پاس رکھو..... مجھے نہیں چاہیں تمہارے پیسے۔" فضیلت نے خفگی سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ اس کی عمر ہی نہیں سوچ بھی بچگانہ تھی اسی لیے تو وہ ایسے خواب دیکھ رہا تھا جن کا حقیقت سے دور دور کا واسطہ نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے تو مت رکھیے گا لیکن میں اب رکنے والا نہیں ہوں۔" وہ بھی نروٹھے پن سے بولا۔

"باہر جانا کون سا آسان ہے۔ وہ ٹریول ایجنٹ تمہارے دوست کے ساتھ مل کر تمہیں بیوقوف بنا رہا ہے۔ تم سے پیسے اینٹھنا چاہتا ہے۔ خالی ہاتھ کون باہر بھجواتا ہے کسی کو۔" فضیلت جانتی تھی اس کا دماغ خراب کرنے والا اس کا وہ دوست نما دشمن اور ٹریول ایجنٹ ہے جو صرف پیسوں کے چکر میں اسے خوار کررہے ہیں۔ گو فضیلت ایک سادہ سی خاتون تھیں اور ان سب باتوں کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتی تھیں مگر اس متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا کہ ایسے لوگ کس طرح سادہ لوح لوگوں کو باہر بھیجنے کے خواب دکھا کر ان کی جمع پونجی چھین لیتے ہیں۔

"غلط فہمی ہے آپ کی۔ وہ مجھ سے پیسے بعد میں لے سکتا ہے۔ ان کا جس کمپنی سے کانٹریکٹ ہے انہیں ابھی صرف لیبر چاہیے..... بعد میں اپنے پیسے وہ کمپنی سے ڈائریکٹ ہماری تنخواہ سے کاٹ لے گا۔" وہ پُریقین

Digitized by Google

لہجے میں بولا۔ اس کا دوست چند دن پہلے اسی ٹریول ایجنٹ کے ذریعے باہر نہ گیا ہوتا تو شاید نومی اس پہ اتنا اندھا بھروسا نہ کرتا۔

"تو کیا تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟" اس کی ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھتے ہوئے فضیلت کا دل بیٹھنے لگا۔ فضیلت نے بے بسی سے پوچھا۔

"آپ کے لیے میں ہوں ناں امی..... اس کا جہاں دل چاہتا ہے جائے لیکن اس کے بعد اگر واپس آیا تو اس گھر میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔" نومی کے بجائے عائشہ نے غصے سے جواب دیا۔ وہ بس ابھی گھر میں داخل ہوئی تھی اور ان دونوں کی تمام بحث صحن میں کھڑی سن لی تھی۔ نومی اور فضیلت دونوں نے ہی اس کے اندر آنے پہ دھیان نہیں دیا تھا۔

"ہاں ہاں نہیں آؤں گا..... مجھے اس گھر سے میرا حصہ دے دو میں ہمیشہ کے لیے چلا جاتا ہوں۔" فضیلت نے بے یقینی سے عائشہ کو دیکھا۔ وہ اس سے اتنی سخت بات کی امید نہیں کر رہی تھیں لیکن اتنا انہیں بھی اندازہ تھا نومی کو عائشہ ان سے بہتر طریقے سے سنبھال کر سکتی ہے لیکن جو کچھ نومی نے کہا وہ اس کی بھی تو توقع نہیں رکھتی تھیں۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟" تخت سے اٹھ کر انہوں نے غصے سے ٹوکا۔

"آپ آپا کو کبھی کچھ کیوں نہیں کہتی امی..... میں ان کی باتیں کیوں برداشت کروں صرف اس لیے کہ یہ کما کر لاتی ہیں اور ان کی باتیں چپ کر کے برداشت کرتا رہوں۔" عائشہ سن سی کھڑی اس کی باتیں سنتی رہی۔

"یہ گھر جتنا ان کا ہے اتنا ہی میرا بھی ہے..... پھر یہ کس حق سے مجھے یہاں واپس نہ آنے کا حکم دے سکتی ہیں۔" وہ بدلحاظی سے کہہ کر جتاتے انداز میں ایک کے بعد ایک تیر چلاتا گیا اور عائشہ بے یقینی سے کھڑی اپنے چھوٹے بھائی کے وار سہتی رہی۔

"بیٹا..... اس کی بات کا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ تو....." فضیلت نے پیار سے اس کو سمجھانا چاہا لیکن نومی تو جیسے ہر لحاظ اور مروت بھول گیا تھا۔ اپنی حماقت میں اتنا آگے بڑھ گیا تھا کہ یہ بھی نہیں سوچا وہ یہ سب اس بہن سے کہہ رہا ہے جس نے اسے کبھی ذرہ برابر تکلیف بھی نہیں پہنچنے دی تھی۔ آج اپنے کنبے کی بہتری کے لیے وہ خود دھکے کھا رہی تھی مگر اس نے نومی پہ پڑھائی کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی تھی۔ حالانکہ شروع میں اس نے جذبات میں آ کر عائشہ سے کہا تھا کہ وہ بھی کام کرے گا لیکن اسے یہ بات مناسب نہیں لگی تھی کہ اس کا چھوٹا بھائی کم سنی میں اپنی پڑھائی چھوڑ دے۔ وہ تو اسے ایک کامیاب انسان کے طور پہ دیکھنا چاہتی تھی لیکن افسوس اسے عائشہ کی نیک نیتی خودغرضی لگی تھی۔

"میں سب سمجھتا ہوں امی۔ انہیں دنیا میں اپنے سوا سب احمق اور بیوقوف دکھائی دیتے ہیں۔ یہ چاہتی ہی نہیں کوئی ان سے اچھا بھی ہو۔" فضیلت کو بے ساختہ ٹوکتے وہ مزید اکھڑے لہجے میں بولا۔

"انہیں لگتا ہے یہ سب کر سکتی ہیں لیکن کینسر کا علاج دو چار لاکھ سے نہیں ہوگا۔ آپا کے پاس تو آپریشن کے پیسے بھی نہیں ہیں۔ ارے ان کی تنخواہ سے تو ہم خواجہ کا قرض بھی نہیں اتار سکتے' آپ کا علاج تو دور کی بات ہے۔" عائشہ اسے دیکھتی رہی۔ پہلے ہی اس کا ذہن منتشر تھا اس پہ گھر آتے ہی نومی کی باتیں اس کے لیے ناقابل یقین تھیں۔ وہ کم سے کم اپنے بھائی سے ایسی امید نہیں رکھتی تھی کہ وہ اس پہ سنگ زنی کرے گا۔ اسے شدید دکھ ہوا کیونکہ درد ہمیشہ اپنوں کی بات سے ہی پہنچتا ہے۔ غیر کی بات تو انسان مروت میں جھیل جاتا ہے۔ برداشت کر لیتا ہے..... مصلحت سمجھ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ یہ تو ہمارے اپنے ہوتے ہیں جن سے ہم امید لگا لیتے ہیں اور غلط کرتے ہیں کیونکہ جب امید ٹوٹتی ہے تو انسان کا بھرم اور اعتماد بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

فضیلت پریشان سی عائشہ کو یوں خاموش اور اضطراب کی کیفیت میں کھڑی دیکھ رہی تھی۔ نومی نے

Digitized by Google

جس بے دردی سے تجزیہ کیا تھا اس کے بعد فضیلت کے پاس بھی کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ وہ جانتی تھیں وہ سچ کہہ رہا ہے کیونکہ وہ ہر گزرتے دن عائشہ کی بڑھتی پریشانی اور اپنی گھٹتی ہمت کو بخوبی محسوس کررہی تھیں لیکن نومی بھی بھلا کیا کرسکتا تھا اس سارے معاملے میں..... جو کچھ وہ کرنا چاہ رہا تھا وہ اتنا آسان نہیں تھا البتہ خواری بہت تھی اور بحیثیت ماں فضیلت اپنے بیٹے کو دنیا کی خواری سے ہر قیمت پہ بچانا چاہتی تھیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ تنبیہہ کرتیں عائشہ تیزی سے کمرے کے اندر چلی گئی۔ فضیلت نے تشویش سے وہاں کنفیوژ کھڑے نومی کو دیکھا جو شاید ذہنی طور پہ عائشہ کے جھگڑا کرنے یا اسے جواب میں برا بھلا کہنے کا منتظر تھا۔ فضیلت نے ماتھے پہ ہاتھ رکھتے ابھی عائشہ کے پیچھے کمرے میں جانے کے لیے قدم بڑھایا ہی تھا کہ وہ خود ہی واپس برآمدے میں واپس آئی اور فضیلت کو دیکھے بناء سیدھا نومی کے پاس پہنچی۔

"تمہیں لگتا ہے میں تمہارے راستے کی رکاوٹ ہوں ناں تو یہ لو..... یہ پکڑو پیسے اور جاکر اس ٹریول ایجنٹ کو دے دو۔" سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہتے اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے نوٹ نومی کے ہاتھ میں دیئے۔ فضیلت اور نومی دونوں حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔ یہ وہ بچی ہوئی رقم تھی جو عائشہ نے فضیلت کے علاج کی غرض سے رکھی ہوئی تھی۔

"خواجہ کا قرض بھی اتر جائے گا اور امی کا علاج بھی ہوجائے گا۔ تم اب ان باتوں کی فکر مت کرو۔" وہ دو ٹوک انداز میں کہتی واپس کمرے میں چلی گئی۔ نومی بے یقینی سے ہاتھ میں پکڑے پیسوں کو دیکھتا رہ گیا۔ اسے تو امید ہی نہیں تھی کہ عائشہ اسے یہ پیسے اتنے آرام سے دے دے گی لیکن اس کا مسئلہ حل ہوگیا تھا۔ فضیلت نے لب کاٹتے تاسف سے نومی کو دیکھا اور عائشہ کے پیچھے چلی گئیں۔

اندر عائشہ پلنگ پہ ٹیک لگائے ناخن دانتوں سے کترتی خاموش اور سنجیدہ بیٹھی تھی۔ فضیلت ایک گہرا سانس لیتیں اس کے نزدیک پہنچیں اور بیڈ پہ بالکل اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔ عائشہ نے نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ بس اپنے دھیان میں گم رہی تھی۔

"عائشہ یہ تم کیا کررہی ہو؟" اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے فضیلت نے نرمی سے سوال کیا۔

"کیا ہوگیا ہے تمہیں عائشہ..... کہاں کا غصہ کہاں اتار رہی ہو؟" وہ اس کی ماں تھیں اسے اس سے بہتر سمجھتی تھیں۔ نومی کی باتیں سن کر تکلیف انہیں بھی ہوئی تھی لیکن عائشہ سے پہلے بھی نومی کی منہ ماری ہوتی رہتی تھی پر عائشہ کہاں ٹلنے والوں میں سے تھی۔ جو کہہ دیتی نومی سے کروا کر ہی چھوڑتی مگر آج اس کا رویہ بالکل الگ تھا۔ گو کہ وہ نہیں جانتی تھیں کہ اس وقت عائشہ کس ذہنی الجھن کا شکار ہے۔ آج جو کچھ اس پہ بیتی ہے وہ اس طوفان کو اپنے اندر ہی چھپائے ہوئے ہے مگر بنا کہے بھی وہ اس کی پریشانی محسوس کررہی تھیں۔ عائشہ نے ایک نظر ماں کو دیکھا اور جیسے اس کا سارا ضبط جواب دے گیا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکلے اور اس کے گالوں پہ بہنے لگے۔

"عائشہ..... تم رو کیوں رہی ہو؟" فضیلت نے تشویش سے پوچھا۔ وہ ایک دم سے بری طرح رونے لگی فضیلت اس کو اس طرح روتا دیکھ کر گھبرا گئی تھیں لیکن اس نے تو جیسے فضیلت کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ کئی منٹ تک ماں سے لپٹ کر روتے ہوئے وہ جیسے اپنا دل ہلکا کرنا چاہتی تھی۔ فضیلت چپ چاپ اس کا سر تھپکتی رہیں اور پھر عائشہ نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔

"کیا ہوا ہے بیٹا؟ تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔" فضیلت نے ایک بار پھر وہی سے لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ نہیں ہوا امی۔" عائشہ نے آنکھیں ہاتھ کی پشت سے پونچھتے ہوئے تسلی دی۔ وہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔

"لیکن....."

Digitized by Google

"امی میں تھک گئی ہوں..... ایک ساتھ اتنے محاذوں پہ نہیں لڑ سکتی۔ آپ میری ذمہ داری ہیں اور رہیں گی۔ یہ اب جانا چاہتا ہے تو چلا جائے۔ ہم اس کے بغیر بھی سروائیو کرلیں گے۔" فضیلت کی بات کاٹتے اس نے سنجیدگی سے کہا البتہ آواز میں نمی تھی۔

"تم نے وہ پیسے نومی کو دے دیے؟" فضیلت نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔" عائشہ نے پلنگ سے اٹھ کر اپنی چادر اتارتے ہوئے جواب دیا۔

"تو کیا ڈاکٹر نے....." فضیلت کے دل کو کچھ ہوا۔ موت تو برحق تھی پر اس دل کا کیا کرتیں جو اپنی اولاد کی خوشیاں دیکھنے کا تمنائی تھا۔ اسے بے آسرا چھوڑ کر جانے کا خوف اس پل چہرے پہ عیاں تھا۔

"ڈاکٹر چھوڑ اللہ بھی جواب دے دے ناں امی تو بھی اب میں آپ کا علاج کروا کے رہوں گی۔" عائشہ نے چادر تہہ کرتے پلٹ کر ماں کو دیکھتے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"بیٹا ایسی باتیں نہیں کرتے ہیں۔ اللہ کو برا لگتا ہے۔" فضیلت نے بے اختیار ٹوکا۔

"اور ہمیں بے بس و مجبور دیکھنا اچھا لگتا ہے اسے؟" وہ تلخی سے بولی۔

"مت کہو ایسی بات جس پہ بعد میں پچھتانا پڑے۔" فضیلت نے بے ساختہ سمجھایا۔

"نہیں پچھتاؤں گی..... کیونکہ میں یہ سب پورے ہوش و حواس میں کہہ رہی ہوں۔" اس نے اپنے اندر کی کڑواہٹ پہ قابو پاتے سر جھکائے دھیمی آواز میں کہا۔

"آخر تمہیں ہوا گیا ہے عائشہ؟ کل تک تو بالکل ٹھیک تھی۔ آج اچانک یہ سب....." فضیلت نے اپنا سوال ایک بار پھر دہرایا۔

"کچھ نہیں ہوا..... آپ بلاوجہ پریشان نہ ہوں۔" اس نے وضاحت دیتے ہوئے فضیلت کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

"عائشہ اپنے بھائی کو روک لو بیٹا..... وہ بہت بڑی غلطی کر رہا ہے اور تم....." وہ جانتی تھیں کہ وہ پریشان ہے تکلیف میں ہے مگر یہ سب تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا جو عائشہ ایک ثانیے میں کر گئی تھی۔

"امی آپ ہی نے تو کہا تھا میرے منع کرنے سے کچھ نہیں ہوگا..... وہ جب تک اپنے تجربے سے نہیں سیکھے گا اسے عقل نہیں آئے گی اور جہاں تک احساس کی بات ہے ناں امی تو شاید اس کا وقت گزر گیا ہے۔ اسے احساس ہونا ہوتا تو وہ کبھی ان حالات میں ہمیں چھوڑ کر جانے کی بات نہ کرتا۔ آپ اسے جانے دیں۔ جینے دیں اسے اس کی زندگی۔" اس نے یاد دہانی کروائی۔ کبھی یہ سب کہہ کر ہی تو فضیلت اس کا دفاع کرتی تھیں۔ آج عائشہ بھی انہیں انہی کے الفاظ لوٹا رہی تھی۔

"اور تم کیا کرنے جا رہی ہو؟" عائشہ کا رویہ انہیں پریشان کر رہا تھا۔

"اس وقت تو آپ کا علاج سب سے اہم ہے اور میں کچھ بھی کر سکتی ہوں آپ کی زندگی بچانے کے لیے۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں کہتی ہاتھ میں پکڑی اپنی چادر الماری میں پھینکنے کے سے انداز میں رکھتی واپس باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ فضیلت کو پہلی بار اس کے لہجے سے خوف محسوس ہوا تھا۔

❀.....❀.....❀

"شرجیل مجھے آپ سے کچھ بات کرنا ہے۔" وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا سامعیہ نے بے چینی سے کہا۔ شرجیل نے اس پہ دھیان دیا تھا نہ ہی اس کے کملائے ہوئے چہرے پہ ایک نگاہ ڈالی تھی۔

"سمی میں اس وقت تھکا ہوا ہوں..... جو بات کرنی ہے صبح کرنا۔" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے بیزاری سے کہتے اس نے ڈریسنگ روم کی طرف قدم بڑھائے۔

"آپ کے بھائی کی شادی ہے شرجیل..... آپ کو کوئی احساس ہے کہ نہیں؟" وہ جتاتے ہوئے انداز میں بولی۔

Digitized by Google

"تم ہو تو احساس کرنے کے لیے۔" اس نے رک کر سامعیہ کی طرف دیکھتے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"وہاں ممی اور گھر کے سب لوگ مجھ سے سوال کررہے ہیں۔ اگلے ہفتے شادی ہے اور آپ کسی بھی موقع پہ موجود ہی نہیں ہیں۔" وہ شکایت کرتے چند قدم آگے بڑھی۔ انداز دھیما تھا لیکن خفگی نمایاں تھی۔ پہلے تو شرجیل فقط اسی کو نظر انداز کررہا تھا جس کی وجہ بھی کسی حد تک سامعیہ خود ہی تھی ورنہ شرجیل نے اسے کبھی بھی کسی کی وجہ سے نظر انداز نہیں کیا تھا لیکن پچھلے کچھ عرصے سے وہ بہت بدل گیا تھا۔ وہ سب کا منظور نظر تھا کیونکہ وہ ایک اچھا بیٹا' اچھا بھائی اور اچھا شوہر تھا۔ اس نے کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ پورا خاندان اسے پسند کرتا تھا کیونکہ وہ بظاہر نرم خو' خوش گفتار اور سب کی عزت کرنے والا تھا۔

اذان کا رویہ اس کی ماں سمیت سب کی شکایت کا موجب تھا جبکہ شرجیل کی تو مثالیں دی جاتی تھیں۔ جب سے عائشہ اس کے حواسوں پہ سوار ہوئی تھی اسے کسی بھی بات کی پرواہ نہیں رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس کا اپنے چھوٹے بھائی کی شادی میں دلچسپی بھی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ سامعیہ اپنی الجھن اور شرجیل کے رویے سے پریشان ہونے کے باوجود بھی اپنی ذمہ داری بھرپور طریقے سے ادا کررہی تھی۔ شاپنگ سے لے کر ڈھولک تک ہر جگہ وہ پیش پیش رہی تھی لیکن شرجیل کی غیر موجودگی کا خلا بھلا وہ کس طرح پُر کرسکتی تھی اور شرجیل کے حواسوں پہ تو صرف عائشہ سوار تھی۔ اسے مائل کرنے کی ترکیبیں اور منصوبوں میں وہ اتنا آگے بڑھ گیا تھا کہ باقی ہر بات سے لاتعلق ہوگیا تھا۔

آج بھی سامعیہ نے ساس کی زبانی ان کا شکوہ سن کر جھوٹی وضاحتوں سے انہیں تو چپ کروا دیا تھا لیکن وہ جانتی تھی شرجیل کا دھیان بالکل بھی اس طرف نہیں ہے۔

"تم موجود ہو ناں..... یہی کافی ہے۔ میری بیوی بن کر میرا خیال نہیں رکھ سکتی' کم سے کم ایک اچھی بہو کا فرض تو پورا کرلو۔" اس نے دھیمے مگر تلخ لہجے میں کہا اور اپنا کوٹ اتار کر بیڈ پہ اچھالا۔ وہ اس وقت کسی بھی موضوع پہ بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا جبکہ سامعیہ آج فیصلہ کرکے بیٹھی تھی کہ وہ شرجیل سے دوٹوک بات کرے گی۔ اسے نظر انداز کیوں کررہا ہے اس کی وجہ تو وہ جانتی تھی مگر باقی باتوں سے اس کی بیگانگی کی وجہ سامعیہ آج اس سے جاننا چاہتی تھی لیکن شرجیل نے فقط اس کی ذات کو ہی نشانہ بنایا تھا۔

"یہ کیسی باتیں کررہے ہیں شرجی..... میں نے کب آپ کا خیال نہیں رکھا..... اتنے سالوں سے میں؟" اس نے حیرت سے سوال کرتے جتانا چاہا لیکن شرجیل نے تیز لہجے میں کہتے اسے ٹوکا۔

"اتنے سالوں سے کیا سی؟ میں اب بھی تمہارا شوہر ہوں اور تم میری بیوی..... آج ہمارا رشتہ ختم تو نہیں ہوگیا ناں؟" سامعیہ شاکڈ سی اسے دیکھتی رہی۔ آج سے پہلے شرجیل نے کبھی اس سے اتنی اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی۔

"آخر میں نے ایسا کیا کیا ہے شرجیل جو آپ مجھ سے اتنے خفا ہیں..... اولاد کی خواہش کرنا کیا جرم ہے؟" وہ پوچھے بناء نہیں رہ سکی۔ کچھ بھی تھا یہ کوئی ایسی غلطی نہیں تھی جس پہ شرجیل اس سے مستقل خفا رہتا۔

"اپنی وضاحتیں اپنے پاس رکھو۔ مجھے ان میں کوئی انٹرسٹ نہیں' تنگ آ گیا ہوں میں تم سے اور تمہارے اس رویے سے....." چور کی چوری جب پکڑی جائے تو وہ بھی یقیناً اسی طرح شور مچا کر اپنا دفاع کرتا ہے۔ شرجیل نے نگاہیں چراتے غصے سے کہتے اس کے سوال اور اپنی غلطی کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔ پیر پٹختا وہ تیزی سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا پیچھے سامعیہ سن کی سن کھڑی رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

آشیانہ میں شادی کے ساتھ ساتھ اذان اور رابینہ کی

Digitized by Google

منگنی کی تیاریاں بھی زوروں پہ تھیں۔ سب لوگ وہاں موجود تھے سوائے اذان اور شرجیل کے کیونکہ ان کے پاس کام کا بہانہ تھا۔ سامعیہ بھی شرجیل کی وجہ سے ہی رکی تھی ورنہ نگہت کا پورا دباؤ تھا کہ کم سے کم وہ تو وہاں چلے لیکن وہ شرجیل کے ساتھ ہی جانا چاہتی تھی اس لیے انہیں سمجھا بجھا کر رخصت کرتے وہ خود روک گئی تھی۔

یوں تو نگہت بڑی روایتی سی خاتون تھیں مگر سامعیہ پہ ان کا بس کم ہی چلتا تھا جس کی وجہ شرجیل تھا۔ شرجیل اپنے طور پہ ہی ماں باپ بھائیوں کا اتنا خیال رکھتا آیا تھا کہ سامعیہ کے لیے گنجائش بچتی ہی نہیں تھی۔ اس کے باوجود سامعیہ بھی شوہر کے رنگ میں رنگی اس کی خوشی کی خاطر اس خاندان کو اپنا بنا چکی تھی اور آج جب شرجیل پیچھے ہٹا تھا تو سامعیہ نے کہیں بھی اس کا مقام گھٹنے نہیں دیا تھا البتہ وہ آشیانہ نہیں گئی تھی اور نگہت سے کل ہر صورت پہنچنے کا وعدہ کر گئی تھی۔

وہ سنبل کی وجہ سے پہلے ہی راہینہ سے منگنی کا طوق گلے میں ڈال چکا تھا اور اب اس کی چھٹی حس اسے خبردار کر رہی تھی کہ وہ اس سے آگے بھی کچھ نہ کچھ کر سکتی ہیں۔ وہ پہلی بات سے ڈرا ہوا تھا اور ایک طرح سے درست تھا۔ وہ تو بی بی جان نے سنبل اور اریبہ کو منع کر دیا ورنہ سنبل تو بیچ میں کچھ ایسا ہی کرنا چاہ رہی تھیں جس کے لیے اس وقت اذان بھی خبردار تھا۔ اسے بھی آج آشیانہ پہنچنا تھا کہ یہ بی بی جان کا حکم تھا لیکن کام کے دباؤ کی وجہ سے وہ ایک دن مزید یہاں رک گیا تھا۔ ایک طرح سے وہ منتظر تھا شرجیل اور سامعیہ کی طرف سے کوئی اچھی خبر سننے کو ملے۔ بڑی مجبوری میں اس نے شرجیل سے مدد مانگی تھی لیکن جب شرجیل نے اذان سے کوئی رابطہ نہ کیا تو اذان مجبوراً اس سے ملنے گھر چلا آیا۔

شرجیل تو موجود نہیں تھا البتہ سامعیہ حسب توقع گھر پر ہی تھی۔ سامعیہ کے لیے اذان کی وہاں آمد خاصی غیر متوقع تھی کیونکہ وہ ایک شہر میں رہ کر بھی ان سے بہت کم ملتا تھا۔ بہرحال اپنی حیرت کو چھپاتے سامعیہ نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔

"سامعیہ بھابی آپ کو شرجیل نے بتایا تو ہوگا....."

دعا سلام کے بعد اس نے بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔ اس کا خیال تھا شرجیل نے سامعیہ سے بات کر لی ہوگی لیکن وہ کہاں جانتا تھا کہ ان دنوں شرجیل کا ذہن بس ایک ہی بات سوچتا ہے اور اس کے علاوہ ہر خیال اس کے ذہن سے حذف ہو گیا ہے۔

"کس بارے میں اذان بھائی؟" سامعیہ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے الٹا اذان سے سوال کیا۔

"کیا آپ سے شرجیل نے میری اور راہینہ کی شادی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی؟" اذان کو شدید مایوسی ہوئی۔ اس نے شرجیل سے پہلی بار اس نوعیت کا کام کہا تھا جس کا نتیجہ صفر رہا تھا۔ چونکہ اسی نے سامعیہ کو شامل کرنے کی بات کی تھی لیکن سامعیہ کی حیرانی اسے یہ باور کرا گئی کہ وہ اس بات سے یکسر لاعلم ہے۔ اب وہ کہاں جانتا کہ شرجیل اور سامعیہ کے درمیان ان دنوں کون سی خلیج حائل ہے اور وہ تو پچھلے ایک ہفتے سے اپنے ماں باپ سے بھی نہیں ملا تھا۔ اذان کے سوال پہ سامعیہ نے شرمندگی سے نظریں چرائے بے اختیار اپنا نچلا لب کاٹا۔

پہلے ہی شرجیل کی باتوں نے اسے شدید دکھ پہنچایا تھا۔ ان میں پہلی بار اس نوعیت کا جھگڑا ہوا تھا اور اس کی امید کے برخلاف شرجیل نے اسے منانے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ سامعیہ بری طرح پریشانی کا شکار تھی کیونکہ یہ بات نظرانداز کیے جانے والی نہیں تھی۔ اس پہ اذان کا سوال کرنا اس کے درد کو دوگنا کر گیا تھا۔

"آپ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہیں۔ طبیعت ٹھیک ہے ناں آپ کی؟" سامعیہ کی حالت اذان سے چھپ نہیں سکی تھی۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" عورت کی تو پوری زندگی اپنا بھرم قائم رکھتے گزر جاتی ہے پھر وہ بھلا کیسے اپنی پریشانی اذان کو بتاتی۔ اس لیے بے ساختہ خود پہ قابو پاتے ہوئے ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

Digitized by Google

"آپ نہ بتانا چاہیں تو آپ کی مرضی لیکن آپ مجھ پہ ٹرسٹ کر کے اپنا مسئلہ شیئر کر سکتی ہیں۔" اذان مسکراہٹ کے پردے میں چھپی سامعیہ کی اداسی کا کھوج لگا گیا تھا پھر اس پل اس کی آنکھوں میں دمکتی نمی بھی راز فاش کرنے کو تیار تھی۔ اپنی پریشانی بھول کر اسے سامعیہ کی فکر لاحق ہوگئی تھی۔ سامعیہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے اذان کی طرف دیکھا جیسے یہ فیصلہ کر رہی ہو کہ اس سے کچھ کہے یا نہیں۔ انگلیاں مروڑتے بے چینی سے سوچتے بالآخر اس نے اذان کو اپنی پریشانی بتانے کا فیصلہ کیا۔

"اذان بھائی آپ شرجی کے کزن ہی نہیں ان کے دوست بھی ہیں۔ کچھ معاملات میں شاید آپ انہیں مجھ سے بہتر جانتے ہیں..... میری ایک بات کا سچ سچ جواب دیں گے..... کیا شرجیل کی زندگی میں کوئی اور بھی ہے؟" سنجیدہ اور پریشانی سے سوال کرتے اس نے اذان کی طرف دیکھا۔ وہ عورت تھی مرد کی بدلی نگاہیں پڑھ گئی تھی۔

"کیا آپ دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" اذان نے گہرا سانس لیتے ہوئے ایک پل کو سامعیہ کی طرف دیکھا اور پھر خود پہ قابو پاتے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جھگڑا بہت چھوٹی بات ہے اذان بھائی..... شرجیل کچھ دنوں سے میری طرف دیکھتے بھی نہیں ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ان کی زندگی میں کہیں میرا وجود ہی نہیں ہے۔" سامعیہ نے بے چینی سے اذان کو دیکھا۔ بات فقط شرجیل کی مصروفیت کی ہوتی تو وہ کبھی دھیان نہ دیتی۔ شرجیل اسے چھوڑ کر ہفتوں بیرون ملک ٹورز پہ چلا جاتا تھا پھر بھی اس کا سامعیہ سے رابطہ نہیں ٹوٹتا تھا بلکہ اس دوران وہ اس سے زیادہ رابطے میں رہتا تھا لیکن آج کل وہ اس کے پاس تو تھا مگر ساتھ نہیں تھا۔ سامعیہ اس کی محبت میں اندھی تھی مگر عقل کی اندھی تو نہیں تھی جو اپنے شوہر کا بدلنا محسوس نہ کر پاتی۔

"اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں کیا انہوں نے میرے ساتھ۔" کل رات سے اسے بس ایک ہی فکر کھائے جا رہی تھی۔

"بھابی یہ بھی تو ہو سکتا ہے اس کے رویے کی وجہ آپ ہی ہوں..... شرجیل کو میں جتنا جانتا ہوں وہ تو ہمیشہ سے ایسا ہی ہے۔ اس کی زندگی میں اب ایسا کچھ نیا تو نہیں۔" شرجیل کی سچائی وہ بہت پہلے سے جانتا تھا اور اس نے آج تک کبھی یہ بات سامعیہ یا کسی اور سے نہیں کہی تھی کیونکہ وہ شرجیل کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتا تھا۔ نیز اسے اچھی طرح معلوم تھا شرجیل کس قماش کا انسان ہے۔ زمانہ طالب علمی سے لے کر آج تک شرجیل کی زندگی میں بیسیوں لڑکیاں آ کر چلی گئی تھیں۔ وہ جتنی خاموشی سے آئیں اتنی ہی خاموشی سے چلی بھی گئیں۔ ان میں سے کسی سے بھی شرجیل سنجیدہ نہیں تھا۔ سامعیہ کی موجودگی میں بھی وہ کبھی اپنی عادتوں سے باز نہیں آیا تھا مگر اس نے سامعیہ کی جگہ کبھی کسی کو لینے نہیں دی تھی۔

"نہیں اذان بھائی..... وہ بہت بدل گئے ہیں۔ ہاں میں ان دنوں ڈپریس ہوں..... آپ تو جانتے ہیں اولاد کی کمی کتنا ادھورا کر دیتی ہے ایک عورت کو لیکن شرجیل..... ان کا رویہ بہت روڈ ہے۔ وہ تو کبھی مجھ سے اتنے سخت الفاظ میں بات نہیں کرتے تھے۔" سامعیہ کو قرار نہیں آ رہا تھا کیونکہ جو کچھ اس نے محسوس کیا تھا وہ اذان نہیں جانتا تھا۔

"آپ کو پتا ہے ممی بھی شکایت کر رہی تھیں۔ علی کی شادی ہے اور انہیں کوئی انٹرسٹ ہی نہیں ہے۔ یہ وہی شخص ہے اذان بھائی جو خاندان میں فرداً فرداً سب کا خیال رکھتے تھے۔" اس نے تشویش سے کہتے اذان کی طرف دیکھا۔

"آپ فکر مت کریں سامعیہ بھابی..... میں بات کرتا ہوں شرجیل سے۔" وہ اب بھلا اس سے زیادہ مزید کیا کہہ سکتا تھا حالانکہ یہ بھی اس کے نزدیک بہت زیادہ تھا کیونکہ یہ ایک طرح سے ان میاں بیوی کا اپنا

Digitized by Google

مسئلہ تھا۔
"لیکن آپ کیا بات کریں گے؟" سامعیہ نے الجھ کر پوچھا۔
"یہی کہ وہ آپ کے ساتھ معاملات درست کرے۔" اس کا یہی خیال تھا کہ چونکہ سامعیہ شرجیل کو بہت آئیڈیل شوہر تصور کرتی ہے اسی لیے اس کی طرف سے پہلی بار جھگڑنے پہ اتنی پریشان ہورہی تھی۔
"نہیں پلیز آپ ان سے ایسی کوئی بات مت کریں۔" سامعیہ نے پریشانی سے روکا۔
"تو پھر آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟" وہ بری طرح الجھا۔ جو کچھ جانتا تھا وہ سامعیہ کو بتا نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کے مطابق وہ وجہ تھی ہی نہیں۔ سامعیہ نے بے چینی سے پہلو بدلتے لاذان سے التجائیہ انداز میں کہا۔
"میں بس یہ جاننا چاہتی ہوں کہ شرجیل کی مصروفیت کیا ہے..... وہ کیوں مجھ سمیت پوری فیملی سے اتنے دور ہورہے ہیں؟ آپ پتا لگائیں ناں ان کی زندگی میں ایسی کیا نئی بات ہوئی ہے جو وہ اس طرح اچانک بدل گئے ہیں۔" سامعیہ نے جھجکتے ہوئے کہا اور اذان کا دھیان بے ساختہ عائشہ کی طرف گیا جس سے گزرے چند روز میں اس کا دوبار سامنا ہوا تھا۔ گو اس نے سامعیہ سے تو کچھ نہیں کہا لیکن یہ سچ تھا کہ وہ بیٹھے بیٹھے یک دم اس نتیجے پہ پہنچ گیا تھا۔

"آخر تم بتا کیوں نہیں دیتی کہ پریشانی کیا ہے؟" وہ دونوں ڈاکٹر شیرازی سے مل کر آئی تھیں اور انہوں نے جلد از جلد آپریشن کا کہا تھا جس کے لیے ابتدائی انویسٹیگیشن اور معاملات بھی ان کے ذاتی کلینک کی طرف سے کیے جارہے تھے البتہ سرجری کے لیے انہوں نے شہر کی بہترین سرجن کو ریفر کیا تھا۔ عائشہ جانتی تھی یہ سب شرجیل کی وجہ سے ہورہا ہے اور وہ یہ کیوں کررہا ہے اس کا اندازہ بھی بخوبی ہوگیا تھا۔ وہ پچھلے کچھ دنوں سے بے تحاشا پریشان تھی' فضیلت کو لگتا تھا نومی کی پریشانی ہے جوان کی سنے بغیر اپنے کاموں میں مصروف ہے اور جلد از جلد بھاگنا چاہتا ہے لیکن عائشہ کا ذہن جن الجھنوں میں گرفتار تھا وہ اسے نومی کی طرف سوچنے کی مہلت دے ہی نہیں رہی تھیں۔
"کوئی پریشانی نہیں ہے۔" یہ سب اگر عائشہ کی دوڑ بھاگ کا نتیجہ ہوتا تو وہ آج شکرانے کے نفل ادا کرتی' سجدے سے سر نہ اٹھاتی۔ ماں سے اپنی خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتی لیکن اس وقت تو اسے اپنی بے بسی پہ شدید غصہ آرہا تھا۔ سپاٹ اور دوٹوک لہجے میں فضیلت کو دیکھے بغیر وہ اپنے کپڑے استری کرنے لگی۔
"تو پھر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے میری جان کہ تم کچھ چھپا رہی ہو۔" عائشہ نے ایک نگاہ فضیلت کو دیکھا اور پھر نگاہ چراتے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے امی بس آپ کو دن بہ دن وہم کرنے کی عادت ہوتی جارہی ہے۔" مصروف سے انداز میں کہتے اس نے استری کا سوئچ ہٹا کر اپنے کپڑے اٹھائے اور کمرے کی طرف لپکی۔
"اس سے پہلے تم نے مجھ سے کچھ نہیں چھپایا۔" فضیلت نے جتاتے ہوئے کہا۔ وہ چلتے ہوئے ٹھہری اور بے اختیار اپنا نچلا لب کاٹا۔
"اب بھی نہیں چھپاؤں گی۔" دھیمے مگر پُراعتماد لہجے میں کہتے اس نے پلٹ کر ایک نگاہ فضیلت کو دیکھا اور مزید کچھ کہے سنے بغیر کمرے میں چلی گئی۔

"تم جانتی ہو عائشہ انسان ہر لمحہ ایک سا نہیں رہتا..... اس کی پسند ناپسند وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ بالکل اسی طرح اس کی ضروریات میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے..... بس اگر کچھ نہیں بدلتا تو وہ ہے دوستی۔"
شرجیل کی نظروں کی بے باکی دن بہ دن بڑھنے لگی تھی کہ اب بھی اس کا رویہ پہلے جیسا اور انداز وہی تھا مگر اس کا عائشہ کی طرف دیکھ کر مسکرانا' اس سے باتوں کا انداز بہت بدل گیا تھا۔ وہ بلا مقصد اسے اپنے کمرے میں

Digitized by Google

رکنے کا کہتا اور عائشہ کو مجبوراً وہاں بیٹھنا پڑتا۔ وہ چاہ کر بھی انکار اس کے منہ پر نہیں مار سکتی تھی کیونکہ اس کی مجبوریاں اسے کمزور کر رہی تھیں۔ آج بھی اس نے لنچ کے بعد عائشہ کو وہاں رکنے کا کہا اور اب سگریٹ سلگائے اس سے باتیں کر رہا تھا۔ عائشہ چپ چاپ سر جھکائے سن رہی تھی۔

''رشتے، تعلق سب چھوٹ جاتے ہیں لیکن اگر کوئی ہمیشہ ساتھ رہتا ہے تو وہ ہمارے دوست ہوتے ہیں۔ ویسے تمہارے کتنے دوست ہیں؟'' وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر دھیمے قدموں سے چلتا میز تک آیا اور وہیں میز پہ کونے سے ٹیک لگائے ذرا سا جھک کر عائشہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میرے..... میرے زیادہ دوست نہیں ہیں۔ ہاں لیکن میری امی میری سب سے اچھی دوست ہیں۔'' اس نے تھوک نگلتے بے اختیار سوچا اور دھیمی آواز میں بتایا۔

شرجیل نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا کہ عائشہ شرمندہ ہوگئی۔

''امی سے کون دوستی کرتا ہے؟'' سگرٹ کا کش لیتے اس نے استہزائیہ کہا۔

''دوست وہ ہوتا ہے جس کے آگے آپ اپنا سب کچھ کھول کے رکھ دیتے ہیں..... اس سے اپنے دل کی ہر بات کر سکتے ہیں۔ اس سے کبھی کچھ نہیں چھپاتے۔'' عائشہ کے چہرے پہ نظر آتی شرمندگی کی لکیروں کو محسوس کرتے اس بار اس نے دھیمے اور سنجیدہ انداز میں وضاحت دی۔

''ہاں تو میں اپنی امی سے اپنی ہر بات کر لیتی ہوں۔ ان سے کبھی کچھ نہیں چھپاتی۔'' عائشہ نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

''آر یو شیور؟'' شرجیل نے جتاتے ہوئے سوال کیا۔ عائشہ نے نظریں جھکا دیں لیکن ان جھکی نظروں میں لکھا جواب شرجیل پڑھ چکا تھا۔

''چلو یہ بتاؤ کیا تم 'دوست' ہو؟'' اس نے اطمینان سے سوال کیا۔

''جی؟'' عائشہ یک دم الجھی۔ اسے سرے سے اس سوال کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''تمہیں راز رکھنے آتے ہیں عائشہ؟'' اس نے ایک بار پھر جھک کر عائشہ کی سہمی ہوئی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔ خوف کی ایک لہر عائشہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کر گئی۔ اس کا دل کیا شرجیل کو پرے دھکیل کر جلدی سے بھاگ جائے۔

''میں آپ کی بات سمجھی نہیں سر۔'' اپنے خوف پہ قابو پاتے اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

''میں تم پہ کتنا بھروسا کر سکتا ہوں؟'' یہ سوال تھا یا تنبیہہ عائشہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

''سر آپ کام کے حوالے سے مجھ پہ بھروسا کر سکتے ہیں۔ میں کبھی آپ کے اعتماد کو نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔'' اس نے اپنے اندر کے اعتماد کو بحال کرتے ہوئے جواب دیا۔

''لیکن میں کام کی بات نہیں کر رہا۔ میری پرسنل سیکرٹری ہونے کی حیثیت سے میرے سب سے زیادہ کلوز ہو تم..... بہت سی باتیں ہیں جو شاید میری بیوی بھی نہیں جانتی لیکن وہ تمہارے علم میں ہوں گی۔ کیا وہ سب تم کسی اور کو بتا دو گی؟'' شرجیل نے پلٹ کر اپنی کرسی کی طرف آتے عائشہ سے تفصیل سے پوچھا۔

''نہیں سر..... میں کسی سے کیوں کہوں گی۔'' اس نے سنجیدہ مگر پُریقین انداز میں کہا۔

''گڈ..... میں تم سے یہی امید رکھتا ہوں۔'' وہ بے اختیار مسکرایا۔

''سر میں جاؤں اب؟'' عائشہ نے ڈرتے ہوئے اجازت طلب کی۔ اس پر یہ وقت بے حد بھاری ہوتا تھا جب شرجیل اسے لنچ کے بعد کام کے بہانے محض ادھر ادھر کی باتیں کرنے لیے اتنا وقت اپنے سامنے بٹھائے رکھتا تھا۔ اسے لگتا جیسے وہ اس کی قیدی ہے بس زنجیریں نہیں پہنیں۔

Digitized by Google

"ہاں....." شرجیل کی طرف سے اجازت ملتے ہی عائشہ فوراً سے اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ یہ موقع کسی صورت گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

"ایک بات تو میں پوچھنا بھول ہی گیا..... ڈاکٹر شیرازی نے کیا کہا تمہاری مدر کے ٹریٹمنٹ کے حوالے سے؟" شرجیل نے جیسے یاد آنے پہ پوچھا۔

"سر وہ کہہ رہے تھے انہیں کافی امید ہے کہ آپریشن کے بعد وہ ٹھیک ہو جائیں گی اور اب آپریشن بھی جلد از جلد کرنا ہوگا۔" عائشہ چونک کر پلٹی اور وضاحتی انداز میں جواب دیا۔

"یہ تو اچھی بات ہے..... تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دینا۔" تسلی دیتے انداز میں کہتا شرجیل، عائشہ کے قریب آ گیا۔ اس کی نظریں عائشہ کے چہرے پہ گڑی تھیں۔ عائشہ نے جواب نہیں دیا وہ بری طرح گھبرا رہی تھی۔

"اور پریشان ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ میں ہوں ناں۔" نگاہیں جھکائے بھی وہ خود پہ گڑی شرجیل کی نظروں کو محسوس کر رہی تھی اور شدید خوف کے حصار میں تھی۔ شرجیل ایک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ یک دم پلٹنے سے اس کی سیاہ چادر سر سے سرک کر کندھوں پہ آ ٹکی تھی جسے اس نے غیر محسوس سے انداز میں سر پہ واپس لینا چاہا لیکن شرجیل نے ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دیا۔ عائشہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے چونک کر شرجیل کو دیکھا۔ شرجیل نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ آمنے سامنے کھڑے وہ دونوں اب ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"تمہارے اتنے خوب صورت بال ہیں..... انہیں کھلا چھوڑا کرو۔ اچھی لگتی ہو۔" ایک قدم مزید آگے بڑھ کر شرجیل نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں میں لگا کلپ نکالتے مسکرا کر کہا۔

عائشہ اس کی اس جسارت پہ بے یقین اور حیرت میں ڈوبی اسے دیکھتی رہی اور پھر لب کاٹتے سر جھکائے اس کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

الفا کنسلٹنسی
ALFA CONSULTANCY
انکم ٹیکس اور اکاؤنٹس کنسلٹنٹ
(Income Tax & Accounts Consultant)

FBR اور اکاؤنٹس سے متعلق کسی بھی کام کیلئے
NTN بنوائیں، فائلر بنیں
اپنے کاروبار کے ماہانہ اکاؤنٹس کیلئے
ماہانہ سیلز ٹیکس ریٹرن جمع کرانے کیلئے
سالانہ انکم ٹیکس گوشوارے جمع کرانے کیلئے
ماہانہ یا سالانہ آڈٹ کیلئے نیز
FBR سے متعلق کسی بھی نوٹس یا آڈٹ کیلئے

مکمل اعتماد کے ساتھ
ہم سے رجوع کریں

0335-3519592
0300-8297292

ali.cma@hotmail.com

Digitized by Google

بھلے شرجیل کے لیے کسی لڑکی سے تعلق استوار کرنا نئی بات نہیں تھی لیکن اس نے کبھی سامعیہ کو ہوا لگنے نہیں دی تھی۔ یہ پہلی بار تھا وہ خود پہ قابو نہیں رکھ پا رہا تھا اور اس کی وجہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ صرف ایک لڑکی کو حاصل کرنے کی چاہ اس کے اندر اتنی شدت کیوں اختیار کر رہی تھی کہ وہ دیوانہ بنتا جا رہا تھا۔ گھر' بیوی' فیملی سب سے لاتعلق ہو کر رہ گیا تھا۔ کچھ نظر آتا تو وہ تھی عائشہ.....

لیکن آخر عائشہ میں ایسا کیا تھا جو شرجیل جیسا گھاک اور شاطر انسان اس کے لیے زندگی کو اتنا متاثر کر رہا تھا۔ جب پہلی بار اس نے عائشہ کو دیکھا اس وقت بھی بظاہر ایک عام سے حلیے والی اچھی شکل وصورت کی پریشان لڑکی تھی لیکن شرجیل کو وہ پہلی نگاہ میں اچھی لگی تھی۔

اس کی آنکھوں کا خوف' اس کے چہرے کی معصومیت' اس کا سہما ہوا حسن شرجیل کے لیے جیسے ایک نئی اور مختلف دنیا تھی۔ وہ جس کلاس سے تھا اور زندگی میں جن لڑکیوں سے ملتا رہا تھا وہ سب اس جیسی تھیں جبکہ عائشہ بالکل الگ۔ شروع میں وہ یہی سوچ کر اپنے دل کو تسلی دیتا رہا تھا کہ اسے یمنی سے جان چھڑوانی ہے۔ وہ اس سے بیزار ہو گیا ہے اور اب ایک تبدیلی کا خواہاں ہے مگر ایسا نہیں تھا۔ گزرتے دنوں میں اس کی عائشہ کے لیے تڑپ جسمانی ضرورت سے بدل کر ذہنی سکون بننے لگی تھی۔ یہ سچ تھا وہ اب تک عائشہ کی مجبوری کو خرید رہا تھا مگر اس کا دل عائشہ کے سامنے بے بس ہو جاتا تھا۔ اس کا دل گھنٹوں اسے سامنے بٹھا کر بے مقصد دیکھنے کی خواہش کرتا..... اس کی آواز سننے کی آرزو کرتا..... اس کی تعریف کرنے کو مچلتا اور یہ سب خود اس کے لیے بھی باعث حیرت تھا کیونکہ شرجیل ایک عورت کو استعمال کرنے پہ یقین رکھتا تھا۔ لاڈ تو بس اس نے سامعیہ کے اٹھائے تھے اور آج غیر محسوس سے انداز میں عائشہ وہ مقام حاصل کر رہی تھی۔ عائشہ' سامعیہ پر حاوی ہو رہی تھی اور یہ انکشاف خود شرجیل کے لیے بھی بے حد چونکا دینے والا تھا۔

اذان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ شرجیل جیسا انسان کسی بھی ایسی لڑکی جسے وہ خرید کر استعمال کر سکتا ہو' اس کی خاطر اتنا حد سے بڑھ سکتا ہے۔ کچھ بھی تھا وہ شرجیل اور سامعیہ کے رشتے کی مضبوطی سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ لیکن سامعیہ کی پریشانی نے ہی اسے یہ سب سوچنے پہ مجبور کیا تھا ورنہ شرجیل سے ملاقات کے دوران وہ اسے بالکل مطمئن لگا تھا۔ اب سامعیہ جو اس کے بدلے ہوئے رویے سے پریشان تھی تو کیا اس کی وجہ عائشہ ہو سکتی ہے؟ لیکن اسے تو عائشہ میں اچھی صورت کے سوا دوسری کوئی خاص بات محسوس ہی نہیں ہوئی تھی جو شرجیل کو ایسا دیوانہ بنا رہی تھی کہ وہ اس کی خاطر اپنی بیوی کو بھول رہا تھا۔ اس سے پہلے بھی تو دسیوں لڑکیاں تھیں' اسے اگر سنجیدہ ہونا ہی تھا تو ان میں بھی کوئی کمی نہیں تھی۔

بہرحال کڑی سے کڑی ملاتے اسے اس گتھی کا سرا عائشہ ہی لگی تھی۔ وہ ویسے تو کسی کے مسئلے میں نہیں پڑتا تھا لیکن سامعیہ نے اس سے مدد طلب کی تھی' پہلی بار اپنی پریشانی بتائی تھی۔ یہ وہ عورت تھی جس کی اذان دل سے عزت کرتا تھا اور وہ اگر اس پہ بھروسا کر رہی تھی تو اذان کو بھی اس بھروسے کا پاس رکھنا تھا۔ یہی سوچ کر بالآخر اس نے عائشہ سے خود بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

''میں اذان بات کر رہا ہوں۔'' عائشہ نے جیسے ہی فون ریسیو کیا اس نے بے تاثر اور سپاٹ لہجے میں اپنا تعارف کروایا۔

''سر ایکسچینج نے غلط نمبر ملا دیا ہے یہ شرجیل سر کا نہیں میرا ایکسٹینشن ہے میں ابھی آپ کی کال ٹرانسفر.....'' وہ سنبھل کر محتاط سے انداز میں بولی۔

''میں شرجیل سے نہیں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر خفگی سے بولا۔

''جی.....؟'' وہ الجھی۔ اس پل اذان سے ہوئی دو ملاقاتیں بے ساختہ اس کے ذہن میں آئیں۔ اس وقت تو عائشہ اس کی باتوں کا مفہوم سمجھ نہیں پائی تھی البتہ آج وہ

Digitized by Google

کسی حد تک اندازہ کرسکتی تھی کہ اذان کے رویے میں عائشہ کے لیے اس درجہ ناپسندیدگی کے پیچھے کون سی سوچ تھی۔ چونکہ عائشہ شرجیل کو کسی حد تک سمجھ گئی تھی اس لیے یہ بھی جان چکی تھی کہ یقیناً اسے بھی شرجیل سے وابستہ دوسری لڑکیوں میں شمار کررہا ہوگا۔

''آپ کو..... مجھ سے کیا کام ہے؟'' اس نے اپنی پریشانی پہ قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''شرجیل اور تمہارے درمیان کیا چل رہا ہے؟'' اذان کے لہجے میں تذلیل تھی۔ عائشہ اس سے ہرگز اس سوال کی امید نہیں رکھ رہی تھی وہ بھی اتنے دوٹوک انداز میں۔

''ایکسکیوزمی.....'' اس نے بے ساختہ کہا۔

''دیکھو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں تم جیسی لڑکیوں کو۔'' اس نے جتاتے ہوئے انداز میں کہا۔

''اذان صاحب آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' اپنی حیرت اور خوف کو چھپاتے وہ تیز لہجے میں بولی۔

''تمہاری وجہ سے شرجیل کی پرسنل لائف متاثر ہورہی ہے۔'' مختصر مگر دوٹوک انداز میں وہ غصے سے بولا۔

''لیکن میرا ان کی ذاتی زندگی میں کوئی عمل دخل نہیں ہے..... میں صرف ان کے آفس میں کام کرتی ہوں اور بس.....'' الفاظ تھے یا نشتر' عائشہ کا پورا وجود چھلنی ہوگیا تھا۔ اس نے تو کبھی تصور ہی نہیں کیا تھا کہ اس کا کردار یوں چوراہے پہ لٹکایا جاسکتا ہے۔ کہتے ہوئے جیسے لفظ اس کا ساتھ دینے سے انکاری ہوئے اور وہ یک دم خاموش ہوگئی۔

''اور بس؟'' وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''یہ بس کہاں تک چلتا ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں..... لیکن ایک بات اچھی طرح یاد رکھنا..... شرجیل جیسے مرد تم جیسی لڑکیوں کو فقط استعمال کرتے ہیں اور جب ان کا دل بھر جائے تو وہی حال ہوتا ہے۔ جو تم سے پہلے والی کا ہوا تھا۔ اس لیے میری وارننگ ہے تمہیں..... اپنی اڑان نیچی رکھنا کیونکہ تمہاری وجہ سے شرجیل اور سامعیہ کا رشتہ خراب نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ بولا نہیں پھنکار رہا تھا۔ تنبیہی لہجے میں کہتے اس نے کال منقطع کردی تھی۔

عائشہ اب بھی ریسیور کان سے لگائے سن بیٹھی تھی۔ ریسیور سے سنائی دیتی ڈسکنیکشن ٹون سے اس کا سر پھٹنے لگا تھا۔ بے اختیار اس نے غصے سے ریسیور کریڈل پہ پٹخا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

اذان کا ایک ایک لفظ اس کے لیے تازیانہ ثابت ہوا تھا اور اس کی آواز کی بازگشت اب تک کانوں میں گونج رہی تھی۔ اس کا دل کیا ابھی جاکر سب کچھ شرجیل کو بتا دے اور پوچھے اس سے کہ آخر اس نے عائشہ کے متعلق اپنے کزن کو کیا تاثر دیا ہے جو وہ اس کے لیے اتنے نفرت انگیز الفاظ استعمال کررہا تھا۔ اس کا غصہ اس وقت عروج پہ تھا اور پھر یک دم اس غصے کی جگہ بے بسی نے لے لی۔ اپنی مجبوری کا احساس ذہن کی دیواروں سے ٹکرایا اور پھر اس نے سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ آنسو ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتے پھر بھی ہر تکلیف پہ آنکھوں کے بند توڑ کر دل کے زخموں کا مرہم بن جاتے ہیں۔ عائشہ بھی اس پل اپنی تکلیف کا ازالہ اسی نمکین پانی سے کررہی تھی جو درد کے اس پل اس کا رفیق تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

www.naeyufaq.com

Digitized by Google

بیٹیاں ہماری

نزہت جبین ضیاء

"تبریز یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟" زیمل نے آخری بار پُر امید نگاہوں سے تبریز کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر دکھ رقصاں تھا۔ بھیگی پلکیں اور شکستہ انداز اس بات کے گواہ تھے کہ پچھلے کچھ گھنٹے اس نے کس کرب میں گزارے ہیں۔ پپڑی زدہ ہونٹوں کو کاٹتی ہوئی کتنی بے بس، کتنی مجبور نظر آرہی تھی وہ۔ فیصلہ اس کے مجازی خدا کے ہاتھ میں تھا۔ تبریز نے پلٹ کر گہری نظر زیمل پر کی...... ملگجے سوٹ، بکھرے بال اور روئی روئی آنکھوں والی زیمل۔ گزشتہ پانچ سال سے اس کے ساتھ تھی گھریلو، سگھڑ، سلیقہ شعار، قناعت پسند اور خدمت گزار بیوی۔ تبریز اس سے محبت کرتا تھا لیکن وہ مجبور اور بے بس تھا۔

"زیمل تم تو جانتی ہو...... یہ اماں کا فیصلہ ہے۔" تبریز کا لہجہ گمبھیر ہوا۔

"تبریز...... پلیز یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں...... آپ بچے نہیں ہیں، ماشاءاللہ دو بیٹیوں کے باپ ہیں۔ آپ کو فیصلے کا حق ہے آپ خود فیصلہ کیوں نہیں کرتے، تبریز فرماں بردار بیٹے کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک باپ بن کر بھی سوچیں۔ میں صرف آپ کی مرضی معلوم کرنا چاہتی ہوں، پلیز تبریز۔" زیمل اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"زیمل...... اماں کی بات اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے وہ بھی غلط نہیں، میں نے بھی صبر کیا لیکن اب اماں کی بات نہیں ٹال سکتا۔ بہتر یہ ہے کہ تم مان لو میں کوئی گناہ کرنے نہیں جا رہا نہ ہی تمہیں تمہارے حقوق سے دستبردار کروں گا تم میری بیوی ہو اور ہمیشہ رہو گی۔ میں تمہیں زندگی سے نہیں نکال رہا، تم میرے پاس اور میرے ساتھ رہو گی ہمیشہ یار۔"

"مجھ سے برداشت کرنا مشکل ہو جائے گا تبریز۔ میں نے آپ کو بے حد چاہا ہے ٹوٹ کر محبت کی ہے آپ سے۔ ہم بے اولاد تو نہیں ہیں کیوں ناامید ہو رہے ہیں آپ، بچیوں پر کیا اثر پڑے گا تبریز۔ گھر کا ماحول یک دم بدل جانے سے ان کے ننھے ننھے ذہن دوہرے پن کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اللہ بہتری کرنے والا ہے۔ اس بار...... اس بار......"

"کیا اس بار اس بار؟" تبریز اس کی بات کاٹ کر جھنجلا کر بولا۔ "پتا ہے مجھے اس بار بھی بیٹی ہی ہے...... اماں کبھی غلط نہیں کہتیں...... ان کے اندازے سو فیصد درست ہوتے ہیں اور تم نے خود الٹرا ساؤنڈ بھی تو کروایا ہے، صبر نہیں ہوتا اماں سے اور اگر بچیوں کے یا تمہارے لیے یہاں رہنا، سب کچھ دیکھنا اتنا ہی مشکل ہے تو تم اپنے میکے جا سکتی ہو۔" مارے حیرت کے زیمل کی آنکھیں پھیل گئیں، منہ پر ہاتھ رکھے وہ اپنے محبوب شوہر کو دیکھتی رہی جس کی خاطر نیند، چین، خواہشات، مرضی سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ آج اس مقام پر اس کا شوہر اسے کتنی آسانی سے اس گھر سے نکلنے کو کہہ رہا تھا۔ جس کو سجاتے، سنوارتے اور نکھارتے زیمل اپنا آپ بھول گئی تھی۔

"ٹھیک ہے تبریز میں امی کے ہاں جا رہی ہوں...... آگے کیا فیصلہ کرنا ہے یہ بعد میں طے ہوگا کیونکہ میں ابھی کوئی فیصلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں اور آپ فیصلہ کرنے کے قابل نہیں...... لیکن تبریز ایک بات یاد رکھیے گا جب آپ فیصلہ کرنے کے قابل ہوں گے تب وقت بہت آگے نکل چکا ہوگا۔ اس وقت آپ کے ہاتھ سوائے ندامت اور پچھتاوے کے کچھ نہیں ہوگا۔ یہ سوچ لیں کہ اپنے گھر کی رحمت کو آپ خود اپنے ہاتھوں نکال رہے ہیں۔" زیمل نے ہمت مجتمع کرتے ہوئے ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے کارنر پر رکھے اپنے بیگ کو اٹھایا اور بچیوں کو ساتھ لیا۔ ننھی ایمل تو سو

Digitized by Google

رہی تھی جبکہ نمل ابھی سو کر اٹھی تھی۔ بچیوں کا مختصر سامان بیگ میں رکھا اور کمرے سے نکل گئی۔ اس وقت اس کے چہرے پر دکھ پریشانی اور غم نہیں بلکہ اعتماد اور وقار تھا۔ یہ ممتا کی طاقت تھی جو اس کے لڑکھڑاتے وجود کے لیے سہارا بن گئی تھی۔ تبریز حیرت سے اسے جاتا دیکھ رہا شاید اسے زیمل سے ایسی امید نہ تھی۔

❁.....❁.....❁

شمسہ خاتون (تبریز کی والدہ) بیوہ خاتون تھیں۔ شوہر سرکاری آفیسر تھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد اچھا خاصا اثاثہ چھوڑ گئے تھے۔ ایک بیٹا تبریز ہی تھا جو تعلیم سے فارغ ہوکر بینک میں نوکری کررہا تھا۔ تبریز کی شادی کے سلسلے میں شمسہ بیگم کوشش کررہی تھیں۔ انہوں نے زیمل کو کسی تقریب میں دیکھا تھا۔

سطوت بیگم ایک بیوہ خاتون تھیں اور ان کی دو بیٹیاں اجل اور زیمل تھیں۔ اجل شادی شدہ تھی۔ زیمل نے گریجویشن کررکھا تھا۔ باقاعدہ طور پر شمسہ بیگم رشتہ لے کر آئی تھیں۔ تبریز اچھا اور جاذب نظر تھا۔ اچھی نوکری کرتا تھا۔ بہت اچھا نہ سہی مگر پھر بھی خاصا اچھا گھر بار سوائے ماں کے اور کوئی آگے پیچھے بھی نہیں تھا' رشتہ ہر لحاظ سے بہتر تھا۔ اس لیے طے پا گیا۔ زیمل کے والد عبدالوکیل صاحب (مرحوم) ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر تھے۔ اماں بھی پڑھی لکھی اور سمجھدار خاتون تھیں۔ اس لیے زیمل نہ صرف صورت شکل سے بلکہ دیگر معاملات میں بھی اچھی تھی۔ اچھی بہو کے تمام خواص اس میں پائے جاتے تھے۔

شمسہ بیگم ویسے تو روایتی ساسوں کی طرح چیخ وپکار کرنے والی یا بلاوجہ روک ٹوک کرنے والی نہیں تھیں مگر فطرتاً حاکمانہ مزاج کی مالک تھیں۔ گھر کے باہر کے تمام فیصلوں کا اختیار ان کو حاصل تھا۔ زیمل کو شادی کے بعد اس بات سے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ اس کے ساتھ بہتر رویہ ہوتا' تبریز پیار کرنے والا خیال کرنے والا تھا۔ زیمل مزاجاً شریف اور سیدھی سادھی لڑکی تھی اس کی تربیت بھی انہی اصولوں پر ہوئی تھی اس لیے وہ تبریز پر دل وجان سے فدا ہوگئی تھی۔ وہ تبریز کو ٹوٹ کر چاہتی تھی۔

زندگی اچھی گزر رہی تھی۔ زیمل کی شادی کو چار ماہ کا عرصہ ہوا تھا تب اللہ پاک نے شمسہ بیگم کی دعائیں سن لیں اور زیمل امید سے ہوئی۔ تبریز بھی بے حد خوش تھا۔ شمسہ بیگم بھی اس کا بے حد خیال رکھتیں اس کے لیے پھل اور دودھ خود کمرے میں پہنچاتیں' زیمل کی والدہ کا خیال تھا جہاں ان کی بڑی بیٹی کے کیس ہوئے اسی ہاسپٹل میں زیمل کو بھی لے جائیں۔ جانی مانی اور بہت اچھی ڈاکٹرز تھیں۔ اچھا ہاسپٹل تھا۔

"اوکے..... دیکھتے ہیں۔" جب زیمل نے اپنی اماں کا ارادہ تبریز کے سامنے پیش کیا تو تبریز نے سر ہلا کر کہا تھا۔

"تبریز اس ہاسپٹل کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ ملنے کے لیے ٹائم فکس نہیں جب چاہے مل سکتے ہیں۔" زیمل نے کہا۔

Digitized by Google

"اچھا بھئی مطلب اگر آدھی رات کو مجھے اپنے چنے منے سے ملنے کا دل کرے تو میں آسکتا ہوں۔" تبریز نے مسکراتے ہوئے شریر لہجے میں کہا۔

"ہاں ضرور منے کے ابا۔" زیمل بھی جواباً اسی لہجے میں بولی اور دونوں ہنس دیے۔

"زیمل تم مجھے بہت بڑی خوشی دینے جارہی ہو۔ یار قسم سے جب سوچتا ہوں کہ میں..... میں بھی باپ بن جاؤں گا تو خوشی کے مارے میری نیند اڑ جاتی ہے۔" تبریز جذب سے بولا تو زیمل نے مسکرا کر اس کے کاندھے پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ کتنا سکون ملتا تھا تبریز کی مضبوط بانہوں میں آکر جیسے ساری فکر' پریشانیاں' دکھ اور تکالیف ہوا ہو جاتی ہوں۔ زندگی کا یہ موڑ بھی کتنا حسین تھا۔ خدشات سے بھرا ہوا لیکن امیدوں کے جلتے ہوئے دیئے حوصلہ بڑھاتے اور ہمت دلاتے تھے پھر ان کی زندگی میں ایک خوبصورت صبح نمل آگئی' خوب صورت معصوم پریوں جیسی نمل جسے پاکر سب ہی بہت خوش تھے۔ پہلی اولاد تھی اس لیے بیٹے بیٹی کا کوئی تصور نہ تھا مگر شمسہ خاتون کو تھوڑا دکھ ضرور ہوا کہ پہلوٹی کی بیٹی ہوئی ہے تو پیچھے بھی بیٹی ہی پیدا ہوتی ہے۔ زیمل کی والدہ بھی بہت خوش تھیں ننھی نمل ابھی چھ ماہ کی ہوئی کہ ایک بار پھر زیمل کی طبیعت خراب رہنے لگی۔

"اللہ کرے اس بار بیٹا ہو جائے۔" بے ساختہ کہے گئے شمسہ بیگم کے جملے پر زیمل چونکی مگر پھر خود ہی مسکرادی۔ واقعی یہ تو سب کی خواہش ہوتی ہے کہ بیٹی کے بعد بیٹا ہو۔ اس بار بھی زیمل کا شمسہ بیگم نے ہر طرح کا خیال رکھا۔ نمل کو بھی سنبھالتیں لیکن اس بار زیمل کا بی پی بہت ہائی رہنے لگا تھا پتا نہیں کیوں' وہ کمزور بھی ہوتی جارہی تھی۔ جیسے تیسے وقت گزرا اور ایک بار پھر اس کی گود میں ایمل کی صورت میں ننھی منی گڑیا آگئی۔ اس بار تو شمسہ بیگم نے دبا دبا سا احتجاج کر ہی دیا۔ تبریز کو خوشی تو ہوئی مگر اماں کا سرد رویہ دیکھ کر اسے دکھ ہوا تھا۔ زیمل کے گھر آنے کے بعد شمسہ بیگم دبے دبے لفظوں میں اس بات کا احساس دلاتی رہتیں کہ ان کو جلد از جلد پوتا چاہیے۔

"اللہ توبہ..... ابھی تو زندگی اور موت کی کشمکش سے نکل کر آئی ہوں۔" زیمل کو اماں کی بات دل پر لگتی' مگر ان کو یہ قلق رہتا کہ میرا اکلوتا بیٹا ہے اس کو کم از کم دو بیٹے ہونے چاہیے تاکہ نسل آگے بڑھ سکے۔

"تبریز..... آپ اماں کو سمجھائیں پلیز' وہ ہر کسی کے سامنے کہتی رہتی ہیں اور ہماری کون سی سات آٹھ بیٹیاں ہوگئی ہیں۔ ابھی چار سال ہوئے ہیں شادی کو اور وہ ابھی سے ناامید ہوگئی ہیں۔" اماں کے بار بار کے طعنوں' طنز اور سرد آہوں سے تنگ آکر زیمل نے تبریز سے کہا تھا۔

"زیمل میں اماں کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ ماں ہیں میری۔ وہ جو بھی کہیں وہ میرے لیے صحیح ہوتا ہے۔ میں ان کے خلاف نہیں بول سکتا۔" تبریز کے ٹکے سے جواب پر زیمل حیرانی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تبریز.....! میں کون سا بدزبانی یا نافرمانی کرنے کو کہہ رہی ہوں۔ بس اماں کو ڈاکٹر کی ہدایات کے بارے میں سمجھانے کا کہہ رہی ہوں..... میری بات وہ سمجھیں گی نہیں۔"

"نہیں..... تمہیں کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کچھ۔ وہ جو کہتی ہیں کہنے دو۔" تبریز نے سرد مہری سے کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

"یا اللہ..... یہ تبریز کو کیا ہوگیا ہے؟ اتنی بیزاری۔" زیمل نمل کو تھپکیاں دینے لگی جو کسمسا رہی تھی۔

ایک بار پھر زیمل امید سے ہوئی اور اس بار زیمل سے زیادہ بے چین اور پریشان اماں تھیں۔ جانے کون کون سی منتیں چل رہی تھیں۔ فون پر گھنٹوں کسی سے باتیں ہوتیں' آج کل اماں کی اپنی دور پرے کی کزن سلمٰی خالہ سے بہت گاڑھی چھننے لگی تھی۔ سلمٰی خالہ نہایت تیز طراز اور چالاک عورت تھیں جن کی تین بڑی عمروں کی بیٹیاں بن بیاہی بیٹھی تھیں۔ زیمل پہلے سے زیادہ

Digitized by Google

کمزور ہوگئی تھی۔ پہلے دو چھوٹی بچیاں اور پھر اوپر سے طبیعت خراب۔ گھر کے ماحول سے بھی وہ پریشان رہنے لگی تھی۔ تبریز بھی اماں کے ساتھ آہستہ آہستہ باتیں کرتے اور اسے دیکھ کر چپ ہوجاتے۔ زیمل پوچھتی تو ٹال جاتے اس روز بھی زیمل کو ہاسپٹل جانا تھا تو اماں ناشتے کے بعد سلمٰی خالہ کی طرف چلی گئیں۔ تبریز کے ساتھ پہلے اپنی اماں کے گھر گئی' بچیوں کو وہاں چھوڑ کر زیمل ہاسپٹل آئی۔ الٹرا ساؤنڈ کروا کر آئی تو اچانک زور کا چکر آ گیا۔ تبریز جوس لے آیا اور جوس پی کر طبیعت ذرا بحال ہوئی' تب ہی ڈاکٹر نے بلوایا۔ تبریز کے ساتھ وہ اندر آئی تو وہاں پر دوسری ڈاکٹر بھی موجود تھیں۔

"آپ بہت ویک ہو' اپنا بہت خیال رکھو کھانے پینے پر خاص توجہ دو۔ مسٹر تبریز آپ اپنی مسز کا خاص خیال رکھیے۔ اس بار بے بی بھی بہت ویک ہے اور یہ خود بھی بہت ویک ہیں اس لیے میں نے میڈیسن بھی چینج کردی ہیں۔ خاص احتیاط اور مکمل آرام کی ضرورت ہے ورنہ بے بی کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے؟" ساری باتیں ایک طرف مگر تبریز کے ساتھ زیمل بھی بری طرح چونکی۔ تبریز جو خاموشی سے ڈاکٹر کی باتیں سن رہا تھا بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

"ڈاکٹر..... کیا اس بار بھی بے بی گرل ہے؟" زیمل نے خوف زدہ نگاہوں سے پہلے تبریز اور پھر ڈاکٹر کو دیکھا۔

"یس شی از بے بی گرل۔" ڈاکٹر کی آواز اسے کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی زیمل نے میز کو تھاما اور تبریز کے چہرے کا رنگ ایک دم ہی پھیکا پڑا تھا۔ ہلکی سی امید بھی اب وہ بھی ماند پڑ گئی تھی۔

"یہ لیں دوائیں اور غذا کا چارٹ میں نے بنا دیا ہے' پندرہ دن بعد چیک اپ ہوگا آئی ہوپ کہ جب تک تم ان میں امپروومنٹ آجائے گا۔" اس کی اور تبریز کی کیفیت سے مکمل طور پر بے خبر ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے پرچا اس کی جانب بڑھایا۔

"تھینک یو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ لڑکھڑاتی اور بے جان سی' بے بسی سے تبریز کی جانب دیکھا تبریز نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔ باہر نکل کر زیمل نے کن انکھیوں سے تبریز کو دیکھا۔ مکمل اور جامد خاموشی' سپاٹ چہرہ۔ زیمل چاہ رہی تھی کہ وہ کچھ بولے مگر وہ چپ چاپ پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔

"تبریز....." گاڑی میں بیٹھ کر ڈرتے ہوئے اسے پکارا۔

"ہمم۔" ونڈ اسکرین پر نگاہ جمائے جواب دیا۔

"تبریز..... آپ ناراض ہیں؟ بیٹی کا سن کر آپ کو برا لگا..... یہ اللہ کی مرضی ہے تبریز' اس میں ہمارا کوئی عمل دخل....."

"افوہ..... چپ کرو زیمل' میں نے کب کہا کہ میں ناراض ہوں یا مجھے برا لگا۔" وہ جھنجلایا۔

"تبریز ہر بات کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی کبھی کبھی براہ راست لفظوں میں کوئی بات کہے بنا مخاطب کا رویہ اور انداز ہمیں صاف نظر آجاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر بات لفظوں میں کہی جائے۔ ایک نگاہ چہرے کے اتار چڑھاؤ ہی اس کے اندر تک اتر جانے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ ہمیں احساس ہوجاتا ہے' اپنی بات کی اہمیت' ہستی اور اپنے معیار کا۔ ہم جان جاتے ہیں کہ وہ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ جاتا ہے' بس سمجھنے والی نظر ہونی چاہیے۔" زیمل بھی بچی نہیں تھی' وہ بھی تبریز کو جانتی تھی اور تبریز سے زیادہ تو اماں کی فکر تھی۔ وہ تو واویلا شروع کردیتیں۔

"تبریز ایک بات کہوں؟" کچھ دیر بعد مسلسل سوچوں کی زد سے تنگ آ کر وہ آہستہ سے بولی۔

کہو۔" تبریز نے اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔

"آپ اماں کو مت بتایئے گا کہ ڈاکٹرز نے کیا کہا ہے ورنہ وہ خوامخواہ ابھی سے پریشان ہوجائیں گی اور اپنا بی پی ہائی کرلیں گی۔" تبریز نے مڑ کر ایک گہری نظر

Digitized by Google

زیمل پر ڈالی اور منہ سے کچھ نہیں کہا۔ زیمل نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا مگر وہ بدستور چپ رہا' زیمل نے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا اور شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ وہ خود بھی خدشات اور واہموں کا شکار ہو رہی تھی۔

رات کو کھانے کی میز پر وہ جیسے ہی آ کر بیٹھی اماں کی چبھتی ہوئی نظروں سے چونک گئی۔ وہ عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں' تبریز اماں کے برابر کرسی پر بیٹھے تھے۔ اماں کو دیکھ کر بے ساختہ زیمل کی نظر تبریز کی جانب اٹھی اور وہ نظریں چرا گیا۔

''اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم کرے۔ میرے مولا ہم بہت کمزور بندے ہیں اور اتنا بوجھ نہیں سہار سکتے' ہمیں کیوں بار بار امتحان میں ڈال رہا ہے' ہمیں معاف کردے میرے مولا بس اب ہمیں معاف کردے۔''

زیمل کو دیکھ کر شمسہ بیگم کو اللہ یاد آ گیا تھا۔ زیمل چونکی یقیناً ان کا اشارہ آنے والی بیٹی کی طرف تھا۔

''تبریز.....! اماں کو پتا چل گیا ناں.....اس میں ہمارا کیا قصور ہے تبریز؟ اولاد اولاد ہی ہوتی ہے۔ نو ماہ کی تکلیفیں سہنے کے بعد اذیتوں اور کرب کے لمبے سفر کو طے کر کے حاصل ہونے والا اللہ پاک کا خوب صورت تحفہ۔ اس کے لیے کیسی پناہ' کیسی توبہ۔ یہ غلط بات ہے.....خدانا خواستہ ہماری بچیاں ایب نارمل نہیں ہیں' ان میں کوئی کمی نہیں ہے' پھر اتنا واویلا کیوں؟''

''زیمل.....تم ایک رخ دیکھتی ہو' ایک ہی طرف سوچتی ہو اور وہی سوچنا اور دیکھنا چاہتی ہو جو تمہاری نظر میں بہتر ہے لیکن اماں.....اماں کے نظریے سے سوچو تب احساس ہوگا کہ اماں بالکل ٹھیک سوچتی ہیں۔ وہ غلط نہیں ہیں۔ ان کے خدشات سو فیصد درست ہیں..... ان کی جگہ پر خود کو رکھ کر سوچو تو ان کی باتیں واویلا نہیں لگیں گی تمہیں۔'' تبریز نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر اور واویلا پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ان لوگوں کے پاس یا اللہ صبر کیوں نہیں ہے.....اتنی بھی کیا جلدی ہے؟'' تبریز کمرے سے باہر نکل گیا اور زیمل سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ اماں کا رویہ نمل اور ایمل کے ساتھ بھی آہستہ آہستہ تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ اب وہ پہلی سی چاہت تھی اور نہ والہانہ انداز جیسے وہ بچیوں سے اکتانے لگی ہوں۔ نمل تو اسکول جانے لگی تھی۔ زیمل کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو وہ ہفتہ بھر کے لیے اپنی اماں کے گھر رہنے آ گئی۔ وہ اپنے گھر کی رنجش اور سرد جنگ کا ذکر اپنی والدہ سے نہیں کرتی' خوامخواہ ان کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔ بچیاں بھی نانی کے گھر آ کر خوش تھیں۔ ہفتہ یوں ہی گزر گیا اور جب وہ تبریز کے ہمراہ گھر واپس آئی تو اسے اپنا ہی گھر اجنبی سا لگنے لگا تھا۔ پہلے بھی گھر کا ماحول کچھ مکدر سا تھا مگر اب..... اب واضح تبدیلی آ گئی تھی۔

اماں کے سلمیٰ خالہ سے روابط بھی مزید گہرے ہو گئے تھے۔ گفتگو مزید لمبی ہوتی جا رہی تھی۔ زیمل زیادہ تر آرام ہی کرتی۔ شمسہ بیگم کی اپنی مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ باہر آنا جانا زیادہ ہو گیا تھا۔ یہ مشکوک حرکات وسکنات کسی بہت بڑے طوفان کی آمد کا پتا دے رہے تھے۔ تبریز کا رویہ بھی مزید نپا تلا ہو گیا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ بات بھی نہیں کرتے اور اب تو کام کا بہانہ بنا کر زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہنے لگے تھے۔ زندگی عجیب حالات کا شکار ہو گئی تھی۔ زیمل اندر ہی اندر کڑھتی مگر کسی سے کچھ کہتی نہیں تھی۔ کون تھا جس سے وہ دل کی باتیں کرتی۔ اپنی اماں سے کہہ کر ان کی طبیعت خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ویسے بھی اس کی والدہ دل کی مریضہ تھیں۔

زیمل بس اللہ پاک کے آگے گڑگڑا کر اپنے لیے سکون اور بھلائی کی دعا مانگتی' خیر کی بھیک مانگتی' وہ رب جو سارے جہاں کے ایک ایک بندے کی خبر رکھتا ہے' کل عالم کا ملک ومختار ہے وہ نہ جانے کب اور کس وقت کس کے بہتے ہوئے ایک آنسو کے بدلے اسے نعمتوں کا سمندر عطا کردے۔ کسی کی ایک بار کی دل سے کی گئی

Digitized by Google

توبہ پر اس کے لیے بخشش کے دروازے وا کردے' کسی کی تڑپ اور دل سے نکلی ہوئی آہ عرش تک جا پہنچے اور وہ رحیم و کریم ایک آہ کے بدلے میں خوشیوں کے خزانے عطا کردے۔ زیمل کی دعائیں اس کی تڑپ' اس کی آہ' رب کریم کی بارگاہ میں جمع ہو رہی تھیں۔ بس ایک لمحے کی دیر اور ایک اشارے کی ضرورت تھی۔ وہ عطا کرنے والی ذات رحمتوں کے دروازے کھول کر عطا بھی کرتی ہے اور عنایات بھی کرتی ہے۔ وہی ذات ہے جس کے آگے بندہ دل کھول کر رکھ دیتا ہے۔ زیمل بھی جب حد سے زیادہ بے چین ہوتی تب قرآن پاک کی تلاوت کرنے بیٹھ جاتی اور صرف اور صرف اپنے رب کو پکارتی۔ اس سے دل کی ساری باتیں کہہ کر کچھ پل کے لیے پُرسکون ہو جاتی۔

یہ بے قراری و بے چینی اور بے کلی بے وجہ نہ تھی' سب کچھ کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ نسلی خالہ جو کافی عرصے سے کوشش میں مصروف تھیں' ان کی کوششیں رنگ لائی تھیں کچھ شمسہ بیگم کی خواہش تھی کہ عقدہ کھل کر سامنے آ گیا تھا۔

''زیمل..... میں تم سے محبت کرتا ہوں' تمہارے ساتھ زندگی بھر رہنا چاہتا ہوں' مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ اللہ پاک کی مصلحت میں کوئی دخل دے ہی نہیں سکتا' ساری باتیں اپنی جگہ لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس گھر کو بیٹے کی ضرورت ہے اور یہ کوئی انہونی بات نہیں۔''

''تو مجھے آپ کی اس بات سے کب انکار ہے تبریز۔'' زیمل نے اس کی بات مکمل ہونے پر سر اٹھا کر سادگی سے کہا۔

''میں کب کہہ رہا ہوں کہ تم کو انکار ہے' بس میں تو یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ اماں چاہتی ہیں کہ میں دوسری شادی کرلوں۔''

''تبریز.....! کک..... کیا..... یہ کیا کہہ رہے ہیں تبریز.....؟'' چائے کا کپ زیمل کے ہاتھ میں بری طرح کانپ گیا۔

''تبریز..... تھوڑا سا صبر..... تھوڑی سی ہمت بھی نہیں ہے آپ میں..... کوئی اتنی جلدی کیسے ناامید ہو سکتا ہے؟'' اس کے چہرے پر بے تحاشا کرب تھا' اس کے الفاظ میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

''زیمل..... اماں کی ضد ہے۔''

''اور آپ؟'' زیمل نے پوچھا۔

''میں..... میں اماں کی حکم عدولی نہیں کر سکتا۔''

''تبریز..... اللہ کے واسطے اپنی بیٹیوں کے بارے میں سوچیں' میرا نہ سہی تو ان ننھی جانوں کا خیال کیجیے' یہ آپ کی بیٹیاں ہیں تبریز۔'' زیمل کا لہجہ عاجزانہ تھا۔ وہ رو دینے کو تھی۔

''بیٹیاں میری ہیں اس سے میں نے کب انکار کیا لیکن کیا میرا حق نہیں کہ بیٹے کی آرزو کروں' تمہاری طرف سے کوئی امید نظر نہیں آ رہی تو کیا کروں میں؟ یونہی بے نام ہو کر مر جاؤں۔'' وہ چلایا۔

''تبریز..... اللہ نہ کرے' کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ اللہ پاک آپ کو میری عمر بھی لگا دے۔'' وہ تڑپ کر بے ساختہ بولی۔

''یہ وقت ڈائیلاگ بازی کا نہیں ہے زیمل' جانتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ محبت امتحان بھی لیتی ہے' آزمائش میں بھی ڈالتی ہے' تکلیف اور آزار بھی دیتی ہے۔ بہت کچھ کھونا بھی پڑتا ہے' دل پر پتھر رکھ کر فیصلے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ خود پر جبر بھی کرنا پڑتا ہے اور سمجھ لو کہ تمہارے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔'' تبریز کتنی آسانی اور اطمینان سے کہہ رہا تھا۔ زیمل کے پیروں تلے زمین نکلی جا رہی تھی۔ اس کی حالت اس قابل نہیں تھی کہ یوں شاک دیے جائیں۔ ایسے وقت میں تو شوہر بیویوں کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھتے ہیں' ہر طرح سے ان کا خیال رکھتے ہیں اور یہاں' جب سے وہ تیسری بار امید سے ہوئی تب سے اسے مسلسل پریشان کیا جا رہا تھا۔ اسے قدم قدم پر ٹینشن دی جا رہی

Digitized by Google

تھی اور آج..... آج تو ساری حدیں پار کی جا چکی تھیں۔ اس کی چھٹی حس یونہی بیدار نہیں ہوئی تھی۔ اس کے خدشات بے وجہ نہیں تھے۔ اس کے ساتھ تیسرے درجے کا سلوک کیا جا رہا تھا۔

"یا اللہ....." زیمل نے سر تھام لیا' تبریز کی اماں براہ راست تو کچھ نہ کہتیں مگر تبریز کسی روبوٹ کی طرح ان کے اشاروں پر ناچتا۔ کیسا مرد تھا وہ' میانہ روی جانتا ہی نہیں تھا۔ اس کا جھکاؤ ایک جانب ہی کیوں تھا؟ دوسری جانب بھی تو اس کے خونی رشتے تھے جن کو وہ نظر انداز کر رہا تھا۔ دو دن شدید اذیت میں گزرے، زیمل کا سوچ سوچ کر برا حال تھا۔ اس کی حالت خراب ہو رہی تھی' دو دن تک خلاف معمول گھر میں خاموشی رہی تھی۔ زیمل کا دل چاہ رہا تھا کہ جا کر اماں کے سامنے ہاتھ جوڑے' ان کے پاؤں پکڑ کر ان کو اس فیصلے سے باز رکھنے کی التجا کرے لیکن اماں نے تو اجنبیت اور سرد مہری کی دیوار درمیان میں حائل کر رکھی تھی۔ جیسے بیٹیاں پیدا کرنے میں زیمل کی ذاتی مرضی شامل ہو' جیسے زیمل اپنی خواہش سے بیٹیاں پیدا کر رہی ہو۔ اس گھر کو وارث دینا نہیں چاہتی ہو' حتیٰ کہ زیمل اور نمل سے بھی وہ سیدھے منہ بات نہیں کر رہی تھیں۔

ادھر سلمیٰ خالہ کی جانب سے زور دیا جا رہا تھا۔ ان کو شدید خوف تھا کہ کہیں بہن کے دل میں زیمل کے لیے کوئی ہمدردی نہ آ جائے' کہیں وہ شادی سے انکار نہ کر دیں۔ بڑی مشکل سے تو آس بندھی تھی بیٹی کو بیاہنے کی نہ جانے کتنی پٹیاں پڑھا پڑھا کر بہن کو راضی کیا تھا۔ اس کے لیے ان کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑے تھے یہ وہی جانتی تھیں۔ سو وہ اپنی اتنی سخت محنت کو کسی صورت رائیگاں ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ ادھر انہوں نے بہن کا پیچھا پکڑا ادھر بہن نے بیٹے کے منہ میں اپنی زبان ڈال دی اور آج تبریز نے اپنا بلکہ اپنے منہ سے اماں کا آخری فیصلہ بھی سنا دیا تھا۔ کس قدر سنگ دلانہ رویہ تھا۔ یہ کیسے رشتے تھے۔ دادا، دادی تو اپنے بیٹے کی اولاد پر جان چھڑکتے ہیں' یہاں تو خون ہی سفید ہو گیا تھا۔ زیمل کے لیے سب کچھ ناقابل برداشت تھا سو وہ بچیوں کو لے کر میکے آ گئی۔ یوں اچانک سے زیمل کو دیکھ کر اس کی والدہ سطوت بھی پریشان ہو گئی تھیں۔

"خیریت تو ہے..... اکیلی کیسے چلی آئیں؟" زیمل کا نڈھال وجود اور تھکی ہوئی سی چال کسی انہونی کا پتا دے رہی تھی۔ وہ تو ماں تھیں۔ ماں چاہے اولاد کے قریب ہو یا دور وہ اولاد سے بے خبر نہیں رہتی۔ یہ تو اللہ پاک کی طرف سے اولاد کے لیے خاص تحفہ ہے کہ اولاد کو کانٹا بھی چبھ جائے تو تکلیف ماں کو ہوتی ہے۔

"جی اماں..... مجھے تھوڑا سا آرام کرنے دیں' میں بعد میں تفصیل سے بات کرتی ہوں۔" وہ آہستگی سے بولی اور نمل کو ماں کی طرف بڑھا دیا۔

"زیمل تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" سطوت بہت زیادہ بے چین اور پریشان تھیں۔ پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بے قراری سے سوال کیا۔ پانی پی کر زیمل نے لمبی سانس لی اور اپنی ہمت کو یکجا کرتے ہوئے اس نے دزدیدہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔ ماں کے چہرے پر فکر اور پریشانی کے سائے منڈلا رہے تھے۔

"اماں..... ڈاکٹر کے مطابق آنے والی بھی بیٹی ہی ہے اور تبریز کے حوصلے پست ہو چکے ہیں' برداشت ختم ہو گئی ہے' صبر اور امید کا دامن چھوڑتے ہوئے تبریز دوسری شادی کر رہے ہیں۔"

"ارے.....! یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ یہ کیا بات ہوئی' ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے..... تبریز پاگل تو نہیں ہو گئے؟" سطوت بھی مشتعل ہوئیں' ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اچانک سے ایسی پریشان کر دینے والی خبر سنیں گی۔ "اماں تبریز کی بھی مرضی شامل ہے مگر ان کی اماں کا فیصلہ اور مرضی ہے بھی تبریز اپنی اماں کے اشاروں پر چلنے والے انسان ثابت ہوئے ہیں۔" اس کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔

Digitized by Google

"مگر ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ تمہاری ایسی حالت میں ابھی جا کر بات کرتی ہوں۔ کیا سمجھتے ہیں وہ اگر باپ یا بھائی نہیں ہے تو تم لاوارث ہو۔ میں ہوں ابھی زندہ عقل ٹھکانے لگا کے آتی ہوں بڑی بی کی۔ شرم نہیں آتی ایک عورت ہوکر دوسری عورت کو اور وہ بھی اس حالت میں یوں اذیت دے رہی ہیں اور تم کوئی غیر نہیں بہو ہو ان کی ان کے بیٹے کی بیوی۔ وہ ایسا کیسے کرسکتی ہیں؟" سطوت شدید غصے میں آ گئی تھیں۔

"اماں پلیز...... غصہ کرنے کا یا ان کو غیرت دلانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور میں ذہنی طور پر تیار ہوں۔ اس لیے پلیز آپ بھی خاموش ہوجائیں۔ فی الحال مجھے آپ کے سہارے اور ساتھ کی ضرورت ہے اماں باقی آگے میں خود سنبھال لوں گی۔" سطوت نے دکھ بھری نظروں سے بیٹی کی جانب دیکھا۔

"میری بچی......" آگے بڑھ کر اسے سینہ سے لگالیا اور ان ماں بیٹی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"بس اماں اب رونا نہیں ہے، بچیاں خوف زدہ ہوجائیں گی۔ میرا یہاں آنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ بچیاں کم از کم ریلیکس رہیں۔" زیمل نے دوپٹے سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے باہمت لہجے میں کہا۔

"مگر بیٹی ہم اس طرح چپ کیسے رہ سکتے ہیں؟" سطوت نے کہا۔

"ماں میں چپ نہیں ہوں، میں نے فیصلہ اس ذات کے ہاتھ میں دے دیا ہے جو صحیح اور بروقت فیصلے کرتا ہے...... پلیز بس نارمل ہوجائیں، دیکھیں میں نارمل ہوں ناں۔" وہ مسکرائی۔ بے جان اور کھوکھلی مسکراہٹ، سطوت کا دل کٹ گیا مگر وہ چپ رہیں۔

......

ادھر خس کم جہاں پاک کے مصداق تبریز اور سلومی کی شادی کی تیاری شروع کردی گئی تھیں۔ اماں جلد از جلد سلومی کو بہو بنا کر لانا چاہ رہی تھیں۔ تبریز نے زیمل کو دو چار بار کال کی مگر زیمل نے کال اٹینڈ نہیں کی۔ اس کا دل بہت برا ہوگیا تھا۔ تبریز پر سے بھروسا اٹھ گیا تھا۔ وہ اس قدر بودا مرد نکلے گا یہ تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ دو چار کوششوں کے بعد تبریز نے بھی کال نہیں کی کیسا باپ تھا کہ اسے بچیوں کی بھی یاد نہیں آرہی تھی۔

تقریباً دو ماہ سے زیمل میکے میں تھی، یہیں سے وہ اپنے چیک اپ کے لیے ہاسپٹل جاتی اور اب کسی وقت بھی ہاسپٹل جانا پڑ سکتا تھا۔ اس لیے سطوت نے ساری تیاری کر رکھی تھی۔ زیمل کی بڑی بہن بھی آ گئی تھی، اس کے دو بیٹے تھے اس کے آنے سے نمل اور ایمل بھی بہل گئی تھیں۔ سطوت زیمل کو ہاسپٹل لے کر جا رہی تھیں۔ تب انہوں نے زیمل کی طرف دیکھا۔

"زیمل بیٹی اگر تم کہو تو تبریز کو کال کرکے بتا دوں؟" زیمل نے کچھ دیر سوچا پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ تبریز کا نمبر بند تھا۔ مجبوراً پی ٹی سی ایل پر کال ملائی کام والی نے کال ریسیو کی پیچھے بے حد شور تھا بے ہنگم اور بے تکا سا۔

"ہیلو...... جی کس سے بات کرنی ہے۔"

"تبریز کو بلواؤ۔" سطوت نے کہا۔

"تبریز صاحب کا تو آج نکاح ہے وہ مصروف ہیں کیا بات کرنی ہے مجھے بتا دیں۔" نوکرانی کی بات سن کر سطوت کا سر گھوم گیا۔ پلٹ کر درد سے دہری ہوتی زیمل کی طرف دیکھا، زیمل نے کچھ پوچھا نہ ہی سطوت نے اس وقت کچھ بتانا مناسب سمجھا۔ سطوت کا دل دکھ سے بھر گیا۔ یہاں بیوی اس تکلیف میں تھی اور وہاں پر تبریز شادی رچا رہا تھا۔ ایک عورت کو تو نباہ نہ سکا اور دوسری لے کر آ رہا تھا۔ سطوت کو ایک دم چپ لگ گئی تھی۔ زیمل بھی چپ تھی۔

دو ڈھائی گھنٹے کی اذیت اور تکلیف برداشت کرکے ایک بار پھر زیمل کے پیروں تلے جنت آ گئی۔ دوسروں کے لیے وہ ننھی جان چاہے کیسی بھی تھی، ماں کے لیے تو جگر کا ٹکڑا تھی۔

"بہت بہت مبارک ہو زیمل الحمدللہ بہت پیارا سا

Digitized by Google

بیٹا ہوا ہے۔'' زیمل لفظ بیٹے پر بری طرح چونکی۔

''جی......! ب...... بیٹا یا بیٹی......؟'' اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اسے لگا جیسے وہ خواب کی سی کیفیت میں ہو۔

''جی...... جی ماشاء اللہ اس بار بیٹا ہوا ہے۔'' ڈاکٹر نے مسکرا کر یقین دلایا۔

''مگر...... مگر...... اف اللہ یا اللہ...... تیرا شکر ہے...... میرے اللہ...... تیرا کیسا کرم ہے' کیسی عطا ہے میرے رب۔'' اسے بے تحاشا رونا آ گیا۔

''یہ......! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ الٹرا ساؤنڈ میں تو بتایا تھا۔'' اس نے تمام بات بتائی۔

''وہ دراصل کبھی کبھی ایک ساتھ کافی سارے الٹرا ساؤنڈ ہوتے ہیں ناں' تو شاید غلطی سے میرے منہ سے نکل گیا ہوگا۔ ویسے زیمل ہم چاہے کتنی ترقی کرلیں اللہ پاک کے کاموں میں دخل نہیں دے سکتے۔ یہ بھی ہماری کمزوری ہے۔ بہرحال اللہ کا شکر ادا کرو کہ تمہاری فیملی مکمل ہوگئی۔'' ڈاکٹر کی بات پر وہ مسکرائی۔

''اماں...... اماں...... اللہ پاک نے کرم کردیا' دیکھیں تو وہ کتنا قادر ہے' جو چاہے کرسکتا ہے اور دینے پر آتا ہے تو کیسے ناممکن کو ممکن بنادیتا ہے کہ ساری ڈگریاں ناکام ہوجاتی ہیں کہ اس ذات کی عطا کے آگے سب کچھ ہیچ ہے۔'' وہ شادی مرگ جیسی کیفیت کا شکار تھی۔ اتنی غیر یقینی خوشی ملی تھی۔ اللہ پاک کا شکر ادا کرتے کرتے وہ تھک نہیں رہی تھی۔

''واہ میرے مولا......'' سطوت بھی اللہ پاک کے آگے سجدہ شکر بجالائیں...... ادھر باپ شادی کی خوشیاں منا رہا تھا اور ادھر بیٹے نے جنم لیا تھا۔

''اماں بیٹے کی اطلاع تبریز کو نہیں دیجیے گا۔'' زیمل نے تاکید کی۔

''ارے بیٹی یہ تو خوشی کی بات ہے۔'' سطوت نے کہا۔

''نہیں اماں' باپ کو اپنی خوشی منانے دیں' دیکھتے ہیں کب تک ان کو خبر نہیں ہوتی۔'' زیمل کی بات پر سطوت چونکیں یعنی زیمل کو اس کی شادی کا علم تھا۔ سطوت نے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا۔

نمل اور ایمل بھی خوش تھیں ننھا منا بھائی دیکھ کر بہت اچھا لگا تھا۔ زیمل ہاسپٹل سے گھر آ گئی۔ تبریز کی جانب سے مسلسل خاموشی خاصی تکلیف دہ تھی۔ آخر وہ بھی عورت تھی' ذہن کے کسی گوشے میں شاید یہ گمان بھی تھا کہ تبریز کو ڈیلیوری ڈیٹ کا علم تھا' ہوسکتا ہے وہ ایک میسج کر کے خیریت پوچھے' شاید اسے ایک لمحے کے لیے کوئی خیال آ جائے' بچیوں اور زیمل کا لیکن سارے گمان...... گمان ہی رہے۔ ایک ماہ' دو ماہ اور تین ماہ گزر گئے۔ اتنی بے حسی' دونوں جانب بالکل خاموشی تھی۔

مگر زیمل کے اندر جو آگ دھیمے دھیمے جل رہی تھی وہ نہ جانے کب بھڑکنے والی تھی۔ ایسی کہ سارے رشتے' سارے ناطے بھسم ہوجانے تھے۔ نام کے رشتوں کو خاک ہوجانا تھا۔ سطوت نے کئی بار زیمل کو تبریز کے حوالے سے احساس دلایا لیکن زیمل کی مسلسل چپ نے انہیں بھی خاموش کردیا تھا۔ اب تو سطوت نے بھی سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا تھا۔ چھوڑا تو پہلے بھی اللہ پر ہی تھا مگر جو کبھی کبھی زیمل سے تبریز سے رابطہ کرنے کو کہتی تھیں اب وہ بھی کہنا چھوڑ دیا تھا۔ بچیاں بھی کسی حد تک سیٹ ہوگئی تھیں۔ پہلے پہل تو پاپا کو یاد کرتیں مگر پھر بہل گئی تھیں۔ زیمل بہ ظاہر مطمئن تھی مگر دل کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا تھا۔ زندگی عجیب وغریب صورت حال کا شکار بن گئی تھی۔

❊......❊......❊......❊

وقت گزرتا رہا۔ چار ماہ...... چار ماہ کا طویل عرصہ گزر گیا اور زیمل کو سطوت کے ہاں آئے ہوئے تقریباً سات ماہ ہوچکے تھے۔ ننھا عارب چھ ماہ کا ہوگیا تھا۔ گول مٹول' خوب صورت اور گورا چٹا۔ جس پر کسی کو بھی بے اختیار پیار آ جاتا اور سگا باپ...... سگا باپ تو اس بات سے بھی لاعلم تھا کہ جس بات کو ایشو بنا کر اچھی بھلی بیوی

Digitized by Google

کو نظر انداز کیا وہی نعمت اس کی جھولی میں آ چکی تھی۔ جس کو دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی کیونکہ وہ تو مشینوں پر اور انسان پر بھروسا کر کے بیٹھے تھے۔ کم عقل اور نادان لوگ اللہ پاک بھی کرشمے دکھاتا ہے اپنی بڑائی دکھاتا ہے ایسے لوگوں کی سوچ انہی کے منہ پر دے مارتا ہے اور کہتا ہے کہ اے ناشکرے انسان میری عطا تو دیکھ۔

عبدالوکیل صاحب کی پینشن اچھی خاصی تھی سو گھر کا کاروبار چلتا رہا' شروع میں ایک بار تبریز نے یقیناً اماں سے چھپ کر کچھ پیسے بھجوائے تھے لیکن زیمل نے لوٹا دیے تھے۔ تب سے ایک پائی وہاں سے نہیں آئی تھی۔ الحمدللہ کھانا پینا' بچوں کا اسکول و ٹیوشن سب کچھ اچھی طرح سے چل رہا تھا۔ اللہ پاک ایک در بند کرتا ہے تو ستر کھول دیتا ہے۔ وہ بھوکا جگاتا ضرور ہے مگر بھوکا سلاتا نہیں ہے۔

شام کا وقت تھا اتفاق سے امتل بھی آئی ہوئی تھی سارے بچے آنگن میں کھیل رہے تھے۔ سطوت اپنے کمرے میں بچیوں کی گڑیا کے کپڑے سلائی کر رہی تھیں۔ امتل کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی آج اس کے شوہر کو بھی آنا تھا اس لیے اسپیشل تیاری کر رہی تھی۔ زیمل تخت پر بیٹھی نمل کی فراک پر کڑھائی کر رہی تھی۔ پاس ہی ننھا عارب کاٹ میں لیٹا ہوا تھا۔ اب تو ماشاءاللہ وہ سب کو پہچاننے لگا تھا۔

''زیمل چائے پیتی ہے؟'' امتل نے کچن سے آواز لگائی۔

''ضرور آپی' شام والی چائے تو عارب کو تیار کرنے میں ٹھنڈی ہوگئی تھی۔'' زیمل نے کہا اور دوبارہ سے کڑھائی میں مصروف ہوگئی۔ اب وہ خود کو بالکل مطمئن رکھنے لگی تھی۔ ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اندر جانے کیسا لاوا پک رہا تھا۔ بہ ظاہر کوئی بھی یہ جاننے سے قاصر تھا۔ اچانک بیرونی دروازے کی گھنٹی بجی۔

''مما پاپا آ گئے ہوں گے۔'' امتل کا بیٹا ارمغان کہتا ہوا گیٹ کی جانب بھاگا۔

''مما پاپا نہیں ہیں' کوئی انکل ہیں۔'' ارمغان نے وہیں سے کہا۔ آواز پر سب کی توجہ دروازے کی جانب مرکوز ہوئی۔ زیمل نے نگاہ اٹھائی تو حیرت اور غیر یقینی سے آنے والے کو دیکھا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام!'' وہ خواب سے جاگی۔

''کیسی ہو زیمل؟'' بے ساختہ زیمل نے قہقہہ لگایا' تبریز کو غور سے دیکھا کتنا کمزور ہوگیا تھا وہ۔ بکھرے بال' بڑھی ہوئی شیو اور تھکا ہوا سا۔

''آٹھ ماہ پہلے جیسی تھی اب اس سے کہیں بہتر ہوں۔'' لہجہ تلخ ہوا۔

''زیمل..... آئی ایم سوسوری..... میں غلطی پر تھا۔ شاید جلد بازی میں بہت کچھ غلط ہوگیا۔ میں نادم ہوں' پتا نہیں کیا ہوگیا تھا۔ گزشتہ آٹھ ماہ سے مسلسل پریشان اور ناکامی کا منہ دیکھ رہا ہوں۔ سلوی طلاق لے کر چلی گئی۔ اماں بیمار ہوگئیں۔ میں ٹوٹ گیا ہوں زیمل' مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ اپنی بچیوں کی ضرورت ہے آٹھ ماہ میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ میں نے اپنی جنت کو خود دوزخ بنالیا ہے۔ پلیز زیمل گزشتہ باتوں کو بھول جاؤ' میرے ساتھ گھر چلو..... اماں بھی تمہاری منتظر ہیں' بچیوں کے لیے تڑپ رہی ہیں۔ انہوں نے مجھے بھیجا ہے۔'' زیمل جو خاموشی سے تبریز کی باتیں سن رہی تھی۔ شاید ایک بیوی ہونے کی حیثیت سے تمام تر زیادتیاں برداشت کر کے اس کے دل میں تبریز کے لیے نرم جذبات نیند سے بیدار ہونے لگے تھے لیکن وہ آخری جملے پر چونکی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔

''مسٹر تبریز پہلے اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کریں۔ اماں کے نام کی چھڑی پکڑ کر قدم قدم کب تک چلنا سیکھتے رہیں گے آپ؟ میں نے پہلے بھی کہا تھا اور آج بھی کہہ رہی ہوں ماں جیسی عظیم ہستی کا نعم البدل نہیں مل سکتا۔ اس کی عزت کریں' اس کے لیے جان قربان

Digitized by Google

کردیں ان کا حکم مانیں اپنی جنت کو ناراض مت کریں ان کے سارے حقوق پورے کریں نافرمانی نہ کریں لیکن..... لیکن ایک اپاہج انسان کی طرح ماں کا کاندھا پکڑ کر یا نابینا انسان کی طرح ماں کا ہاتھ پکڑ کر جینا چھوڑ دیں..... ہر رشتے کی اہمیت اور ضرورت کا خیال رکھیں۔ زندگی میں میانہ روی اور اعتدال قائم کریں لیکن آج بھی آپ نہیں بدلے حالات نے آپ کو توڑ دیا جھکا دیا مگر..... آپ آج بھی وہی کہہ رہے ہیں تبریز..... زندگی ایسے نہیں گزاری جاتی پانچ چھ سالہ رفاقت کو پل میں بیگانہ کردیا اور آٹھ ماہ میں گھبرا کر لوٹ آئے۔ یہ زندگی کے طور طریقے نہیں ہوتے آپ کو اس وقت بھی احساس نہیں ہوا کہ میں درد میں تڑپ رہی تھی اور آپ کے گھر میں شادیانے بج رہے تھے۔ یہ کیسا رشتہ ہے تبریز خونی رشتے ایسے ہوتے ہیں؟ ان کے دل اتنے پتھر ہوجاتے ہیں..... آپ کی اور آپ کی اماں کی بے صبری اور ناامیدی اور میرے صبر اور اللہ پاک سے گڑگڑا کر بھیک مانگنے پر مجھے انعام دیا ہے تبریز۔ یہ میرا بیٹا عارب ہے..... یہ میری بیٹی نہیں ہے یہ بھی اللہ پاک کا کرم ہوا کہ اس نے اپنی قدرت دکھائی اس نے دکھادیا کہ تم انسان چاہے زمین پر نعوذ باللہ خدا بن جاؤ مگر میری پکڑ سے نہیں بچ سکتے..... دیکھو یہ انعام مجھے ملا ہے۔" زیمل نے ننھے عارب کی طرف اشارہ کیا تو تبریز اچھل پڑا۔

"یہ.....! یہ ہمارا بیٹا.....! ہمارا بیٹا ہے واقعی؟" وہ دیوانہ وار بیٹے کی جانب بڑھا اور اسے چومنے لگا۔ اس بات سے قطع نظر کہ زیمل اسے کتنا ذلیل کرچکی ہے۔ تبریز بے یقینی کی کیفیت میں گڈے جیسے عارب کو پیار کررہا تھا۔

"زیمل پلیز..... گھر چلو..... مجھے ایمل نمل اور عارب کو لے کر اپنے گھر جانا ہے..... تمہارا گھر..... میرا گھر میری اماں کا گھر۔" وہ جذبات میں بہنے لگا۔

"واہ بھئی واہ..... ماشاءاللہ۔" زیمل نے تالی بجائی اور طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ ایمل اور نمل جن پر آپ کی اماں اور آپ کی عنایات آج برس رہی ہیں پہلے کہاں جا سوئی تھیں؟ آپ کو یاد ہوگا تبریز ایک مجبور لاچار اور بے بس عورت نے کہا تھا کہ آپ اپنے ہاتھوں سے اپنی رحمت کو گھر سے نکال رہے ہیں۔ تو اب پچھتا کیوں رہے ہیں۔ مجھے اس گھر میں نہیں جانا..... میں یہاں مطمئن ہوں بچیاں بھی اور میں بھی..... وہ گھر آپ کو اور آپ کی والدہ کو مبارک ہو تبریز۔ آپ کیا سمجھتے ہیں بیوی صرف شوہر کے اشاروں پر چلنے کے لیے ہوتی ہے شوہر کہے تو جاگے شوہر کی مرضی ہو تو سو جائے شوہر کی مرضی سے جیئے لیکن مزے کی بات تو یہ ہے کہ شوہر بیچارہ خود کسی کے اشاروں پر ناچنے والا روبوٹ ہے نہ خود اعتمادی ہے نہ ہی فیصلہ کرنے کی ہمت لیکن میں نے گزشتہ آٹھ ماہ میں بہت کچھ سیکھ لیا ہے کس طرح جینا ہے مجھے اچھی طرح سے سمجھ میں آ گیا ہے۔ بچیاں آپ کے بغیر رہنے کی عادی ہوگئی ہیں۔ ایک ماں کتنی بہادر ہوسکتی ہے کتنی پراعتماد یہ آپ کو وقت بتلائے گا۔ ان شاءاللہ مجھے آپ کے ساتھ ہرگز اس گھر میں نہیں جانا جایئے میری طرف سے اجازت ہے تیسری شادی رچایئے..... شاید آپ کو سکون مل جائے۔"

"زیمل..... تم حد سے بڑھ رہی ہو..... بہت بولنے لگی ہو تم....." تبریز کو غصہ آ گیا۔

"وقت اور حالات انسان میں بہت سی تبدیلیاں لے آتے ہیں زندگی میں سب سے بڑا اور سخت ترین استاد وقت ہوتا ہے۔ جو بڑی بے رحمی سے سزا بھی دیتا ہے زخم بھی لگاتا ہے اور پھر اس زخم پر مرہم بھی لگاتا ہے۔ آزمائش اور بڑے بڑے امتحانات بھی لیتا ہے اور دکھ اور آزمائشوں کے سمندر سے گزرنے کے لیے راستہ بھی بناتا ہے۔ امتحانات میں کامیابی بھی دیتا ہے اور گزشتہ وقت نے میرے ساتھ یہی کچھ کیا ہے۔ مجھے بولنا بھی آ گیا ہے اور دفاع کرنا بھی۔ حالات سے نپٹنا

Digitized by Google

بھی آ گیا ہے اور جواب دینا بھی آ گیا ہے۔ بہ ظاہر میں کمزور لگتی ہوں تبریز لیکن میں چٹان سے زیادہ سخت اور طاقتور بن گئی ہوں۔ یہ طاقت مجھے میرے رب نے دی ہے..... میرے صبر اور حوصلے کا انعام۔ آپ کو جو ملا وہ آپ کا انعام ہے کیونکہ وہی ہے جو صحیح فیصلے کرنے والا ہے۔"

"زیمل..... میں دیکھ لوں گا تم کو..... دماغ خراب ہو رہا ہے تمہارا..... یہ بچے میرے ہیں۔" وہ گرجا۔

"ہاہاہا....." وہ زور سے ہنس دی۔

"جی جی آپ ہی کے بچے ہیں جناب..... آٹھ ماہ پہلے بھی آپ کے ہی تھے اور آج بھی آپ کے ہی ہیں..... میں نے کب انکار کیا ہے لیکن یہ مت بھولیں کہ میں ان کی ماں ہوں۔ آپ جا سکتے ہیں۔" زیمل کا اطمینان قابل دید تھا۔ کچن کے دروازے پر احتل اور کمرے کے اندر بچوں کو لے کر سطوت دم سادھے چپ چاپ سارا منظر دیکھ رہی تھیں' درمیان میں ایک لفظ نہیں کہا کیونکہ میاں بیوی کا معاملہ تھا لیکن حیرت زدہ دونوں تھیں کہ زیمل آج کتنا کچھ کہہ رہی تھی۔ اتنے دن کا غبار اندر ہی اندر مچلنے والا طوفان لاوا بن کر آج بہہ نکلا تھا۔

"میں جا رہا ہوں زیمل..... تم کو خود ہی احساس ہوگا۔" تبریز غصے سے پلٹا اور اس پر زہریلی نظر ڈال کر دو قدم آگے بڑھائے۔

"مسٹر تبریز....." زیمل کی تیز اور پاٹ دار آواز پر اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔

"مسٹر تبریز..... ایک اہم اور آخری بات تو سنتے جائیے۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"اب کیا کہنا ہے؟" وہ پلٹا اور غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک آخری فیصلہ..... تو آپ نے سنا نہیں..... یہ..... میرا ذاتی فیصلہ ہے' کسی قسم کی مدد کے بغیر..... کسی کا گھٹنا یا انگلی پکڑے بغیر کیا جانے والا میرا آخری فیصلہ..... جس کا حق صرف اور صرف مجھے ہے اور میں وہ حق استعمال کرنے کا حق رکھتی ہوں۔ آپ کے گھر میری طرف سے کیے گئے فیصلے کی رسید شاید پہنچ گئی ہو..... اس لیے جلد از جلد مجھے خلع دے کر آزاد کر دیں۔"

"کیا.....!" تبریز ایسے اچھلا جیسے بچھو نے ڈنگ مار دیا ہو۔

"جی..... اب آپ جا سکتے ہیں۔" تبریز نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔ واپسی کے راستے تو بند ہو چکے تھے' اب کچھ کہنا فضول تھا۔ وقت گزر چکا تھا۔ وقت پر نا سمجھی اور جلد بازی میں کیے گئے فیصلے اکثر پچھتاوں کا باعث بنتے ہیں اور یہ پچھتاوے عمر بھر کچوکے لگاتے ہیں۔

تبریز سر جھکا کر تھکے تھکے قدموں سے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ سطوت اور احتل کے لیے یہ بات نئی نہ تھی' ان کو اس بات کا علم تھا۔ سب لوگ زیمل کی طرف بڑھے' زیمل کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی' یہ فیصلہ کرنا اتنا آسان نہ تھا مگر کچھ فیصلے عمر بھر کی اذیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے بادل ناخواستہ کرنا پڑتے ہیں اور زیمل کا فیصلہ بھی ایسا ہی تھا۔

"اماں....." زیمل سطوت سے لپٹ کر بری طرح رو دی' بچیاں بھی آ گئی تھیں وہ بھی زیمل سے لپٹ گئیں۔

ماحول مکدر ہو گیا۔ آج..... آج آخری بار زیمل سارے آنسو بہا دینا چاہتی تھی' نہ جانے زندگی کے اس کھیل پر لگائی جانے والی بازی وہ جیتی تھی یا ہاری تھی مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ آخری پتہ پھینک کر بازی پلٹ چکی تھی۔

www.naeyufaq.com

Digitized by Google

قسط نمبر 25

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ایشان جاہ کو امید نہیں ہوتی کہ ماورا یحییٰ اس کے ساتھ اس طرح سے پیش آئے گی۔ جب ہی وہ گال پر ہاتھ رکھے دیکھتا رہ جاتا ہے۔ ماورا اسے حیران چھوڑ کر گھر کی طرف بڑھ جاتی ہے جبکہ ایشان جاہ اس کے پیچھے آتا معافی طلب کرتا ہے اور ساتھ ہی معافی نہ ملنے پر وہ دھمکی دیتا ہے کہ وہ گھر کے باہر بیٹھا رہے گا۔ فائزہ کی دور پرے کی کزن کا انتقال ہوگیا تھا۔ فائزہ اپنے ساتھ ندا کو بھی لے جانا چاہتی ہے پر چودھری فیروز انکار کردیتے ہیں تب فائزہ چودھری حشمت سے اجازت لیتی ہے۔ جو چودھری حشمت آخری اجازت کے طور پر دے دیتے ہیں تب عیشال جہانگیر بھی ساتھ جانے کی بات کرتی ہے۔ سبحان آفندی فریال سے عیشال کے حوالے سے بات کرتا ہے۔ اس کے نام جو زمین ہوتی ہے وہ بھی عیشال کے نام کردیتا ہے اور فریال کو اس کا خیال رکھنے کا کہتا ہے اس کی باتیں عیشال بھی سن لیتی ہے۔ ایشان جاہ ماورا یحییٰ کے گھر کے سامنے دھرنا دے کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس بات کی خبر انوشا کو بھی ہوجاتی ہے اور وہ یاسر کے ساتھ ماورا کے پاس آجاتی ہے۔ شائیہ اس چھوٹے سے گھر میں آکر پچھتاتی ہے یہاں نہ کوئی ملازم تھا اور نہ ہی کوئی آسائش جس سے وہ فائدہ اٹھا سکتی جبکہ بھوک سے بھی اس کا برا حال ہوتا ہے۔ ایسے میں شاہ زر شمعون اسے خود کھانا پکانے کا مشورہ دیتا ہے اور وہ راضی ہوجاتی ہے شاہ زر شمعون بھی اس کی مدد کرتا ہے۔ چودھری جہانگیر زمین کا خراب موڈ دیکھ کر وجہ دریافت کرتے ہیں جس پر وہ نکاح میں دیری کی وجہ بتاتی ہے۔ چودھری جہانگیر اسی وقت حویلی فون کرتے چودھری حشمت سے بات کرتے ہیں۔ ساتھ ہی انہیں منزہ کی موت کا بھی بتاتے ہیں مالک مکان آکر ماورا یحییٰ سے گھر خالی کرنے کی بات کرتا ہے۔ جس پر ایشان جاہ گھر کی منہ مانگی قیمت دینے کی بات کرتا ہے پر مالک مکان راضی نہیں ہوتا ایسے میں ایشان جاہ گاڑی سے اپنا پستول نکال لاتا ہے اور مالک مکان پر تان دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

محلے کی اس فلم کو دیکھنے کے لیے جیسے ہر کوئی اپنے اپنے دروازے اور کھڑکی پر موجود تھا۔ گھر اور گھر کے باہر ایک مجمع تھا۔ چند ایک ہی متفکر تھے ورنہ باقی سب کے لیے تو یہ ایک تفریحی منظر تھا۔ بھرے مجمع میں ماورا کا ایشان جاہ کی پسٹل کے سامنے آن موجود ہونے پر سب کی دلچسپی بڑھ گئی تھی۔ انوشا بد حواسی سے یاسر کو دیکھ رہی تھی۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے تھے ان کی شادی کو اس سب کے بعد جانے وہ کیا رائے رکھتا ان کے بارے میں۔ پسٹل کی نال کے سامنے ماورا کو دیکھ کر ایشان جاہ کے اعصاب بھی جیسے ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

''ماں کے سامنے دروازے تک نہ آنے والیاں ماں کے جاتے ہی کیسے کھل کر سامنے آئی ہیں دیکھو ذرا۔'' مالک مکان کی بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

Digitized by Google

''ہٹو سامنے سے ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔''
''دیکھا ناں' آپ سب نے کیسی دادا گیری کر رہا ہے یہ۔'' مالک مکان بھی ماورا کے پیچھے چھپتا بولا۔
''واپس لوٹ جاؤ..... تم نے بہت کر لیا تماشا۔ اپنا نہیں تو کم از کم میرا ہی خیال کر لو۔'' وہ سرد لہجے میں اس کے مقابل کھڑی تھی۔ ایشان جاہ تلملا کر رہ گیا۔ پسٹل والا ہاتھ خود بخود نیچے ہوتا چلا گیا تھا۔
''جائیں آپ سب بھی' ختم ہو گیا تماشا۔'' بھرے مجمع پر سخت سی نگاہ ڈال کر ماورا نے سب کو جانے کا کہا تو بہت سے لوگوں کا منہ بن گیا۔
''اندر چلو' تم دونوں۔'' یاسر کو ہی خیال آیا کہ انہیں یوں مجمع سے نکال کر گھر کی راہ دکھائے۔
''صبح آ کر آپ گھر کی چابی لے لیجیے گا۔ اب جائیں آپ بھی۔'' مالک مکان کی آمد نے جو نیا تماشا کیا تھا اس پر انوشا تاؤ کھاتی اسے سخت نظروں سے دیکھتی ماورا کا ہاتھ پکڑ کر اندر جانے لگی تھی۔
''معاف کر دو بھائی اور جاؤ تم بھی یہاں سے۔ جتنا ذلیل کروانا تھا کروا لیا تم نے۔'' انوشا نے جھنجلا کر ایشان جاہ کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ خاموشی سے انہیں اندر جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا ماورا کی قہر برساتی نظریں اس سے ہو کر پلٹ گئی تھیں۔ ان کے اندر داخل ہونے پر یاسر نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر لیا تھا۔ مجمع بھی سرگوشیاں کرتا اب چھٹنے لگا تھا۔ مالک مکان نے بھی بات آئی گئی ہونے' جان کی سلامتی اور صبح گھر کی چابی ملنے کی نوید پر منظر سے نو دو گیارہ ہونے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اب ان کی دہلیز کے آگے ایشان جاہ تنہا کھڑا تھا۔

''کون ہے یہ ایشان جاہ اور کیوں کر رہا ہے وہ یہ سب؟ شادی کے موقع پر تو تمہاری ماں نے اسے بیٹے کی طرح ساتھ چپکا رکھا تھا اور اب وہی بیٹا دنیا والوں کے سامنے تماشا لگائے بیٹھا ہے۔ رشتا کیا ہے تم لوگوں کا اس سے؟'' اندر آ کر ماورا تو منزہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دوسرے کمرے میں یاسر' انوشا سے الجھ رہا تھا۔ انوشا نے سچائی سے آگاہ کیا تو وہ مزید برہم ہوا۔
''آفرین ہے تم لوگوں پر' جن لوگوں سے جان' پہچان محض اتنی تھی کہ وہ مختلف ذرائع سے تمہاری بہن کو ڈراتے' دھمکاتے رہے' تم لوگ اسی کو گھر میں لیے بیٹھے رہے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کن لفظوں میں اپنی حیرت کا اظہار کروں۔'' یاسر کا دل چاہ رہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔ اس نے تو شرافت دیکھ کر شادی کی تھی کہ مجبور عورتیں ہیں لیکن جو تماشا ہوا اور ایشان جاہ کے بیک گراؤنڈ کو جان کر اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے اور کیا کرے۔
''یہ بات تو ہمیں بھی آج تک سمجھ نہیں آئی کہ اماں ایشان جاہ کے لیے نرم کیوں پڑیں۔'' انوشا مجرمانہ لہجہ لیے بیٹھی تھی۔ سالوں کی بنائی عزت کیسے تنکا تنکا ہو کر بکھر گئی تھی۔ منزہ زندہ ہوتیں تو یہ سب دیکھ کر ویسے ہی مر جاتیں۔
''اب کیا کرنا ہے۔ مالک مکان کو تم نے صبح چابی دینے کی ہامی بھری ہے۔ کیا کرو گی اب؟'' یاسر جاننا چاہتا تھا کہ آخر اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔
''کرنا کیا ہے یاسر' ایسی سچویشن میں بہن کو اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتی۔ آپ اماں کو فون کر دیجیے ہم رات یہیں رکیں گے اور صبح گھر کی غیر ضروری چیزیں بیچ کر ماورا کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔'' انوشا نے اسے اپنے پلان سے آگاہ کیا تو اس کے چہرے پر تردد کی لکیریں واضح ہوئیں۔
''تم ٹھیک کہہ رہی ہو انوشا کہ بہن کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتیں۔ میں نے بھی شروع سے تمہاری بات کی حمایت کی تھی لیکن سوچو کہ ہمارے چھوٹے سے گھر میں اتنی گنجائش کہاں ہے کہ ہم ماورا کا کوئی مستقل ٹھکانہ کر سکیں۔ اوپر والا اکلوتا

Digitized by Google

کمرہ بھائی کا ہے اسے تو تم بھول ہی جاؤ ایک ہمارا اور دوسرا اماں کا کمرہ ہے۔ آج کل سکھر سے آپا بھی آئی ہوئی ہیں ایسے میں مادرا کی جگہ کہاں بنے گی۔ دیکھو میری نیت پر شک نہ کرو میں گنجائش کی بات کر رہا ہوں۔" انوشا اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی تو یاسر جلدی سے صفائی دینے لگا۔

"گھر میں اسٹور روم بھی تو ہے اور خاصا بڑا بھی ہے آپ اسٹور روم میں شفٹ ہو جایئے گا۔"

"پاگل ہو گئی ہو اماں نہ سہی لیکن آپا ایشو بنائیں گی اس بات کو لے کر ایک دو دن کی بات ہوتی تو شاید میں انہیں ہینڈل کر لیتا مادرا تو ہمارے ساتھ غیر معینہ مدت کے لیے جا رہی ہے۔" انوشا کے حل نکالنے پر یاسر نے توجیہہ پیش کی تو انوشا چڑ گئی۔

"اگر آپ کے گھر میں میری یا میری بہن کے لیے جگہ نہیں ہے تو آپ مجھے یہیں چھوڑ کر چلے جائیں جب تک مادرا کا کوئی مستقل ٹھکانا نہیں ہو جاتا تب تک میں اس کے ساتھ رہوں گی۔ کم از کم زمانے کی ٹھوکریں کھانے کے لیے اپنی بہن کو اکیلا چھوڑ کر سسرال میں گرہستی تو نہیں کر سکوں گی۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے انوشا یاسر بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم بلاوجہ غصہ کر کے اپنے رشتے کو خراب نہ کرو۔" ان دونوں کی تکرار سنتی مادرا سے زیادہ دیر برداشت نہیں ہوا تو وہ اندر آ گئی۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" یہ جان کر کہ مادرا نے سب کچھ سن لیا ہے یاسر خفیف سا ہوا۔

"آپ کو کوئی صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے یاسر بھائی۔ آپ کی مجبوری اپنی جگہ۔ جانا تو میں بھی نہیں چاہتی تھی لیکن اب یہاں رہنا بھی کسی طور مناسب نہیں رہا۔ ہو سکے تو کچھ دنوں کے لیے اپنے اسٹور میں مجھے جگہ دے دیجیے میں جلد ہی اپنا کوئی مستقل ٹھکانہ کر لوں گی۔" اس کے سنجیدہ لب و لہجے پر یاسر کچھ شرمندہ سا ہوا۔

"کچھ دن کیوں مستقل رہو۔"

"شکریہ اور ایک ریکوسٹ ہے انوشا نے جو کچھ کہا اسے درگزر کر دیجیے گا مجھ سے بہت محبت کرتی ہے اس لیے کچھ جذباتی ہو گئی۔ اس کی طرف سے دل برا مت کیجیے گا۔" وہ جاتے ہوئے انوشا کا کندھا دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر گئی تو یاسر پھیکے سے مسکرا دیا تھا۔

زندگی میں وہ دن بھی آئے گا کہ کچی پکی کھچڑی پر گزارا کرنا پڑے گا اور وہی کھانا اسے کسی نعمت سے کم نہیں لگے گا' ایسا تو شاید وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی لیکن سوچ سے بھی دور یہ سب وقوع پذیر ہو گیا تھا۔

"بن گئی کھچڑی۔" وہ جب ڈونگے میں کھچڑی اور پلیٹیں لیے پرجوش نعرہ لگاتی داخل ہوئی تو وہ اس کی شکل دیکھ کر ہنس دیا۔

"کیا ہوا؟" اس کی ہنسی پر وہ برا مان گئی۔ اسے لگا کہ وہ اس کی فرماں برداری کا مذاق اڑا رہا ہے۔

"خود دیکھ لو۔" بنا کچھ کہے ہاتھ میں موجود سیل فون کا کیمرا کھول کر پلک جھپکتے اس کی تصویر کھینچ کر سیل فون کی اسکرین اس کے سامنے کر دی۔ وہ چونک کر اپنی ہی تصویر دیکھنے لگی اور چہرے پر جگہ جگہ کالک لگی دیکھ کر منہ بسور گئی۔

"اس پر آسائش گھر اور اسپیشل کوکنگ رینج میں ایسی شکل کوئی اچنبھے کی بات تو نہیں۔" وہ تصویر ڈیلیٹ کرنے والی تھی لیکن اس سے پہلے ہی وہ سیل فون اس کے ہاتھ سے جھپٹ چکا تھا۔

"ایسی نادر و نایاب چیزیں ڈیلیٹ کرنے کے لیے تھوڑی ہوتی ہیں۔" وہ یقیناً مذاق اڑا رہا تھا۔

"اپنے کمرے میں بڑا سا فریم کروا کر لگا لیجیے گا جب کبھی اپنی جیت کا جشن منانے کا موڈ ہو دیکھ کر آپ کی انا کو

Digitized by Google

تسکین مل جائے گی اور پھر اس شمالی علاقہ جات کی سیاحت کا کچھ تو یادگار ہو۔" فرش پر اطمینان سے بیٹھ کر ٹرے کو بیچ میں رکھ کر وہ اس کے آنے کا انتظار کیے بنا اپنی پلیٹ میں کھچڑی نکال رہی تھی۔ جسمانی طور پر نڈھال ضرور تھی لیکن اس کی ہنسی نے جلتی پر تیل کا کام کر کے اسے بھڑکا دیا تھا۔

"گڈ آئیڈیا۔" جلانے کا موقع ہو اور وہ اسے گنوا دے' ایسا تو کسی طور ممکن نہیں تھا۔ سر ہلا کر وہ فوٹو جانے کون سے فولڈر میں سیو کر رہا تھا کہ اسے سیل فون رکھ کر شاہی دسترخوان تک آنے میں چند سیکنڈ لگ گئے تھے۔ تب تک وہ کھانا شروع بھی کر چکی تھی۔ چاول کچھ کچے رہ گئے تھے اور نمک بھی تھوڑا کم تھا لیکن بھوک سے بے حال وجود کو یہ بھی غنیمت لگ رہا تھا۔

"اچھی بیویاں' شوہر سے پہلے کھانا' پینا شروع نہیں کرتیں۔ تمہیں اتنا بھی نہیں پتا۔" وہ اسے جتانا نہیں بھولا۔

"اچھی بیویوں کے' اچھے شوہر باہر سے پیٹ بھر کر بیوی کو گھر میں بھوکا نہیں مارتے۔ آپ کو اتنا بھی پتا نہیں۔" زبان لڑانے پر تو اسے کوئی ایوارڈ بھی دے دیتا تو اس کی صلاحیتوں کے لیے کم تھا۔

"یوں لگ رہا ہے' دال اور چاول ابال کر لے آئی ہو' نہ ہلدی کا پتا ہے' نہ مرچوں کا' یہ کہاں سے کھچڑی لگ رہی ہے۔" وہ سفید رنگ والی ڈش کو دیکھ کر حیرانگی کا اظہار کرتے اپنی پلیٹ میں تھوڑا سا نکالنے لگا۔ وہ ان سنی کیے کھاتی رہی کہ اس وقت تو اس کی آواز بھی زہر لگ رہی تھی۔ کئی گھنٹوں سے خالی پیٹ چٹ پٹے اور مزیدار کھانے کو ترس رہا تھا اور وہ اس عجیب و غریب شکل والی کھچڑی کو کھانے پر مجبور تھی۔

"یہ چاول تو سارے کچے ہیں' کھانے لائق کب ہیں؟" وہ ایک چمچہ لے کر ہی پلیٹ پیچھے کر گیا۔

"تو مت کھائیں' جیب میں پیسے ہیں' تالے کی چابی آپ کے پاس ہے' جائیں جا کے باہر سے من پسند کھانا کھا کر آ جائیں۔ اس ناانصافی پر کون آپ کا گریبان پکڑنے والا ہے یہاں۔ میں تو ویسے بھی لاوارث ہوں۔ میرے ماں' باپ نے تو ویسے بھی آپ کے ساتھ باندھ کر اپنے سر سے بلا اتار لی ہے۔ کئی گھنٹوں سے آپ کے رحم و کرم پر پڑی ہوں' مجال ہے جو کسی نے پلٹ کر میری خبر لی ہو۔ آپ نے انہیں جو جھوٹی سچی کہانی سنائی وہ اس پر یقین کر کے اس تردد میں تھوڑی نہ پڑیں گے کہ میں شمالی علاقہ جات کے مضافاتی علاقے میں نہیں بلکہ اس بھاڑ میں زندہ رہنے کے لیے آپ کی غلامی کرنے پر مجبور ہوں۔ وہ سارے سبق سکھایئے' جس کے لیے آپ مجھے یہاں لے کر آئے ہیں۔ آپ تو وہ مہمان ہستی ہیں کہ مجھے یہاں دفن کر کے حویلی جا کر سب کو فرضی کہانی سنائیں گے تب بھی کوئی نہیں پوچھنے والا آپ کو۔ آپ آرام سے اپنا ٹاسک کمپلیٹ کریں۔" پیٹ بھرنے کی خاطر آخری نوالہ نگلتے اس نے اس انداز میں اور ایسی سرد مہری سے کہا کہ شاہ زر شمعون خاموشی سے اس کی شکل دیکھتا رہا۔ طویل گھنٹے بھوک سے لڑنے کے بعد ساری مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔ غرور و تکبر کہیں منہ چھپا کے بھاگ گئے تھے لیکن ایک زبان تھی جس کی کڑواہٹ میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اپنی پلیٹ اٹھا کر اب وہ صحن میں لگے نل کے نیچے رکھے اسے دھو رہی تھی۔ بظاہر ہتھیار ڈال گئی تھی لیکن اسے احساس ہو گیا کہ اس کے اندر کتنا زہر بن رہا ہے۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

گاڑی مری کی حدود میں داخل ہو گئی تھی۔ چھ گھنٹے کی طویل مسافت کے بعد سب کا خیال تھا کہ پہلے کالیج کا رخ کیا جائے' سامان رکھ کر پھر نکلا جائے لیکن راستے میں ہی فائزہ کو پیغام موصول ہو گیا تھا کہ تدفین کا دورانیہ کم کر کے اب مغرب کا وقت مختص کر دیا گیا ہے۔ کالیج جانے کی بجائے سمہان آفندی نے فائزہ کے عزیز کے گھر کا راستہ ہی لیا۔ مطلوبہ مقام آیا تو وہ سب گاڑی سے اتر گئے تھے۔ وہاں ہر کوئی غم زدہ اپنی اپنی جگہ افسوس کر رہا تھا۔ فائزہ بھی

Digitized by Google

سب سے مل رہی تھیں۔ عیشال' ندا کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھ گئی تھی۔
جنازہ اٹھ رہا تھا۔ کسی کے زندگی کے دن پورے ہو گئے تھے اور وہ اپنی زندگی کے کچھ دن اپنے محرم کے ساتھ جینے کی خواہش میں یہاں تک چلی آئی تھی۔ وہ اندر سے فکر مند ضرور تھی لیکن اپنے لیے نہیں سمہان کے لیے۔ اپنی ساری زمین' جائیداد اس کے نام کر کے فریال سے وعدہ لے کر وہ مطمئن ہو گیا تھا کہ اسے کچھ بھی ہو تب بھی عیشال جہانگیر کو کسی شے کی کمی نہیں ہوگی۔ اس کا خیال رکھنے والے اس کے اپنے والدین ہوں گے لیکن وہ کب جانتا تھا کہ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو وہ کیسے زندہ رہتی۔ وہ اکیلی اس بھری دنیا میں جی کر کرتی بھی تو کیا؟ اور کیونکر جیتی وہ ان ظالموں کے درمیان جو سمہان آفندی کو اس سے دور کر دیتے۔ جن ہاتھوں میں مارنے کا دم تھا' وہ ایک چھوڑ دو جانیں بھی تو لے سکتے تھے۔ ظلم ڈھانا تھا تو اسے بھی تو نظارہ کرنا تھا کہ وہ ظالم کہاں تک تھے۔ تدفین کے بعد لوگ لوٹ آئے تھے۔ کھانا لگ گیا تھا۔ وہ بے حس و حرکت اسی طرح بیٹھی رہی تو ندا نے اسے فائزہ کی طرف متوجہ کیا۔
''مما کہہ رہی ہیں کھانا کھالو پھر ہم دونوں سمہان کے ساتھ نکل جائیں گے۔ مما آج رکیں گی یہاں۔'' ندا نے فائزہ کا پیغام اسے دیا۔
''میں نہیں کھا پاؤں گی ندا آپی۔ مردے کو دفنائے ایک گھنٹا نہیں گزرتا اور لوگ جانے کس دل سے کھانے پینے لگتے ہیں' سچی میرا تو دل اس بے حسی پر دکھ سے پھٹنے لگتا ہے۔'' وہ دکھ سے گویا ہوئی۔
''ٹھیک کہہ رہی ہو' کچھ مردے ایسے بھی تو ہوتے ہیں جن کی قبر ہی گمشدہ ہوتی ہے۔ بندہ جا کر اس کی مٹی سے گلہ بھی نہیں کر سکتا کہ اکیلے کیوں چھوڑ گئے۔'' ندا کے درد میں ڈوبے جملے پر عیشال جہانگیر چونکی۔
''سمہان کو تو پتا ہوگا راحیل کی قبر کہاں ہے' وہی تو لے گیا تھا اسے..... آہ کتنا بدنصیب تھا کہ چار کندھے بھی اس کے جنازے کو نصیب نہ ہو سکے۔'' وہ سوچ کے رہ گئی۔ ساتھ ہی یہ عزم بھی کیا کہ سمہان سے پوچھ کر ندا کو راحیل کی آخری آرام گاہ کے بارے میں ضرور بتائے گی۔
''میں کل نہیں تو پرسوں لوٹ آؤں گی۔ ایک دوسرے کا خیال رکھنا تم سب۔'' وہ تینوں کا میچ جانے کے لیے گاڑی میں بیٹھ رہے تھے تب فائزہ نے انہیں ہدایت دی۔
''سمہان دھیان رکھنا بیٹا۔'' بچیوں کی ذمہ داری اور اکیلے پن کی وجہ سے فائزہ کچھ فکر مند سی نظر آ رہی تھیں۔
''آپ فکر نہ کریں تائی جان۔'' سمہان نے انہیں بے فکر رہنے کا کہا۔
''عیشال تمہیں ڈیزائنر کے پاس جانا تھا۔ چاہو تو تم اور ندا سمہان کے ساتھ چلی جانا یا پھر میرے لوٹ آنے کا انتظار کر لینا۔'' فائزہ کو یاد تھا کہ وہ کس کام سے ان کے ساتھ آئی تھی۔
''جی تائی جان۔ موڈ تو ہے صبح ڈیزائنر کے پاس جانے کا۔ جیسا بھی موڈ ہوگا' آپ کو انفارم کر کے نکلوں گی۔'' اس کے چہرے پر ایک سکون پھیلا گیا تھا۔ سمہان آفندی کے ساتھ ندا بھی اس کے پرسکون انداز کو دیکھ رہی تھی۔
گاڑی کا میچ کی طرف رواں دواں تھی۔ وہ ندا کے ساتھ پچھلی نشست پر ہی براجمان تھی۔ ندا نے کہا بھی تھا کہ وہ آگے بیٹھ جائے بھلے وہ تمام حقائق سے آگاہ ہو گئی تھی لیکن ندا بڑی تھی' وہ بے شرمی سے آگے نہیں بیٹھ سکتی تھی۔
''آگے بیٹھوں یا پیچھے' اس شخص سے میرا رشتہ کسی صورت کمزور نہیں ہوگا ندا آپی اور پیچھے بیٹھ کر موصوف پر زیادہ اچھی طرح نظر رکھ سکتی ہوں' وِنڈ اسکرین' بیک ویو مرر سے کس آتی جاتی لڑکی کو نظر بھر کے دیکھ رہے ہیں موصوف اس پر بھی نظر رکھنے اور کان کھینچنے میں آسانی ہو جائے گی۔'' ندا کے اصرار پر وہ کچھ اس بے ساختگی سے بول گئی کہ سمہان آفندی بے ساختہ مسکراہٹ چھپا گیا۔

Digitized by Google

''باز آجاؤ۔'' اس کی پُرشوق نظروں میں یہ پیغام بڑی اچھی طرح پڑھا جاسکتا تھا۔
''اچھی بات ہے رکھو نظر۔'' ندا بھی مسکرا کر باہر دیکھنے لگی۔
''شدید بھوک لگ رہی ہے۔'' عیشال نے کانچ پہنچ کر دہائی دی۔ حویلی کے گھٹے ہوئے ماحول سے نکل کر اسے بھوک' پیاس کا احساس ہوا' ورنہ تو جانے کب سے زہر مار کر رہی تھی۔ اعصاب بھی پُرسکون محسوس ہو رہے تھے۔
''آپ لوگ پہلے کھانا کھالیں پھر آرام کر لیجیے گا۔ میں کھانا لگواتا ہوں۔'' سمہان کے نمبر پر چودھری حشمت کی کال آگئی تھی۔ وہ دانستہ کاریڈور میں رک گیا اور کال سن کر واپس آیا تو عیشال کی بات پر کھانے کا کہا۔
''باہر جانے کی میری ہمت نہیں ہے سمہان' مجھے روم میں ہی کھانا منگوادو' تم اور عیشال بے شک ڈائننگ ہال میں کھالو۔'' ندا نے سستی سے کہا تو سمہان سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا کہ آیا اس کی کیا مرضی ہے۔
''نوکروں کی فوج اور میز کرسی پر بیٹھ کر کھاتے تو ساری عمر نکل گئی۔ اب یہاں آئی ہوں حویلی جیسا کچھ بھی کرنے کو دل نہیں' بے قاعدگی سے جینے' کھانے' پینے کو دل چاہ رہا ہے کم از کم یہاں میز پر حاضری یقینی بنانے کے لیے کسی کا خوف تو نہیں۔ چند دن ہیں ہمارے پاس کھل کے تو جی لیں۔ یہاں روم میں ہی کھانا منگوالو ہم تینوں ساتھ کھالیں گے۔'' اس کی لمبی سی تمہید پر ندا ڈھل گئی تو سمہان آفندی بھی گھورنے لگا۔
''توبہ ہے عیشال' چند دن ہوں تمہارے دشمنوں کے۔''
''پھر تو حویلی والوں کی خیر نہیں۔'' سمہان کی گھوری اور ندا کے ناصحانہ انداز پر وہ کھلکھلائی۔
''اس لڑکی پر جن کا سایہ ہوگیا ہے سمہان' جاتے ہوئے کسی پیر' فقیر سے دم کرواتے ہوئے جائیں گے یا پھر نکاح کی خوشی نے دماغ الٹ دیا ہے۔'' ندا نے سمہان سے کہا۔
''دوسری بات میں زیادہ دم ہے۔'' وہ شرارت سے مسکرائی۔ اس کا یہ نیا ہی روپ تھا' ہنستا' مسکراتا چہرہ' بے فکری کی ہنسی۔ حویلی میں تو اس کے لب جیسے مسکرانا ہی بھول جاتے تھے' ہر گھڑی پلکیں نم ہی رہتی تھیں۔
''آپ لوگ فریش ہو جائیں' میں ملازم سے کھانے کا کہہ دیتا ہوں۔'' اس کے پُرسکون روپ کو نظروں میں بھرتے وہ پلٹ گیا تھا۔

''یہ ایشان کہاں ہے؟ آج میں گھر پر ہوں تو وہ نظر نہیں آرہا۔'' چودھری جہانگیر لاؤنج میں آبیٹھے جہاں صہبا پہلے سے براجمان تھیں۔
''کہہ تو رہا تھا دوستوں کی طرف جارہا ہوں' یونی بھی نہیں جارہا کچھ دنوں سے۔ جانے کیا ہوا ہے اسے' حواسوں میں ہی نہیں لگتا۔ آپ بات کریں ناں اس سے۔'' صہبا کو بھی یاد آگیا کہ انہیں اس کے سلسلے میں بات کرنا تھی۔
''بات ہوگئی ہے ہماری' ذہنی طور پر تھوڑا پریشان ہے' ٹھیک ہو جائے گا۔'' انداز پُرسوچ تھا۔
''ڈسٹرب ہے لیکن کیوں؟ کیا بات ہوگئی' بتایا اس نے آپ کو۔'' وہ فکرمند ہوئیں۔
''تم ماورا کے گھر گئی تھیں۔ کیا باتیں ہوئی تھیں وہاں؟''
''یہ..... ماورا کے گھر کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟'' سوال گندم اور جواب چنا کے مصداق وہ ان کی شکل تکنے لگیں۔
''جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔'' لہجہ خشک تھا۔
''ہاں گئی تھی۔'' وہ تھوڑا خائف ہوئیں۔
''کیا باتیں ہوئی تھیں وہاں؟'' وہ ان کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ صہبا نے ہی منزہ کو مرنے سے قبل

Digitized by Google

دیکھا تھا۔
''بات کیا ہونا تھی۔ مجھے دیکھ کر ہی دونوں ماں' بیٹی چونک گئی تھیں اور تعارف کرانے کے بعد تو مانو ان کے چہرے سے رنگ ہی اڑ گیا تھا۔ ماں کی تو ہمت ہی نہیں ہوئی میرے سامنے بولنے کی۔ بیٹی ہی پٹر پٹر کرتی رہی تو میں نے بھی خوب سنائیں' ماں سے بس اتنا ہوا کہ اس نے مجھے واپس چلے جانے کا کہا لیکن آپ نے بتایا نہیں ان سب سے ایشان کی ڈسٹربنس کا کیا تعلق ہے؟'' جہانگیر کے چہرے کی کمبھیرتا بڑھ گئی تھی۔ تاثرات چھپانے میں تو انہیں کمال حاصل تھا۔ اس وقت بھی وہ ان کے تاثرات سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر پائی تھیں۔
''مادرا کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا اسی شب' جب تم ملنے گئی تھیں۔''
''اوہ.....!''
''اس سے قبل ایشان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ مادرا کے رشتے کے لیے ہمیں ان کے گھر لے کر جائے گا لیکن وہ محض باتیں تھیں' حقیقت ان ماں' بیٹی پر کھل گئی تھی پھر تم نے جا کر جو کیا اس کے بعد وہ چل بسی۔'' چودھری جہانگیر کی آواز دھیمی تھی۔
''یہ لو۔ اب یہ موت بھی ہم ماں بیٹے کے سر۔ ایسی موت پر کوئی پولیس کیس نہیں بنتا۔ کوئی انکوائری بیٹھ رہی ہے کیا؟'' صہبا کو تشویش ہوئی۔
''ایسی اموات پر واقعی کوئی پولیس کیس نہیں بنتا' نہ ہی انکوائری بیٹھتی ہے لیکن تم اور ایشان بیچ میں نہ ہوتے تو میں کیس بھی بناتا اور انکوائری بھی بٹھاتا۔'' انداز و لہجہ نافہم تھا۔
''آپ ایسا کیوں کرتے بھلا؟'' صہبا حیران ہوئیں۔
''تم سے کمرہ صاف کروانے کا کہا تھا' اس کا کیا ہوا؟'' ایک بار پھر وہی حالت تھی سوال کچھ' جواب کچھ۔
''جی کروا دیا تھا لیکن آپ نے بتایا ہی نہیں کون گیسٹ آ رہا ہے اور کہاں سے؟'' اتنے سالوں میں صہبا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ جو جواب وہ خود نہیں دیتے وہ دوبارہ پوچھنے پر بھی نہیں ملیں گے۔
''جلد ہی مادرا آئے گی یہاں اور ہمارے ساتھ رہے گی۔ یہ گیسٹ روم تو عارضی ہے' اس کا مستقل ٹھکانا تو کوئی اور کمرہ ہوگا..... تم خود روم دیکھ لینا کوئی کمی نہ رہے۔'' چودھری جہانگیر اپنی کہہ کر صہبا کو ہکا بکا چھوڑ گئے تھے۔
''مادرا آ رہی ہے یہاں.....! مستقل ٹھکانا؟'' وہ انہی الفاظ میں الجھ کے رہ گئی تھیں۔

موسم میں خنکی کافی حد تک بڑھ گئی تھی۔ اب تو شام بھی جلدی ڈھلنے لگی تھی۔ کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔ بھوک' پیاس' موسم ہر احساس کو نظر انداز کیے وہ مستقل مزاجی سے اس کے در پر ڈیرا جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ لوگوں کی نظریں' باتیں اتنا ہنگامہ کچھ بھی اس کے ارادے کو کمزور نہیں کر سکا تھا۔ فرش کی ٹھنڈک زیادہ محسوس ہونے لگی تو جوتے کی ٹھوکر سے راہ میں آتے پتھر کو اڑاتے وہ گاڑی کے اندر موجود جیکٹ نکال کر پہننے لگا۔ گاڑی کے بونٹ پر چڑھ کر بیٹھتے وہ نظریں دروازے پر ہی جمائے بیٹھا تھا۔ جانے یہ دروازہ کھلتا یا نہیں۔ اس کے جذبوں کو مادرا محض باتوں سے تشبیہ دے کر دھتکار گئی تھی اور وہ ایسا کرنے میں حق بجانب بھی تھی۔ اس نے کھیل ہی اتنا گندا کھیلا تھا کہ اب اس کے سچ پر بھی مادرا اعتبار کرنے والی نہیں تھی۔ اسے ہرانے کے لیے وہ اس حد تک چلا گیا تھا کہ منزہ کے جذبات تک سے کھیل گیا تھا اور وہ اس صدمے کو سہار نہیں پائی تھیں۔ ان کی موت بھلے لکھی جا چکی تھی لیکن اس کی شرمندگی کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ مادرا کی نفرت' سلگتا لہجہ جس میں اسے موردِ الزام ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ مادرا کا اکیلا پن اسے

Digitized by Google

کچوکے لگا رہا تھا اور انہی لمحوں میں اس پر کھلا تھا کہ یہ مقابلہ بازی تو اسے مات دے گئی ہے۔ اس سے جھوٹ موٹ کا رشتہ قائم کر کے اپنے ہجر میں اسے آٹھ آٹھ آنسو رلانے کا خیال رکھنے والا اس کا تھپڑ کھا کر اسی کے در کا بھکاری بن بیٹھا تھا۔ وہ حواسوں میں نہیں لگ رہا تھا۔ بس ایک ضد تھی کہ وہ اسے اکیلا چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ جو محلے والے اس کے سامنے اتنی بکواس کر رہے تھے وہ اکیلے میں کیا کچھ نہ سنا جاتے۔

"وہ کئی گھنٹوں سے باہر سردی میں بیٹھا ہوا ہے' جانے اس نے کچھ کھایا پیا بھی ہے یا نہیں۔" دل شکن باتوں کو پس پشت ڈال کر اس نے انوشا کے پھیلے پر سر جھکا کر اس کے ساتھ چلنے کی حامی بھر لی تھی۔ یاسر نے خدیجہ بیگم کو بھی بتا دیا تھا۔ جانے انہوں نے کیا کہا کیا نہیں۔ وہ دونوں لاعلم تھیں۔ رات ہونے لگی تھی۔ چاہے جیسے بھی حالات ہوں پیٹ کا دوزخ تو بھرنا تھا' اس کی ذہنی حالت کو دیکھتے انوشا نے ہی کچن سنبھالا۔ کیا پکاؤں کے جھنجٹ سے بچنے کے لیے اس نے آلو کے پراٹھے' چٹنی کے ساتھ چائے بھی تیار کر لی تھی۔ اس کے بلاوے پر وہ دسترخواں تک آ گئی تھی۔ یاسر بھی وہاں موجود تھا۔ انوشا کی ایثار کے لیے ہمدردی دیکھ کر اس کا نوالہ بناتا ہاتھ وہیں تھم گیا تھا۔ یاسر بھی انوشا کی شکل دیکھنے لگا تھا۔

"بھلے وہ ہمارے ساتھ برا کر گیا لیکن جانے کیوں اماں کو بے حد عزیز تھا۔ بس اسی لیے اس کا خیال آ گیا۔" یاسر کی سنجیدہ نظروں کو دیکھتے وہ منزہ کا حوالہ دینی لگی تو مادرا سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"یاسر آپ یہ چائے کا کپ اور پراٹھا اسے دے آئیں۔ وہ بھلے جو کرتا پھرے' ہم میں تو اتنی انسانیت ہے کہ باہر بیٹھے شخص کا خیال کر کے اسے کھانے کا پوچھ لیں۔" شاید یاسر کوئی سخت جملہ کہنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن مادرا کا خیال کر کے چپ کر گیا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے انوشا۔ جس شخص نے دروازے پر ہمارا تماشا بنا دیا' تم اسے گھر سے کھانا پکا کر بھیج رہی ہو۔" مادرا ناگواری کا اظہار کرنے سے نہ چوکی۔

"ہم میں اور اس میں کوئی تو فرق ہو۔ ویسے بھی ہم کون سا یہاں بیٹھے رہیں گے اس کا دھرنا دیکھنے کے لیے۔ صبح تو ویسے بھی ہم نے یہاں سے چلے جانا ہے۔ آپ جائیں یاسر' انسانیت بھی کوئی چیز ہے۔" انوشا نے اسے باہر کی راہ دکھائی تو وہ بادل نخواستہ ٹرے لے کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

دروازہ کھلا اور اس نے یاسر کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ باہر نکل کر سرد ہوا کے جھونکوں نے یاسر کو اچھی طرح احساس دلایا کہ انوشا کی فکرمندی کچھ اتنی بری بھی نہیں تھی۔ وہ بے شک ان کے در پر دھرنا دیے بیٹھا تھا لیکن اس گھر کے لیے اس کی زبان سے دونوں کے لیے کوئی غیر مناسب جملہ نہیں نکلا تھا بلکہ وہ تو ان کی خاطر مرنے مارنے کو تیار ہو گیا تھا۔

"کچھ کھا لو۔" یاسر نے ٹرے اس کی گاڑی کی بونٹ پر رکھ دی تھی۔

"کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے شکریہ۔" وہ پھیکے سے مسکرایا۔

"ٹھنڈ بڑھ رہی ہے' کب تک یہاں ایسے بیٹھے رہو گے۔ مجھے نہیں معلوم کیا معاملات ہیں لیکن جو بھی معاملہ ہے اسے مل بیٹھ کر حل کرو۔ تمہارا یہ جذباتی عمل سوائے پریشان کرنے کے کچھ نہیں دے رہا۔ بات لڑکی کے کردار کشی تک جا پہنچی ہے۔ تم خود ہی خیال کرو کچھ۔" یاسر نے ماحول دیکھ کر بات کی۔

"آپ کسی طرح مادرا کو مجھ سے شادی کرنے کے لیے تیار کر لیں۔ آج' ابھی' مہینہ' سال وہ جب تک انتظار کرنے کا کہے گی میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔ انوشا کے ساتھ مل کر اسے سمجھائیں' بس ایک بار اسے کہیں وہ ہاں کر دے۔" وہ ملتجی لہجے میں اسے ثالث بننے کی ذمہ داری سونپ رہا تھا۔ یاسر بغور اسے دیکھنے لگا۔

Digitized by Google

''جو کچھ تم نے کیا ہے۔ اس سب کے بعد کیا تمہیں لگتا ہے کہ مادرا کسی کے بھی سمجھانے سے ہاں کر دے گی؟''
اس کی نظریں سوالیہ ہوئیں۔
''شاید نہیں۔'' اس کا لہجہ دھیما ہوا۔ نفرت مزید تو وہ شروع سے کرتی تھی اور وہ ہر بار ہی ایسا کچھ کر جاتا تھا کہ اس کی نفرت مزید بڑھ جاتی تھی۔
''جو ہو رہا ہے اسے ہونے دو۔ مادرا کا یہاں اکیلے رہنا کسی طور مناسب نہیں ہے' ہم نے پہلے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا لیکن وہ سختی سے انکاری تھی لیکن اب تمہارے عمل کے بعد وہ یہاں رہنا نہیں چاہتی' صبح وہ ہمارے ساتھ جا رہی ہے۔ تم تھوڑا ٹائم دو اسے' یہ وقت گزر جائے تو پھر سے سوال کرنا' ممکن ہے جواب اچھا مل جائے لیکن اس وقت کی تمہاری ضد سوائے پریشانی کے کچھ نہیں دے گی۔ مادرا کا غصہ بڑھتا رہے گا۔ ابھی تو ماں کی موت کا غم بھی کم نہیں ہوا اور تم نے نیا فسانہ کھول دیا۔ وقت دو اسے۔'' یاسر دوستوں کی طرح اسے سمجھانے لگا۔ وہ خاموش رہا شاید اس کی کہی باتیں درست تھیں۔
''کچھ کھا پی لو تاکہ بہتر سوچ سکو۔''
''یقیناً یہ کام آپ کی نرم دل زوجہ محترمہ نے کیا ہوگا۔ ایل او سی سے گزر کر آئی ہے چائے۔ گولے تو داغے ہوں گے محترمہ نے..... چائے کے لیے تھینکس۔'' چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے وہ ذومعنی لہجے میں اس کا ذکر کر گیا تو یاسر اس کے درست اندازے پر مسکرا دیا۔
''جی ایسا ہی ہے۔ اب جا رہے ہو واپس یا اندر سے چادر لا کر دوں۔'' یاسر نے یوں ہی چھیڑا۔
''آپ لوگوں کو رخصت کر کے ہی جاؤں گا اور ڈونٹ وری سلیپنگ بیگ ہے گاڑی میں۔'' تھکن' بے آرامی۔ پریشانی کچھ نہیں تھی۔ تھی تو بس دیوانگی۔
''بہت ضدی ہو۔'' یاسر ٹرے اٹھا کر گھر کی طرف بڑھ گیا۔ یاسر کی باتیں دل کو لگی تھیں۔ ایک ووٹ تو پکا ہو گیا تھا۔ اب باقی کے دو ووٹ درکار تھے۔ چائے کے گھونٹ لیتے وہ پُرسوچ انداز میں بند دروازے کو دیکھنے لگا تھا۔

آتی نہیں تھی نیند مجھے رات رات بھر
پھر اس نے میری آنکھوں پہ ایک خواب دم کیا

ملازم کھانا لے آیا تھا۔ تینوں نے وہیں کمرے میں بے تکلفانہ ماحول میں کھانا کھایا۔ سمہان کی کوئی کال آ گئی تھی۔ اسے کسی کام سے جانا تھا۔ ملازم آ کر برتن لے گیا تو انہیں دھیان سے ایک ساتھ رہنے کی ہدایت کر کے وہ چلا گیا۔ اس کی ہدایت پر ندا نے اٹھ کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ سفر کی تھکان اتنی تھی کہ دونوں لیٹتے ہی سو گئی تھیں۔ آنکھ کھلنے پر کچھ پل لگے تھے یہ حقیقت قبول کرنے میں کہ وہ حویلی میں نہیں کانیج کے روم میں ہے۔ گردن گھما کر دیکھنے پر اسے ندا مصلے پر بیٹھی نظر آئی۔ یہ روشنی بھی شاید اسی لیے مدھم تھی کہ اس کی نیند متاثر نہ ہو۔ جانے وہ کس وقت کی نماز پڑھ رہی تھی یا نوافل۔ اسے وقت کا ٹھیک سے اندازہ نہیں ہو سکا۔ اس نے ہاتھ مار کر سیل فون ٹٹولنا چاہا کہ وقت دیکھ سکے۔
''اٹھ گئیں؟'' ندا مصلہ سمیٹتے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔
''جی..... کیا وقت ہو رہا ہے ندا آپی؟'' سیل فون ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔
گیارہ بج رہے ہوں گے۔'' ندا نے اندازہ لگایا تب تک اس کی کوشش کامیاب ہو گئی تھی۔ سیل فون اس کے ہاتھ

Digitized by Google

لگ گیا تھا۔
"گیارہ بج رہے ہیں واقعی۔ اتنی دیر سوتی رہی۔" وہ اٹھ بیٹھی۔
"سمہان آ گیا۔" اس کی فکر ستائی۔
"پتا نہیں۔ سمہان نے غیر ضروری کمرے سے نکلنے کو منع کیا تھا تو میں باہر گئی ہی نہیں۔ لوٹ آنے کی صورت میں وہ بتاتا تو ضرور، شاید ابھی نہیں لوٹا۔ موسم میں خنکی بڑھ گئی ہے باہر تو شاید برف باری بھی ہو رہی ہے۔" ندا کے کہنے پر اس نے بھی کھڑکی کی جانب دیکھا۔ تصدیق کے لیے اس نے تھوڑا سا سلائیڈ کو ہٹایا تو واقعی برف باری ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی سرد ہوا کی لہر کھڑکی کے ذریعے اندر داخل ہوئی تو اس کے وجود میں پھریری سی دوڑ گئی۔
"جانے کہاں رہ گیا، سنو فالنگ کی وجہ سے تو اکثر راستے بلاک ہو جاتے ہیں۔ پوچھتی ہوں۔" اس سیل فون سے سمہان کا نمبر ملا کر کان سے لگایا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔
"کون؟" ندا دروازے کے قریب ہی تھی لیکن کھولنے سے پہلے تصدیق کرنا اس نے ضروری خیال کیا۔
"سمہان۔" باہر سے اس کی آواز آئی تو ندا نے مطمئن ہو کر دروازہ کھول دیا۔ وہ پوری طرح کال لگنے کی منتظر تھی لیکن شاید موسم کے باعث کال لگنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ دستک اس نے بھی سنی تھی لیکن کال کی طرف متوجہ ہونے پر وہ آواز پر دھیان نہ دے سکی۔ نظریں دروازے پر ہی تھیں۔ سمہان آفندی دہلیز پر کھڑا تھا۔ اسی دم کال لگ گئی۔ ہاتھ میں موجود بجتے ہوئے سیل فون کو اس نے بے ساختہ دیکھا۔ عیشال جہانگیر اسے دیکھتے ہی بیڈ پر پڑا دوپٹا اٹھا کر اوڑھنے لگی۔
"کمال ہے بندہ سامنے موجود ہے اور اسے کال کی جا رہی ہے۔" اس کے اسکرین دکھانے پر اسے سیل فون کا دھیان آیا جو اس نے بیڈ پر رکھ دیا تھا۔
"تم آئے یا نہیں آئے یہی کنفرم کرنے کے لیے عیشال کال کر رہی تھی۔" ندا نے کہا اور اس نے کال منقطع کر دی۔ تب تک ندا نے کمرے کی ساری لائٹس آن کر دی تھیں۔
"جلدی لوٹ آیا تھا، یہیں تھا۔ آپ لوگوں کے آرام میں خلل نہ پڑے اس لیے ڈسٹرب نہیں کیا لیکن اب ملازم کھانا لگانے کا پوچھ رہے ہیں تو آپ لوگوں کو اٹھانے آ گیا کہ باقی کی نیند رات کو پوری کر لیں۔" اس کا ستا ستا چہرہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ ابھی سو کر اٹھی ہے۔
"یہیں تھے تو بتا دیتے، میں تو کب سے جاگ رہی تھی۔ عیشال سوئی ہوئی تھی اس لیے بھی باہر نہیں نکلی کہ تمہاری خاص ہدایت تھی۔"
"یوں تو یہاں کوئی ایشو نہیں ہے لیکن یہاں کی سیکیورٹی پر مجھے کوئی خاص بھروسا نہیں ہے۔ پھر تائی جان بھی نہیں تھیں۔ اس لیے کہہ گیا تھا لیکن اب ٹینشن کی کوئی بات نہیں ہے آپ لوگ آرام سے گھوم پھر سکتی ہیں، یہاں کے لوکل سیکیورٹی گارڈ کو چھٹی دے کر میں نے اپنے گارڈز کو بلا لیا ہے۔ اب آپ لوگوں کو کمرے میں قید ہو کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کہہ تو ندا سے رہا تھا لیکن نظریں اس پر تھیں جو اب بھی بیڈ پر خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔
"کھانا ہال میں لگوا لوں یا کمرے میں ہی کھانے کا موڈ ہے؟" اس نے استفسار کیا۔
"میں تو دونوں میں راضی ہوں۔ عیشال سے پوچھ لو۔ میں تب تک فریش ہو کر آتی ہوں۔" ندا واش روم کی طرف بڑھ گئی۔
"جی محترمہ..... کیا حکم ہے؟" وہ کچھ شریر ہوتا۔ اس کے قریب ہوا۔

Digitized by Google

"میرا تو سنو فال کے نیچے کھانا کھانے کا موڈ ہو رہا ہے۔" وہ کھڑکی کی جانب دیکھتی اشارہ کر گئی۔
"بیمار پڑ جاؤ گی۔" انداز ناصحانہ تھا۔
"نہیں پڑتی۔" وہ ضدی ہوئی۔ "یہاں کوئی اوپر کا کمرہ نہیں ہے وہاں سے سنو فال دیکھنے کا مزا اور ہوگا۔ یہاں سے اتنا خاص ویو نہیں آ رہا۔" اس نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔
"سب کے لیے اوپر والا کمرہ تیار ہے۔ کھانا کھالو پھر دیکھ لینا جا کے بلکہ دیکھنا کیا رہنا ہے وہاں....." اس نے خوش خبری دی تو وہ خوش ہو گئی۔
"ارے واہ.....! یہ تو تم نے بہت اچھا کام کیا۔"
"میں تو ہمیشہ سے اچھا ہی کام کرتا آ رہا ہوں محترمہ۔ آپ نے جب سے لڑنا بھڑنا چھوڑا ہے تب سے آپ کو مجھ ناچیز میں خوبیاں نظر آنا شروع ہو گئی ہیں۔" اس نے چڑایا تو وہ جھینپ گئی۔
"کوئی نہیں۔ پتا تھا مجھے کتنی خوبیاں ہیں۔ ایویں تھوڑی نہ ضد باندھ لی تھی پانے کی۔"
"اوہو.....!" بے ساختگی اور روانی میں وہ اعتراف کر گئی تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"فضول آدمی....." خفت مٹانے کو وہ اس پر تکیہ پھینک گئی تھی۔

زندہ رہنے کے لیے کھانا اور کھانے کے لیے پکانا کتنا ضروری تھا یہ حقیقت شنائیہ چودھری پر پوری طرح کھل گئی تھی۔ کچی پکی کھچڑی کھا کے کچھ گھنٹے سکون سے گزر گئے تھے لیکن ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بھوک کا احساس گہرا ہونے لگا تھا۔ کئی گھنٹوں سے خالی پیٹ کو مزید کی طلب ہونے لگی تھی لیکن گھر میں کچھ پکانے کو تھا کب۔ فریج جیسی عیاشی تھی کہاں کہ وہ اس میں سے مٹن اور چکن نکال کر پکا لیتی اور سب سے بڑی مشقت روٹیاں پکانا۔ چاول تو پھر بھی پک جاتے لیکن روٹیوں کا کیا؟ گھر میں میڈ نہ ہوتی یا دیا ہاسپٹل میں ہوتیں تب بھی اس نے کچن میں جا کے شاید ہی کبھی روٹی پکائی ہو۔ اسے تو روٹی کے لیے آٹا گوندھنا بھی نہیں آتا تھا لیکن اب وہ سب کرنا تھا جو نہیں آتا تھا۔ اسے پکانے کے لیے کچھ لانے کا کہہ کر وہ آٹا نکال کر تھال میں لے آئی تھی۔ آٹا گوندھنے کی ٹپس سرچ کرنے کو کہا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ اسے آٹا گوندھنا بھی نہیں آتا تھا۔ اس کی لعن طعن کو نظر انداز کر کے وہ سنجیدگی سے آٹا گوندھنے کا طریقہ پڑھ رہی تھی کہ اس نے سیل فون اسے چند لمحوں کے لیے دان کر دیا تھا۔ آٹے میں ڈھیر سارا پانی ڈال کر دونوں ہاتھوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ شاہ زر شمعون نے کچھ ویڈیوز بھی دکھائی تھیں جسے دیکھ کر اسے کام کرنے میں آسانی ہو رہی تھی۔
وہ بازار چلا گیا تھا۔ تالا لگانے کی آواز آئی تو اس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ جیتے جاگتے وجود کو یوں قید میں رکھ کر وہ اسے اپنی جیت سمجھ رہا تھا۔ خلاف توقع آٹا کچھ صحیح گوندھ گیا تھا۔ وہ چولہا جلانے کی کوشش کرنے لگی' نم لکڑیوں سے کچن میں دھواں بھرنے لگا تھا' وہ بری طرح کھانستی ہاتھ سے دھواں اڑاتی باہر نکلی تھی۔ صحن میں لگے نل کو کھول کر آنکھوں اور چہرے پر پانی ڈالتی وہ اب بھی بری طرح کھانس رہی تھی۔ وہ دھوئیں سے بچنے کے لیے پیچھے ہوتی مین گیٹ سے جا لگی تھی۔ دروازے کے باہر سے کسی کے گنگنانے کی آواز آنے لگی تو وہ بری طرح چونک گئی۔ وہ باہر نہیں جا سکتی تھی لیکن کوئی باہر سے اس کی مدد تو کر سکتا تھا۔
"کوئی ہے..... میری مدد کرو۔ مجھے نکالو یہاں سے۔ شاہ نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے۔ پولیس کو بلاؤ۔" دروازہ بری طرح بجاتے وہ چلا رہی تھی۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید باہر کوئی تھا ہی نہیں۔ وہ اسے اپنا واہم سمجھ کر

Digitized by Google

نامراد پلٹنے ہی لگی تھی جب ایک غیر متوقع آواز سماعت سے ٹکرائی۔
''کون ہے اندر..... باہر تو تالا لگا ہوا ہے؟'' آواز میں حیرت تھی۔
''میں ہوں شنائیہ..... مجھے یہاں زبردستی دھوکے سے لایا گیا ہے..... میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔ مجھے نکالو یہاں سے۔'' وہ بری طرح دہائی دینے لگی۔
''میں کچھ کرتا ہوں' پریشان نہ ہو۔'' دوسری طرف سے حوصلہ دیا گیا۔ کچھ سیکنڈ خاموشی طاری رہی۔ اگلے ہی لمحہ دروازے پر زوردار ضرب پڑنے لگی تھی۔ یقیناً تالا توڑنے کی کوشش کی جارہی تھی۔
''جلدی کرو' مجھے جلدی یہاں سے نکالو۔'' اس کے آنے سے پہلے وہ یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ وہ بھاگ کر اندر سے چپل بھی پہن آئی تھی۔ ہر پڑتی ضرب پہلے سے زوردار تھی اور یہ ظاہر کررہی تھی کہ آزادی بس چند لمحوں کی دوری پر ہے۔
''ٹوٹ گیا تالا۔'' وہ جو کوئی بھی تھا پُرجوش ہوکر اب کنڈی کھول رہا تھا۔ وہ تیس بتیس سالہ شخص تھا۔ ایک دم سے دروازہ کھولنے پر اسے شنائیہ چودھری کی شکل نظر آئی تو وہ سیٹی بجانے کے انداز سے ہونٹ سکیڑ گیا۔
''شہری کڑی.....!''
''راستے سے ہٹو مجھے جانے دو' وہ آجائے گا۔'' اسے دروازے پر کھڑا دیکھ کر وہ بے قراری سے نکلنے لگی۔
''ارے' تم کون ہو؟ اپنے بارے میں تو بتاتی جاؤ۔'' اسے روکنے کے لیے وہ دروازے کے سامنے ایستادہ ہوگیا۔
''میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے' ہٹو راستے سے۔'' اسے دھکیل کر وہ نکلنے والی تھی لیکن ابھی دہلیز سے قدم باہر بھی نہیں نکلے تھے کہ شاہ زر شمعون قہر بھری نظریں لیے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ اس کے بڑھتے قدم ٹھٹک گئے' اجنبی بھی اسے ساکت ہوتے دیکھ کر آنے والے کو دیکھنے لگا تھا۔
''شاہ.....! آپ یہاں؟''
''تم یہاں کیا کررہے ہو ہاشم؟'' جواب دینے کی بجائے دروازے پر ٹوٹا ہوا تالا دیکھ کر شاہ زر شمعون کی نظریں سرد ہوئیں۔
''ویرے' میں یہاں سے گزر رہا تھا تو مجھے ان کی آواز آئی۔ یہ مدد کے لیے چلا رہی تھیں کہ کسی نے انہیں یہاں قید کررکھا ہے۔ اس لیے میں نے تالا توڑ دیا۔'' شاہ زر شمعون کی برفیلی نظریں شنائیہ چودھری کی طرف اٹھیں۔ وہ خائف سی ہوگئی۔
''مجھے پتا نہیں تھا ویرے یہ آپ کے ساتھ ہیں۔'' ہاشم اپنی جگہ شرمندہ کھڑا تھا۔
''اب پتا چل گیا ناں؟'' ٹھنڈے موسم میں اس کا برفیلا لہجہ رگوں میں خون منجمد کرنے لگا تھا۔
''جی..... میں چلتا ہوں۔ معاف کردینا ویرے۔'' وہ ٹوٹے ہوئے تالے کی طرف اشارہ کرکے چل دیا۔ اس کی بات چیت اور شاہ زر شمعون سے آشنائی ظاہر کررہی تھی کہ وہ اسے اچھی طرح پہچانتا ہے۔ یہاں کی آدھی زمین چودھری حشمت نے غریبوں کو دے رکھی تھی ہر ماہ اناج اور راشن کی تقسیم کے لیے گاڑی بھیجی جاتی تھی۔ یہاں کے مکین کیسے ان سے ناواقف رہتے۔ قبائلی وڈیروں سے بھی دوستانہ مراسم تھے۔ یہ جگہ شاہ کے لیے نئی نہیں تھی' نہ ہی وہ یہاں والوں کے لیے۔ اپنے پیچھے دروازہ دھاڑ سے بند کرتے' سامنے کھڑی شنائیہ کو اس نے آگے کی طرف دھکیلا۔
''بھاگنا ہے تمہیں..... جاؤ دروازہ کھلا ہے۔ نکالو قدم باہر تاکہ میں بھی اس قصے کو جلد سے جلد دفن کرکے یہاں سے نکل سکوں۔ جاؤ.....'' اسے دروازے کی طرف دھکیل کر وہ زور سے دھاڑا۔

Digitized by Google

"تم اس لائق ہی نہیں ہو کہ تم سے نرمی برتی جائے۔" اسے بے حس وحرکت کھڑے دیکھ کر وہ تن فن کرتا اندر گیا اور جب لوٹا تو اس کے ہاتھ میں لوہے کی موٹی سی زنجیر تھی اور اگلے ہی لمحے زنجیر اس کے ہاتھ سے باندھ کر وہ چارپائی کے پائے سے باندھ گیا۔

"اب سے تمہاری رسائی صرف کمرے سے کچن تک رہے گی۔ دروازے تک جانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی کہ تم کسی کو مدد کے لیے بلا سکو۔ بالفرض اب تم نے کچھ ایسا ویسا کیا تو وارننگ سننے کے لیے تم زندہ نہیں رہو گی۔ مت آواز دو میرے جلال کو۔ زندہ رہنا چاہتی ہو تو خاموشی سے پڑی رہو۔" وہ اس بری طرح دھاڑا کہ وہ سہم گئی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے ہاتھ میں بندھی زنجیر کو دیکھنے لگی۔ جسے اس کی نازک کلائی میں فکس کر دیا گیا تھا۔ اپنے ساتھ اس اہانت آمیز سلوک پر وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

URDU TUBE

اسے اب نیند تو نہیں آرہی تھی لیکن کمرے میں اپنا سامان رکھنے اور تھوڑی دیر ستانے کے خیال سے وہ سبحان آفندی کی نشاندہی پر کمرے کا دروازہ کھول کر داخل ہوئی لیکن قدم دروازے پر ہی رک گئے تھے۔ اندھیرے کمرے میں یہاں سے وہاں تک جلتے دیے اور جابجا رکھے پھولوں کے بکوں کی سحر انگیز خوشبو اور سفید لہراتے پردوں نے اسے خوش آمدید کہا تھا۔ وہ کئی ثانیے تک دہلیز پر ہی ٹکی رہی۔ سحر زدہ سی دھیرے دھیرے آگے بڑھ کر وہ اپنے پیچھے دروازہ بند کر گئی۔ ٹریولنگ بیگ کو ایک طرف رکھ کر وہ بے یقینی سے چلتی ہوئی کمرے کی وسط میں آ گئی۔ سرسراتے پردوں نے توجہ اپنی طرف مبذول کی تو وہ بے ساختہ اس جانب بڑھی۔ شیشے کی سلائیڈ ہٹی ہوئی تھی اور بالکنی کے آگے سنو فالنگ کا دلفریب منظر تھا۔ وہ بچوں کی سی خوشی لیے بالکنی میں آئی۔ دور تک برفیلا منظر نگاہوں کو بھلا لگ رہا تھا۔

"کافی......" آواز پر وہ بری طرح چونکی۔ سبحان آفندی بالکنی کے دوسرے سرے سے کب اس تک آیا اسے خبر ہی نہ ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں کافی کے دو مگ تھے ایک اس کی طرف بڑھائے وہ منتظر تھا۔

"تھینک یو......" اس نے مگ تھام لیا۔

"بنا پوچھے بھی بتا سکتی ہوں کہ یہ تمہارا کمرہ ہے۔"

"میرا...... تمہارا کچھ الگ تو نہیں ہے۔ میرا جو کچھ ہے سب تمہارا ہے۔" اس کا محبت سے لبریز لہجہ ہوا۔

"بہت خوب صورت ہے، بہت خوب صورت سرپرائز......!" اندر کی جانب نگاہ ڈالتی وہ ممنونیت ومحبت سے گویا ہوئی۔

"کچھ بھی نہیں کیا یہ تو' تمہارے لیے تو بہت کچھ کرنے کا دل ہے۔ وقت نے مہلت دی تو ضرور کروں گا۔ صرف تمہارے چہرے پر مسکان لانے کے حصول میں ہر ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش کر سکتا ہوں......" بالکنی کی باؤنڈری سے ٹیک لگاتے مگ ہاتھوں میں تھامے رخ اس کی طرف کیا' وہ جذب سے مزید گویا ہوا۔

"میری مسکراہٹ' میری خوشی' دنیا کی ہر خوب صورتی تم سے شروع ہو کر تم پر ختم ہو جاتی ہے۔ تم ہو تو سب ہے تمہارے نام سے جڑنے سے پہلے کوئی منظر اٹریکٹ نہیں کرتا تھا۔ کوئی چیز خوشی نہیں دیتی تھی۔ اب چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی محسوس ہوتی ہے۔ خوشی دیتی ہے۔ تم نے خوش رہنا ہے ہر حال میں۔ بھلے اکیلے ہی سہی۔ تم خوش رہو گی۔" اس کے دھونس سے کہے لفظوں نے اس کے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیلا دی۔

"وعدہ نہیں کرتی کیونکہ مجھے معلوم ہے پورا نہیں کر سکوں گی۔" وہ اس سے نظریں چرا گئی۔

Digitized by Google

''میں نے تمہاری اور چچی جان کی ساری باتیں سن لی تھیں۔'' مگ اٹھا کر وہ بھی منڈیر سے ٹیک لگا گئی۔
''تمہاری محبت پر نہ پہلے شک تھا نہ اب' جب کے تمہارا نام میرے نام سے جڑ گیا۔ تمہاری ساری وصیت' میری خوشیوں کے سارے وعدے تمہارے بنا ادھورے ہی رہیں گے۔ ساتھ جینے کی خواہش ہے' ساتھ مرنے کا دعویٰ نہیں کروں گی کیونکہ دعوے تو جھوٹے لوگ کرتے ہیں اور میں جھوٹی نہیں۔'' اس کی طرف گردن موڑے وہ دھیرے سے گویا ہوئی۔ سمہان آفندی کئی ثانیے تک اسے دیکھتا رہا۔
''صبح اٹھ کر تائی جان کو اطلاع کر دوں گی۔ بارہ بجے تک ہم ڈیزائنر کے آؤٹ لیٹ چلیں گے۔ مجھے اپنی شادی کا جوڑا بھی لینا ہے۔'' وہ مسکراتی ہوئی اتنے مطمئن انداز میں کہہ رہی تھی کہ سمہان جو اندر سے منتشر تھا اس کے سکون کو رشک سے دیکھنے لگا۔
''لے چلوں گا۔'' کیوں' کس لیے؟ کا سوال کیے بنا حامی بھر کے وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

چوری اور سینہ زوری دکھا کر وہ الٹا منہ بنا گیا تھا۔ سودے کے شاپر اس کے سامنے دھر کے وہ کمرے میں جو گھسا تو پھر باہر نہیں نکلا تھا۔ کئی لمحے وہ ساکت کھڑی اپنی کلائی میں پڑی زنجیر کو دیکھتی رہی جس میں لگا چھوٹا سا تالا کچھ اس سختی سے لگایا گیا تھا کہ زنجیر بہ مشکل ہل جل رہی تھی۔ یوں بیٹھے رہنے سے پیٹ کا دوزخ تو نہیں بھرنا تھا نہ ہی خود پر مظلومیت طاری کرنے سے وہ عظیم منصب پر فائز ہو سکتی تھی۔
ہتک کو ایک طرف رکھ کر وہ چکن کو نل کے نیچے رکھ کر اسے دھونے کرنے لگی تھی۔ چولہا ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر اسے دہکانے لگی اور اب کے دھواں اٹھا تو نہ ہی وہ باہر بھاگی' نہ ہی شور مچایا۔ آنکھوں میں آئے پانی کو صاف کرتے وہ پورے جی جان سے اسے جلانے کی کوشش کرتی رہی۔ کئی گھنٹوں کی کوشش سے روٹی سالن تیار ہو گیا تو وہ اسے آواز دینے لگی لیکن جواب تب بھی موصول نہیں ہوا۔ ہاشم کو دیکھ کر اس کی غیرت پر تازیانہ سا لگا تھا۔ ایک غیر مرد کو مدد کے لیے بلوا کر وہ اسے بے اعتبار کر گئی تھی۔ وہ کھانے کی ٹرے کمرے میں لے آئی۔ اسے پکارا بھی لیکن وہ بنا کوئی جواب دیے آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا رہا تو مجبوراً بازو پکڑ کر اسے ہلایا۔
''کھانا.....''
''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ جھٹکے سے بازو چھڑا کر کروٹ بدل گیا۔ وہ سر جھٹک کر ٹرے لیے پلٹی اور زنجیر کے چارپائی میں پھنسنے سے منہ کے بل گرتے گرتے بچی۔ حواس کو بحال کرنے میں اسے کئی ثانیے لگے۔ ٹرے فرش پر رکھ کر کھاتے اس کی ذہنی اور جسمانی کیفیت اتنی خراب تھی کہ لگ رہا تھا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔ آنکھوں میں آئے پانی کو بے دردی سے رگڑتے وہ خاموشی سے نوالہ حلق سے اتار رہی تھی۔ برتن سمیٹ کر دھوتے ''فریج'' کو پہنچ سے دور دیکھ کر وہ بنا پانی پیے ہی اپنی جگہ پر آ کر لیٹ گئی لیکن اگلے ہی لمحے اٹھ بیٹھی۔ اس سردی میں فرش بھی بے حد ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ وہ دہائی دینے پر مجبور ہوئی۔
''دوسرے کمرے میں بستر پڑے ہیں۔'' جواب سے نواز کر اس نے ہلنے جلنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ وہ خود اٹھی اور زنجیر کو کھینچتی دوسرے کمرے سے بستر کے ساتھ اوڑھنے کے لیے کھیس بھی لے آئی۔ کلائی میں بندھی زنجیر درد دینے لگی تھی۔ نشان بھی پڑ گیا تھا۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔
''یہ زنجیر کھول دیں' کلائی میں درد ہونے لگا ہے۔ میں اب یہاں سے بھاگنے کے لیے کسی کو مدد کے لیے نہیں بلاؤں گی۔'' ہار اس کے لہجے سے عیاں تھی۔ اس جیسی آزاد منش لڑکی کے ساتھ ان چند گھنٹوں میں جو کچھ بیتا تھا وہ اتنا

Digitized by Google

اہانت آمیز سلوک تھا کہ وہ خود سے بھی اپنا حال کہتے شرمندہ تھی۔

''شاہ.....'' اس نے شاید اس کی پکار سنی نہیں تھی تب ہی اس نے دوبارہ آواز لگائی۔

''منہ بند رکھو اپنا..... اب تمہاری آواز نکلی تو زندہ گاڑ دوں گا تمہیں۔'' ایک دھاڑ کی صورت اسے اوقات یاد دلائی گئی پھر اس نے کچھ نہیں کہا' وہ خاموشی سے اپنی جگہ پر لیٹ گئی۔ ذہنی اور جسمانی تھکن کے باعث اس کی آنکھ جلد ہی لگ گئی تھی۔

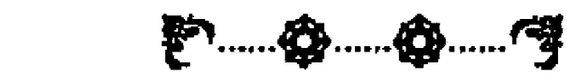

احسانِ محبت کا میری ذات پہ رکھ دو
تم ایسا کرو ہاتھ میرے ہاتھ پہ رکھ دو
یوں پیار سے ملنا بھی مناسب نہیں لگتا
یہ خواب کا قصہ ہے اسے رات پہ رکھ دو

صبح اٹھتے ہی اس نے فائزہ کو اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔ ندا کو ساتھ چلنے کو کہا لیکن اس نے معذرت کرلی۔ ندا کو اپنی طبیعت تھوڑی بوجھل محسوس ہو رہی تھی۔ اسے اکیلے چھوڑ کر دونوں جانا نہیں چاہتے تھے لیکن ندا کا اصرار تھا کہ وہ سونا چاہتی ہے تب ہی اسے دھیان سے رہنے کی ہدایت کر کے دونوں نکل گئے تھے۔

''پتا ہے' یہ میری زندگی کا بیسٹ موومنٹ ہے' تمہارے ساتھ اپنی شادی کا جوڑا لینے جا رہی ہوں۔'' اس نے خوشی کا اظہار کیا۔

''می ٹو جان میری.....!'' وہ بھی مسکرا دیا۔

''کچھ زیادہ فضول نہیں بولنے لگے ہو تم؟'' وہ مکا شانے پر رسید کر گئی۔ چہرے کا رنگ بدل گیا تھا اور اس چہرے پر صرف یاسیت یا افسردگی کے رنگ ہی نہیں ہوتے تھے' یہ بھی اسے آج خبر ہوئی تھی' جب وہ پُرجوش ہو کر کچھ بتانے لگتی تو اس کا گلابی چہرہ مزید گلابی ہو کر چمکنے لگتا تھا۔ کچھ سوچنے لگتی تھی تو ہونٹ سکیڑ لیتی تھی' بے چینی' اضطراب میں ہاتھوں کی انگلیاں دبانے لگتی تھی۔ ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر بڑی بڑی آنکھیں حیرت سے پھیلا کر جب تک انجانی باتیں جان نہیں لیتی تھی۔ تب تک اسے چین نہیں پڑتا تھا۔

''اس میں فضول کیا ہے' جان ہی تو قید ہے تم میں میری۔''

''اچھا جی۔ پتا ہے جوڑا اتنا پیارا ہے' تم دیکھو گے تو داد ضرور دو گے۔'' اس نے اس کا دھیان دوسری سمت کیا۔

''تم نے پسند کر رکھا ہے؟'' اس نے گاڑی آؤٹ لیٹ پر روکی۔ شکر ہے سنو فالنگ اتنی نہیں ہوئی تھی نہ ہی سورج زیادہ دیر چھپا رہا تھا تب ہی راستے کھلے ہوئے تھے۔ وہ مطلوبہ مقام تک با آسانی پہنچ گئے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی سیلز گرل ان تک آئی لیکن اس سے پہلے ہی وہ سمہان کے ساتھ ریسپشن پر پہنچ گئی۔

''برائیڈل ڈریس آرڈر کیا ہوا ہے میں نے' آج اس کی ڈیلیوری ہے۔'' عیشال جہانگیر پُراعتمادی سے مخاطب ہوئی۔

''کس نام سے میم؟'' ریسپشنسٹ کا انداز پروفیشنل تھا۔

''مسز عیشال سمہان.....'' وہ چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ اس باخبر کو بس وہی بے خبر رکھ سکتی تھی۔ جانے اس نے کب اور کیسے آرڈر کیا تھا اور اب ڈیلیوری لینے اسے ساتھ لے آئی تھی۔

''میں چیک کرتی ہوں آپ کچھ دیر انتظار کریں۔'' ریسپشنسٹ لیپ ٹاپ پر سرچ کرنے میں مصروف ہو گئی۔

Digitized by Google

''جی میم' آپ کا ڈریس تیار ہے۔ میں منگواتی ہوں تب تک آپ لوگ تشریف رکھیں۔'' ریسپشنسٹ انہیں صوفے کی طرف اشارہ کرکے فون کا ریسیور اٹھایا۔

''شیور۔'' سر پر چادر برابر کرتے وہ آؤٹ لیٹ کا جائزہ لیتے سمہان آفندی کی ہمراہی میں صوفے کی طرف بڑھ گئی۔

اس کی خوشی اس کی تیاری پر ایک ملال اس کے اندر اٹھنے لگا تھا۔ کس چاہ سے اس نے برائیڈل ڈریس آرڈر کیا تھا اور اب لینے آئی تھی اگر جو اسے پہننا ہی نصیب نہ ہوتا پھر؟ اسے ڈر لگ رہا تھا' اگر کچھ بھی غیر متوقع ہوتا تو کہیں اس کا دماغ ہی نہ الٹ جائے۔ وہ تمام حالات سے واقف تھی پھر بنا کوئی فیصلہ جانے تیاری کرنے لگی تھی کیوں؟ بہت سے سوال اس کے اندر اٹھ رہے تھے۔ کسی کسی پہر وہ بے حد تشویش سے اس کے پُرسکون چہرے کو دیکھنے لگتا تھا۔ نکاح کے بعد سے وہ جتنی متفکر تھی' اب کیا ہوگا کا سوال بار بار اٹھاتی تھی اب اس سے یکسر بدل گئی تھی۔

''میں نے آن لائن آرڈر کیا تھا ڈریس۔ بیس فیصد پے منٹ بھی کردی ہے' باقی کے تم کرو گے آخر کو برائیڈل ڈریس تمہاری طرف سے جو ہوگا۔'' وہ شوخی سے گویا ہوئی۔

''بہت اچھے۔ اکیلے اکیلے سارے کام کیے جارہے ہیں اور مجھے بتایا بھی نہیں۔'' وہ اپنا آپ اس پر عیاں کردیتا اتنا کچا بھی نہیں تھا۔ وہ باحوصلہ تھی تو وہ کیسے کمزور پڑتا۔

''تمہیں کوئی خیال ہی نہیں رہا ڈریس تیار کروانے کا تو مجھے ہی دھیان رکھنا تھا ناں۔ پیسے بچانے کی لگی ہوئی تھی ناں۔'' اس نے وہ گھورا۔

''لاکھوں کروڑوں تم پر قربان۔'' وہ کب منکر تھا۔

''پھر لاؤ اپنا ڈیبٹ کارڈ۔ ڈیلیوری لیتے باقی کی پیمنٹ بھی تو کرنی ہے۔'' بلیک چادر سے ہاتھ نکال کر گلابی ہتھیلی استحقاق سے اس کے سامنے پھیلائی۔ بہت بھرپور منظر تھا اس کی استحقاق سے پھیلی ہتھیلی کو اس نے نظر بھر کر دیکھا اور اگلے ہی لمحے اپنا والٹ اس کی ہتھیلی پر رکھ کر اس منظر کو حقیقت کا روپ دے کر اپنی طرف سے امر کردیا تھا۔

''ڈیبٹ کارڈ' کیش سب اسی میں ہے۔ جیسے چاہو استعمال کرو۔''

''ارے واہ..... تم نے تو پلک جھپکتے بات مان لی۔'' والٹ کھولتی وہ ازحد متاثر ہوئی۔

''جان مانگ لیتیں تو بھی انکار نہیں کرتا' تم نے تو زر کی ہی ڈیمانڈ کی ہے بس۔''

''ڈائیلاگ پورے آتے ہیں۔'' وہ جھینپ کر والٹ کھولنے لگی اور اچھی طرح سے تلاشی کے بعد ایک کونے سے اپنے بچپن کی تصویر برآمد ہوتے دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔

''ارے..... یہ میں ہوں ناں اسے کیوں رکھا ہوا ہے؟'' وہ مسرت سے چھوٹی سی تصویر دیکھ رہی تھی۔

''کتنی سلی لگ رہی ہوں..... ویسے ہو بھی چکے۔ کسی نے دیکھ بھی لیا تو سمجھے گا کسی بچی کی تصویر ہے' صاف بچ جاؤ گے۔'' وہ اس کی چالاکی پر محظوظ ہوئی۔

''لو ایٹ فرسٹ سائٹ ہے زوجہ محترمہ..... محبت تو اسی بچی سے ہوئی تھی ناں..... بھلے یہ بچی اب بڑی ہوگئی ہے۔'' اسے محبت سے دیکھتے وہ سرگوشی کرگیا تھا۔ اردگرد کو فراموش کیے دونوں ایسی زندگی جی رہے تھے' جس میں بس وہ دونوں تھے۔ ڈریس آگیا تھا۔ بے حد خوب صورت سرخ عروسی جوڑا دیکھ کر وہ اس کی پسند کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

''بس ایک ہی جگہ تو پسند خراب ہے میری' باقی تو کوئی نہیں۔'' اسے شریر نظروں سے دیکھتے اس نے جتایا تو وہ بے

Digitized by Google

ساختہ مسکرادیا۔
''ٹھیک کہا' آپ کے تو پاسنگ بھی نہیں۔'' سمہان نے چڑایا۔
''نہیں۔اب ایسا بھی نہیں ہے' بہت ڈیشنگ' ہینڈسم ہو۔''
''اوہو.....!'' اس نے مذاق اڑایا تو وہ مسکرادی۔
''پتا ہے' میری آخری وصیت ہوگی کہ جب مروں نہ تو مجھے اسی عروسی جوڑے میں دفن کیا جائے۔'' کپڑے کی نرماہٹ کو چھوتے وہ دھیمی مسکان سجائے جوڑے کو محبت سے دیکھ رہی تھی اور اس کی عجلت میں کی جانے والی تیاری کی سمجھ سمہان آفندی کو آ گئی تھی۔اس کے مسکراتے لب بھنچ گئے تھے۔وہ سنجیدگی سے اس کے پُرسکون چہرے کو دیکھتا رہا تھا۔

چودھری جہانگیر کے آفس سے کال آ گئی تھی۔صہبا تیار ہو کر ان کے لیے ناشتے کی خاص ہدایت کرنے آئیں تو وہ تیار ہو رہے تھے۔اسی دم ان کا سیل فون بجنے لگا۔
''ہاں بولو۔'' کال ریسیو کر کے وہ فون کان سے لگا گئے۔
''سر آپ نے جس گھر پہ نظر رکھنے کو کہا تھا وہاں سوزوکی آ کر رکی ہے۔گھر کا سامان لوڈ ہو رہا ہے۔وہ لوگ گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں کہیں۔''
''کہاں جا رہے ہیں۔پتا کرو۔'' ملنے والی اطلاع پر وہ چونک گئے۔
''سر وہ لڑکی اپنی بہن کے سسرال جا رہی ہے۔کل سے اس کی بہن اور بہنوئی بھی گھر میں موجود ہیں اور سر.....'' اطلاع دینے والا ہچکچا کر خاموش ہوا۔
''اور کیا؟'' وہ جھنجلائے۔
''ایشان بابا کل سے اسی گھر کے باہر موجود ہیں۔کل انہوں نے اس گھر کے مالک مکان کے سامنے بہت جھگڑا بھی کیا تھا۔''
''ایشان وہاں موجود ہے کل سے؟ اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔'' وہ دبی آواز سے چنگھاڑے۔
''سر جسے میں نے یہ ذمہ داری سونپی ہوئی تھی وہ ایشان بابا کی حقیقت نہیں جانتا تھا' آج اس نے مجھے رپورٹ دی تو میں نے خود جا کر دیکھا اور اب آپ کو رپورٹ کر رہا ہوں۔'' اطلاع دینے والا سہما۔
''دیر سے رپورٹنگ پر تمہاری تو میں آ کر خبر لیتا ہوں۔ابھی تو میرے پہنچنے سے پہلے تم اس مالک مکان کو میرے سیل میں پہنچاؤ۔'' وہ سرد لہجے میں آرڈر کر گئے۔
''جی سر.....'' اپنی خیر مناتے وہ سیل میں پہنچانے کا سن کر ہی مطلب سمجھ گیا تھا۔
''ایشان رات بھر گھر نہیں آیا۔'' وہ پُرسوچ انداز سے سیل فون کو دیکھتے رہے تھے۔

غیر ضروری سامان کباڑیے کو دے کر کچھ ضروری سامان سوزوکی میں لوڈ ہو گیا تھا۔محلے والے فاصلہ رکھے ایک بار پھر تماشا دیکھنے کو موجود تھے۔پُرآسائش کمرے کو چھوڑ کر سرد رات گاڑی میں گزارنے کے بعد وہ باہر نکل آیا تھا۔ یاسر ہی سب کچھ کر رہا تھا۔سامان لوڈ ہونے کے بعد یاسر رکشا لے آیا تھا۔انوشا کے پیچھے چادر اوڑھے وہ بھی باہر نکلی۔وہ سامنے ہی تو بیٹھا ہوا تھا اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالے بنا وہ دروازے کو تالا لگانے لگی تھی۔باوجود کوشش کے

Digitized by Google

مالک مکان سے کوئی رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ انہوں نے چابی شاہد صاحب کے حوالے کی اور ساتھ ہی پیغام بھی دیا کہ بقایا لین دین کے متعلق وہ فون پر بات کر لے گی وہ رابطہ کر لیں۔ دنیا دکھاوے کے لیے صائمہ نے انہیں گلے لگا کر جھوٹ موٹ کے دو چار آنسو بہائے تھے۔

انہیں رکشے میں سوار کروا کر یاسر سوزوکی میں بیٹھ گیا۔ اس سے پہلے کہ ماورا اس کی نظروں سے دور چلی جاتی۔ ایشان جاہ جھٹ سے قریب آیا۔

''اپنی مرضی سے جا رہی ہو روکوں گا نہیں لیکن تمہیں پلٹ کر مجھ تک ہی آنا ہے' بس یہ یاد رکھنا۔ نہ میرے لفظ جھوٹے ہیں' نہ ارادے کچے۔''

''آپ چلیں بھائی صاحب۔'' اسے جواب دینے کی زحمت گوارا کیے بنا ماورا یحییٰ نے خشک لہجے میں رکشا ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ جانے والی چلی گئی تھی اور محلے والے چہ میگوئیوں میں مصروف تھے۔ ان سب پر ایک قہر بھری نظر ڈال کر وہ گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ چلی گئی تو اب اس کے لیے یہاں کیا بچا تھا۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا کہ اسی وقت اس کے نمبر پر جہانگیر کی کال آئی۔

''کہاں ہو ایشان؟''

''بس گھر کے لیے نکل رہا ہوں ڈیڈ۔''

''ٹھیک ہے' گھر جاؤ' فریش ہو کے کچھ کھاؤ پیو' تھوڑا ریسٹ کر لو پھر شام میں تمہیں میرے ساتھ کہیں چلنا ہوگا۔''

وہ ساری رات گھر نہیں پہنچا تھا۔ چودھری جہانگیر اب تک اس کی غیر موجودگی سے واقف ہوں گئے تھے' ان کی کال آئی تو اسے یہی لگا کہ وہ اس بارے میں استفسار کریں گے لیکن وہ تو ساری باتوں کا نچوڑ پیش کر کے سمجھا رہے تھے کہ وہ اتنے بھی بے خبر نہیں۔

''کہاں جانا ہے ڈیڈ؟'' ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اس نے اگنیشن میں چابی گھمائی۔ کہیں جانے کا سن کر لہجہ کسی قدر بے زاری لیے ہوئے تھا۔

''انوشا کے سسرال۔ تمہارے اور ماورا کے رشتے کی بات کرنے۔ اس ویک اینڈ تمہارا اور ماورا کا نکاح ہمارے گھر پر ہوگا۔ تم تیاری کر لو چلنے کی۔ میں آفس پہنچ گیا ہوں پھر شام میں ملتا ہوں۔'' چودھری جہانگیر اسے بے یقین چھوڑ کر فون بند کر چکے تھے۔ ایشان جاہ کی گاڑی جوگلی سے نکلنے کے لیے موڑ کاٹ رہی تھی ایک جھٹکے سے روکی۔ اپنی اولاد کی ایک آہ نکلنے پر دنیا کو سر پر اٹھا لینے والے چودھری جہانگیر سے اس بات کی کیسے توقع ممکن تھی کہ وہ اس کے گھنٹوں دھوپ اور سرد ہواؤں سے ٹھٹھرتی رات کا نوٹس لے کر کوئی حشر نہ اٹھائیں گے۔ اعلان تو انہوں نے کر دیا تھا اور ان کا کہا محض اعلان کب ہوتا تھا۔

''ماورا مان جائے گی اور ڈیڈ باخبر تھے سب سے؟'' وہ حیرت و خوشی کی ملی جلی کیفیت میں کئی لمحے کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

www.naeyufaq.com

Digitized by Google

چاند نانے جگنو

نظیر فاطمہ

''چلو...... چلو...... جلدی سے کتابیں بند کر کے ڈراموں کی باتیں شروع کرو' جلدی کرو۔'' ایمن آندھی طوفان کی طرح آئی جتنی تیزی سے اس کی زبان چل رہی تھی اس سے کہیں زیادہ تیزی سے اس کے ہاتھ چل رہے تھے۔ اس کے چلتے ہوئے ہاتھوں کی بدولت ردا کی کتاب ماریہ کی گود میں آن گری' بتول کی کتاب اوندھے منہ گھاس پر جا گری۔ وہ چاروں اس اچانک افتاد پر گھبرا سی گئیں۔

''بیان کالمانہ...... کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' اس ہڑبونگ پر بتول نے ایمن کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

ایمن کو اخبارات سے کالم پڑھنے کا چسکا تھا اور وہ اکثر و بیشتر ان چاروں کو اپنے پڑھے ہوئے کالموں کے حوالے دیتی رہتی تھی۔ اس کی اس عادت سے تنگ آ کر ان چاروں نے مل کر اسے ''بیان کالمانہ'' کہہ کر چڑانا شروع کر دیا تھا مگر اس وقت اس نے چڑنے کی بجائے اپنے پیچھے دیکھا۔

''وہ...... وہ صالحہ آ رہی ہے' اس لیے کہہ رہی ہوں۔'' سب نے بیک وقت اس سمت دیکھا جہاں سے ابھی ابھی ایمن بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ واقعی صالحہ اپنا بھاری بھرکم وجود سنبھالے ادھر ہی آ رہی تھی۔

''چلو...... تم ڈرامے کی اسٹوری سنانا شروع کرو' ہم غور سے سننے کی ایکٹنگ کرتے ہیں۔'' جویریہ نے ردا سے کہا۔

''تم لوگ آج کل وہ ڈرامہ دیکھ رہی ہو جس کی اس قسط میں......'' صالحہ ان کے قریب پہنچی تو ردا زور و شور سے ڈرامے کی اسٹوری سنانے میں مصروف تھی اور وہ چاروں یوں انہماک سے سن رہی تھیں جیسے گرد و پیش سے بیگانہ ہوں۔ وہ ان کے پاس بیٹھ کر اپنی پھولی ہوئی سانسوں کو معمول پر لانے لگی۔ اس دوران وہ پانچوں اپنے شغل میں مصروف رہیں۔

''سنو'' صالحہ نے ردا کا کندھا اتنی زور سے ہلایا کہ وہ پوری کی پوری ہل کر رہ گئی اور اسے اپنی بات ہی بھول گئی کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تم لوگ ہر وقت ڈراموں' فلموں اور فیشن کی باتیں کرتی رہتی ہو پھر بھی اتنے اچھے نمبروں سے کیسے پاس ہو جاتی ہو؟'' اس نے حسب عادت نان اسٹاپ بولنا شروع کر دیا۔ وہ بہت تیز تیز بولتی تھی کہ اس کی بعض باتیں تو سمجھ میں آئے بغیر سر کے اوپر سے گزر جاتی تھیں۔ اس لیے یہ سب اسے صالحہ کی بجائے ''ساہ لیا'' کہہ کر بلاتی تھیں۔

ایمن' بتول' ردا' ماریہ اور جویریہ پانچوں کا گروپ تھا۔ ایمن' ماریہ اور جویریہ تو اسکول سے ساتھ تھیں جبکہ ردا اور بتول کالج میں آ کر ان کے گروپ کا حصہ بنی تھیں۔ ماریہ اور جویریہ آپس میں کزنز تھیں۔ اب یہ فورتھ ایئر کی اسٹوڈنٹس تھیں۔ پانچوں پڑھنے میں اچھی تھیں۔ ہنسی مذاق' موج مستی اپنی جگہ لیکن پڑھائی میں وہ کبھی کوئی سمجھوتہ نہیں کرتی تھیں۔ پچھلے ایک سال سے وہ صالحہ سے بہت تنگ تھیں۔ ٹائیفائیڈ بگڑنے کی وجہ سے پچھلے سال بی اے کے فائنل پیپرز نہیں دے سکی تھی۔ اس کے اچھے تعلیمی ریکارڈ کی وجہ سے کالج انتظامیہ نے اسے موجودہ بیچ کے ساتھ کلاسز اٹینڈ کرنے کی اجازت دی تھی تاکہ اسے تیاری میں مدد مل سکے۔ اب یہ ان لوگوں کی قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ اس کے مضامین ان لوگوں سے ملتے تھے۔ وہ روز تو نہیں البتہ ہفتے میں دو یا تین دن تو ضرور کالج آتی تھی اور کلاسز لینے کے بعد باقی سارا وقت وہ ان کا پیچھا کرنے میں گزارتی تھی۔ وہ سب اس سے سخت عاجز تھیں۔ اسے دور سے بھی دیکھ لیتیں تو وہاں سے کھسک جاتیں۔

Digitized by Google

انہیں کسی کی مدد کرنے میں کوئی تامل نہ تھا لیکن ایک تو یہ کہ صالحہ کو کسی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اچھی خاصی ذہین تھی نجانے اسے پڑھائی کے پیچھے خود کو ہلکان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ دوسرے وہ ان کی ٹوہ میں لگی رہتی تھی۔ اسی لیے وہ سب اس سے کتراتی تھیں۔

ماریہ اور جویریہ کا آپس میں بہت سلوک تھا مگر پھر بھی بعض اوقات وہ دونوں یوں لڑتی تھیں جیسے ان کی پرانی دشمنی ہو۔ آج بھی دونوں میں نجانے کس بات پر بحث شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے بات بڑھ گئی۔ ایمن' ردا اور بتول نے ایک دوسرے کو بے چارگی سے دیکھا۔ ان دونوں کی لڑائی کا مطلب تھا کہ باقی کا وقت ان کا موڈ بحال کرتے اور صلح کرواتے ہوئے گزارنا۔ وہ دونوں بحث کرتے کرتے یوں اٹھ کھڑی ہوئیں جیسے ایک دوسرے کو نوچ لیں گی۔ اس سے پہلے کہ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچتی' اچانک ایمن اٹھی اور ان دونوں کے درمیان آ کر کھڑی ہوگئی اور اس سے پہلے کہ کوئی صورت حال سمجھتا اس نے اسٹیج فیم پنجابی گانوں کے اسٹائل میں ''نی لڑا کیونی...... ی...... ی...... ی' نی' لڑا کیونی...... ی...... ی...... ی'' گا کر بھنگڑا ڈالنا شروع کردیا۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ دونوں اپنی لڑائی بھول کر بے ساختہ ہنسنے لگیں۔ ایمن نے اپنا شغل جاری رکھا۔ اس کا بے ڈھنگا بھنگڑا دیکھ کر وہ چاروں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوگئیں تو وہ بھی ان کے پاس بیٹھ کر ہنسنے لگی تھی۔

الف اے میں مس صائمہ وقار نے انہیں نفسیات اتنے دلچسپ انداز میں پڑھائی تھی کہ ان کی تقریباً ساری کلاس نے بی اے میں بھی یہ مضمون لیا تھا مگر شومئی قسمت مس صائمہ کا ٹرانسفر ہوگیا اور ان کی جگہ مسز عباد نے چارج لے لیا تھا۔ یہ بھی کہیں سے ٹرانسفر ہو کر آئی تھیں۔ مسز عباد کا مزاج خشک تھا اور اسی انداز میں وہ نفسیات بھی پڑھاتی تھیں' اب آدھی سے زیادہ کلاس کو اس مضمون سے نفرت سی ہونے لگی تھی۔ فورتھ ائیر میں آ کر سب کو اس مضمون میں پاس ہونے کی فکر تھی۔ جویریہ کو یقین تھا کہ وہ انگلش میں پاس ہوجائے گی مگر نفسیات میں کبھی پاس نہیں ہوسکے گی اور وہ اپنے اس یقین کا راگ اکثر الاپتی رہتی تھی۔ وہ پانچوں نفسیات کے نظریات پر بحث کررہی تھیں۔ بتول ان چاروں کو رویوں کے بارے میں کچھ سمجھا رہی تھی۔

''تم لوگوں نے چینل 360 پر رات کو کیٹ واک دیکھی تھی' واہ کیا غضب کے ڈریسز تھے۔'' ان چاروں نے بتول کے اچانک پٹڑی سے اتر جانے پر سر اٹھا کر دیکھا تو اس نے نظروں سے ان کی پچھلی سمت اشارہ کیا۔ انہوں نے بیک وقت سر پیچھے موڑے تو صالحہ نظر آئی۔

''ہاں...... وہ جو سرخ رنگ کی فراک تھی میں سوچ رہی ہوں ایسی میں عید پر اپنے لیے بنوالوں۔'' ردا نے اپنا کردار بڑی مہارت سے نبھایا اور صالحہ جویریہ سمجھ کر آئی تھی کہ وہ لوگ پڑھائی کے بارے میں بات کررہی ہوں گی

Digitized by Google

ان کی باتیں سن کر اتنی مایوسی ہوئی کہ انہیں مخاطب کیے بغیر کھڑے کھڑے ہی پلٹ گئی۔ انہوں نے سکھ کا سانس لیا اور دوبارہ اپنے ٹاپک کی طرف آگئیں۔

میں تینوں سمجھاواں کی؟
نہ تیرے باجو لگدا جی
تو کی جانے پیار میرا
میں کراں انتظار تیرا

مسز عماد ٹائپ آف لرننگ پڑھا رہی تھیں کہ ایمن کی آواز پوری کلاس میں گونج اٹھی۔ ساری کلاس کو گویا سانپ سونگھ گیا اور مسز عماد کا غصے سے چہرہ سرخ ہوگیا مگر وہ آنکھیں بند کیے' کانوں میں ہینڈ فری لگائے' راحت فتح علی کا ساتھ دینے میں مصروف تھی۔ اس کی عادت تھی کہ وہ گانا سنتے ہوئے بے اختیار خود بھی اونچی آواز میں گانے لگتی تھی مگر کلاس میں ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ ایک تو آج اسے سیٹ سب سے پیچھے ملی تھی۔ دوسرے اس کا پڑھنے کا بالکل بھی موڈ نہیں تھا سو وہ ہینڈ فری لگا کر موبائل سے گانے سننے کی غلطی کر بیٹھی تھی۔ ایمن کے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی نے کہنی مار کر اسے خبردار کرنا چاہا مگر وہ ارد گرد سے بے نیاز گانا گانے میں مصروف رہی۔ ہوش تب آیا جب مسز عماد نے اس کی ہینڈ فری موبائل سمیت کھینچ لی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہیں شرم نہیں آتی' میں پڑھا رہی ہوں اور تم کانوں میں انہیں لگائے بے ہودہ گانے سن رہی ہو۔" مسز عماد بہت جلال میں تھیں۔

"وہ..... میں..... وہ..... میں۔" اس اچانک افتاد پر ایمن ہکلا کر رہ گئی۔

"شٹ اپ اینڈ آؤٹ۔" انہوں نے چلاتے ہوئے دروازے کی سمت اشارہ کیا۔ کلاس سے باہر نکلتے ہوئے ایمن نے مڑ کر اپنی چاروں سہیلیوں کو گھورا جو ہنسی چھپانے میں بے حال ہو رہی تھیں۔ وہ ان پر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر باہر نکل گئی۔

کلاس ختم ہونے کے بعد ان کا فری پیریڈ تھا۔ وہ چاروں ایمن کو ڈھونڈتے ہوئے کینٹین پہنچیں تو وہ آرام سے بیٹھی سموسہ کھا رہی تھی اور اس کے سامنے پلیٹ میں دو سموسے مزید رکھے ہوئے تھے۔ وہ سب بھی اسی ٹیبل پر آ بیٹھیں مگر وہ یوں لاتعلقی سے سموسہ کھاتی رہی جیسے انہیں جانتی تک نہ ہو۔ جویریہ نے پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ایمن نے پلیٹ اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لی اور اسے کینہ توز نظروں سے گھورنے لگی۔

"تم سب لوگ بہت ہی گھٹیا ہو' میرے لیے اپنے ساتھ سیٹ کیوں نہیں رکھی۔ تم لوگوں کی وجہ سے ساری کلاس کے سامنے میری کتنی بے عزتی ہوئی۔ تم لوگوں کو کچھ اندازہ ہے اس بات کا؟" وہ روہانسی ہوئی۔

"ہماری وجہ سے؟" بتول سے یہ الزام برداشت نہ ہوسکا۔

"تو اور کیا آگے بیٹھ کر پھر بھی کچھ نہ کچھ سمجھ آجاتا ہے۔ پیچھے بیٹھ کر تو بوریت سے نیند آرہی تھی اس لیے میں نے ہینڈ فری لگالی تھی۔" ایمن نے اپنی صفائی پیش کی۔

"ہم نے تمہاری سیٹ رکھی تھی مگر تمہیں بھی تو روز لیٹ آنے کی عادت ہوگئی ہے۔ مسز عماد نے غلطی کو وہاں بٹھا دیا اور کہنے لگیں کہ بعد میں آنے والے کو پیچھے بیٹھنا چاہیے۔ اب ہم کیا کر سکتے تھے۔" ردا نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔ جبکہ اس دوران ماریہ اس کی پلیٹ سے ایک سموسہ اڑا چکی تھی۔

"سنو....." وہ فری پیریڈ میں سائنس بلاک کے برآمدے میں بیٹھ کر ٹیسٹ کی تیاری کر رہی تھیں جب صالحہ اچانک وہاں چلی آئی اور وہ سب یوں بے خبری میں پکڑے جانے پر بے چارگی کی تصویر بن گئیں۔ اگر جو اس کی آمد کی اطلاع ہو جاتی تو ابھی یہاں کچھ اور ہی باتیں ہو رہی ہوتیں۔ صالحہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"تم لوگ ٹیسٹ کی تیاری کر رہی ہو؟" اس نے ماریہ

Digitized by Google

کے ہاتھ سے کاپی چھین کر پڑھنا شروع کردیا۔ ماریہ نے بے بسی کی تصویر بن کر ان سب کو دیکھا پھر جو اس نے ان کا سر کھایا تو چپ تب ہوئی جب وہ تقریباً بے ہوش ہونے کے قریب تھیں۔

"ہاں..... اب بتاؤ تم لوگ کیسے تیاری کرتے ہو؟" اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"اسی طرح جیسے آپ نے ابھی ہمیں بتایا۔" ردا نے روکھا سا جواب دیا۔

"بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ آپ کی تیاری ہم سے کہیں اچھی ہے۔ کیوں ایمن؟" اب کے بتول بولی۔

"لیکن مجھے لگتا ہے کہ تم لوگ زیادہ اچھے طریقے سے کام کرتے ہو۔ پلیز تم لوگ مجھے اپنے گروپ میں شامل کرلو۔" اس نے حسب عادت درخواست کی۔

"ارے مس عظمیٰ کی کلاس ہے چلو جلدی ہم لیٹ ہورہے ہیں۔" جویریہ نے جلدی مچائی تو وہ صالحہ سے معذرت کرکے وہاں سے رفو چکر ہوگئیں۔ مس عظمیٰ چھٹی پر تھیں سو وہ پھر اپنے ٹھکانے پر جا پہنچیں۔

"اف مجھے سمجھ نہیں آتا کہ صالحہ کو خود پر یقین کیوں نہیں ہے۔ کیوں یہ ہمارا سر کھاتی رہتی ہے؟" ردا نے بے دم ہوکر جویریہ کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ صالحہ نے آج پورا آدھا گھنٹہ ان کا سر کھایا تھا۔

"کیونکہ اسے یقین ہے کہ پیپر دیکھ کر اس کا ہاسا نکل جائے گا۔" ایمن کی اس بے تکی بات پر سب نے اسے گھورا۔

"ہاں..... وہ میں نے ایک کالم میں پڑھا تھا۔" ان چاروں نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"اف بیان کالمانہ تم بھی ناں اب ہمیں پورا ایک کالم سننا پڑے گا۔" ردا نے صدمے سے کہا۔

"سن تو قسم سے بہت دلچسپ ہے۔" ایمن نے انہیں لالچ دیا۔ سر پیٹ لینے کے باوجود وہ سب کالم سننے کے لیے تیار تھیں کہ جو بھی تھا ایمن کالم کی معلومات بڑے دلچسپ انداز میں بیان کرتی تھی۔

"چلو..... پھوٹو اب..... ورنہ تمہارے پیٹ میں درد رہے گا۔" ماریہ نے مصنوعی بے زاری سے کہا۔

"اچھا چلو آج میں پورا کالم نہیں سناتی بس ہاسا نکل جانے والا واقعہ سنا دیتی ہوں۔" ایمن نے ان پر احسان عظیم کیا۔

"میں نے ایک کالم میں پڑھا تھا کہ کسی نے چیل سے پوچھا کہ تم اتنا اونچا اڑتی ہو تمہاری نظر اتنی تیز ہے طاقت ور ہو چونچ مضبوط ہے پھر بھی مردار کھاتی ہو خود شکار کیوں نہیں کرتی؟ وہ بولی..... بھائی میں جب بھی کسی پر شکار کی نیت سے جھپٹنے لگتی ہوں تو میرا ہاسا نکل جاتا ہے اور میں شکار نہیں کر پاتی۔" وہ ایک لمحے کو رکی۔

"صالحہ کا بھی یہی حال ہے کہ اسے یقین ہے کہ پیپر دیکھ کر اس کا ہاسا نکل جائے گا اور وہ پیپر حل نہیں کرسکے گی۔ اس لیے وہ پریشان پھرتی ہے۔" ایمن کی بات ان کے سر کے اوپر سے گزر گئی کہ ہاسا نکل جانے کا پیپر حل کرنے سے بھلا کیا تعلق مگر وہ چاروں زور و شور سے سر ہلانے لگیں۔ اگر ایمن کو بھنک بھی پڑ جاتی کہ انہیں سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے تو وہ ان کی عقل پر چار حرف بھیج کر اس کی تفصیل سمجھانا شروع کردیتی اور اس وقت وہ ایسی کسی تفصیل کو سننے یا سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

❀.....❀.....❀

"سن نی بادامی اکھاں والی اے۔" ایمن نے بتول کو پکارا۔ اس کی آنکھوں کی بادامی شکل کی وجہ سے وہ اسے اکثر ایسے ہی پکارتی تھی۔ ویسے بھی وہ ہر گانے میں حسب ضرورت تبدیلی کو اپنا حق سمجھتی تھی۔ بتول دی میکلیس کی تھیم رٹنے میں مصروف تھی۔ اس نے اس کی پکار پر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرا والٹ گھر رہ گیا ہے اور باہر گولے والا آیا ہے مجھے گولا کھانا ہے۔" ایمن نے معصومیت سے کہا۔

"ایک میرے لیے بھی لے لینا۔" بتول نے سو روپے کا نوٹ اس کی طرف بڑھایا۔

Digitized by Google

"میرا گولا؟" تھوڑی دیر بعد ایمن بتول کو بقایا روپے دینے آئی تو اس نے پوچھا۔

"ہیں تم نے کب منگوایا تھا؟" اس نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔ بتول نے اس کی یادداشت پر دو حرف بھیجے اور بقایا پیسے گنے تو دو گولوں کی قیمت جتنے روپے کم تھے۔

"تم نے دو گولے لیے تھے پھر مجھے کیوں نہیں دیا؟" بتول روہانسے کو ہوئی۔

"وہ دونوں تو میں نے خود ہی کھا لیے تھے۔" ایمن یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ گئی اور بتول اس کے ندیدے پن پر افسوس سے سر ہلا کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

وہ پانچوں مسز عماد سے ایک سوال نامہ فائنل کروا کر اسٹاف روم سے باہر نکلیں اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ پورا ایک ہفتہ وہ لوگ اس کے پیچھے خوار ہوئی تھیں اور تقریباً سات دفعہ تبدیلی کروانے کے بعد کہیں جا کر اسے فائنل کیا گیا تھا۔ اب ان کا ارادہ سیدھا کینٹین جانے کا تھا۔ کوریڈور سے گزر کر وہ لوگ سائنس بلاک کے ساتھ بنی کینٹین میں آگئیں۔ وہ سب اپنے اپنے آرڈر کی منتظر تھیں جب انہیں اپنی کلاس فیلو نازیہ کی آواز سنائی دی۔

"ایمن..... روا۔" پکارا تو دو کو گیا تھا مگر پورا گروپ ادھر متوجہ ہوگیا تھا۔

"تم لوگ فارغ ہو کر ادھر آجاؤ میں اپنے بھائی کی شادی کی تصویریں لائی ہوں تم بھی دیکھ لو۔" ان کے متوجہ ہونے پر اس نے اونچی آواز سے کہا۔ وہ اپنی چند دوستوں کے ساتھ تھوڑے فاصلے پر تھی۔

"ہاں ہم بھی آرہے ہیں۔" سدا کی شوقین جویریہ نے فوراً کہا۔

وہ سب تصویریں دیکھنے لگیں۔ دلہن بہت خوب صورت تھی۔ البتہ دلہے کا رنگ گہرا سانولا مگر نقوش جاذب نظر تھے۔ دلہا آرمی آفیسر تھا۔ ہر تصویر میں دونوں بہت خوش نظر آرہے تھے۔ نازیہ ایک ایک کے بارے میں بتا رہی تھی۔ وہ سب بہت غور سے سن رہی تھیں اور پُرشوق انداز میں تصویریں دیکھنے میں منہمک تھیں کہ اچانک ماریہ کفن پھاڑ کر بول اٹھی۔

"لو..... دلہن اتنی پیاری اور دلہا دیکھو ذرا جیسے ابھی گٹر سے نکالا ہو۔" وہ گورے رنگ کی شائق تھی۔ اب جو دلہے کا سانولا رنگ دیکھا تو بغیر سوچے سمجھے بول پڑی۔ اس کے ان کمنٹس پر ہر کوئی حیران رہ گیا۔ سب سے پہلے بتول کا سکتہ ٹوٹا۔

"ماریہ..... تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟ اتنا ڈشنگ بندہ ہے اور تم فضول بکواس کر رہی ہو۔" باقی سب نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"تم جاؤ یہاں سے ہمیں آرام سے تصویریں دیکھنے دو۔" ردا نے بھی اسے گھورا تو وہ واک آؤٹ کر گئی۔

ان چاروں نے فوراً نازیہ سے معافی مانگی اور ماریہ کی بات کا اثر زائل کرنے کے لیے دلہا دلہن کی تعریفوں میں رطب اللسان ہوگئیں کہ واقعی جوڑی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی اتنی غلط بات کرنے کی۔" جویریہ اور بتول نے ماریہ کو لتاڑا۔

"ہاں تو اور کیا وہ تو شکر ہے کہ نازیہ خاموش رہی ورنہ اچھا خاصہ ہنگامہ ہوجاتا۔" ردا اور ایمن بولیں۔

"بھئی جو حقیقت تھی وہی بیان کی ہے میں نے۔ اب کسی کو برا لگتا ہے تو لگتا رہے تم لوگ تو خوامخواہ میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔" ماریہ ہنوز اکڑی ہوئی تھی۔

"تمہاری باتیں سن کر بے چاری نازیہ کا دل ٹوٹ گیا ہوگا۔" بتول بولی۔

"تو اور کیا انسان کسی کی ہڈی بے شک توڑ دے مگر دل نہ توڑے۔ دل تو ایک ہی ہوتا ہے ناں اور ہڈیاں اتنی زیادہ پھر ہڈی ٹوٹ جائے تو جڑ بھی جاتی ہے مگر ٹوٹا ہوا دل نہیں جڑتا۔" جویریہ نے فلسفہ جھاڑا۔

وہ لاکھ شغل کرتی تھیں مگر کسی کی غلط بات کی حمایت نہیں کرتی تھیں۔ لہٰذا اب بھی وہ اس کے پیچھے پڑ گئی

Digitized by Google

تھیں۔

"اچھا بس' اب معاف کردو مجھے..... بس اچانک میرے منہ سے نکل گیا تھا۔ تم لوگ تو جان کو آ گئی ہو۔" اس نے جان چھڑانا چاہی جو کہ اتنا آسان نہیں تھا۔

"کتنی دفعہ کہا ہے کہ سوچ سمجھ کر بولا کرو مگر مجال ہے کہ تم اپنی زبان پر قابو رکھو..... جس بات پر بندے کا اختیار نہ ہو اس پر اسے تضحیک کا نشانہ کیوں بنایا جائے؟ اور ویسے بھی اخلاق اچھا ہونا چاہیے۔ شکل سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اچھا خاصا تو ہے نازیہ کا بھائی اور مرد تو سانولے ہی اچھے لگتے ہیں۔" ردا نے اپنا نکتہ نظر بیان کیا۔

"اچھا مرد تم' میری طرف سے کسی کالے حبشی سے شادی کرلینا۔ اب میری جان چھوڑ دو میں نازیہ سے سوری کرلوں گی۔" ماریہ جھنجھلائی اور ان چاروں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

جویریہ اور ردا لائبریری کی سیڑھیوں کے دائیں جانب بالکونی میں اداس بیٹھی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں نمی تھی۔ ایمن' ماریہ اور بتول وہاں آئیں تو انہیں دیکھ کر چونکیں۔

"تمہیں کیا ہوا؟" ماریہ اور بتول کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"عالم نے زہر پی کر خودکشی کرلی۔" جویریہ کے آنسو گالوں پر لڑھک گئے۔

"کون عالم.....! تمہارا کوئی رشتہ دار تھا کیا؟" ایمن نے دماغ پر زور دینے کے باوجود اپنے رشتہ داروں میں اس نام کا کوئی شخص یاد نہ آیا تو وہ قدرے مطمئن ہوئی۔

"کون تھا بتاؤ جلدی؟" بتول بھی پریشان ہوئی۔

"جو چلے تو جاں سے گزر گئے..... کی ہیروئن کا شوہر تھا۔ بے چارا اپنی معذوری برداشت نہ کرسکا۔" ردا نے غمگین انداز میں اطلاع دی تو ایمن کا دل چاہا کہ وہ سر پیٹ لے مگر اپنا نہیں ان دونوں کا۔

دونوں کو لو اسٹوریز پڑھنے اور ہیرو ہیروئن کی تکلیف پر شد و مد سے آنسو بہانے کا جنون تھا۔ اپنی پسندیدہ کہانیاں کئی کئی بار پڑھتی تھیں اور ہر بار مزاحیہ منظر پر یوں ہنستیں جیسے پہلی بار پڑھ رہی ہوں اور ہر غمگین منظر پر ان کے آنسو یوں بہتے جیسے سب کچھ حقیقت میں ان کے سامنے ہو رہا ہو مگر آج سے پہلے اس طرح کی صورت حال پیش نہیں آئی تھی کہ ان کا رونا ان سب کو دہلا گیا ہو۔

"توبہ استغفار۔" ایمن نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"ہائے بے چاری..... لڑکیاں..... کیسے کیسے غم ہیں انہیں..... توبہ..... توبہ۔" ماریہ اور بتول نے مل کر ان دونوں کا وہ مذاق بنایا کہ دونوں کو وہاں سے بھاگتے ہی بنی۔ دونوں اچھی خاصی بے عزتی کروانے کے بعد لائبریری کی سیڑھیاں اتر رہی تھیں کہ انہیں صالحہ نظر آئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نظروں ہی نظروں میں اشارہ کیا اور آج پہلی دفعہ ان دونوں نے اسے خود متوجہ کیا۔

"صالحہ..... آپ اوپر چلی جائیں ایمن' بتول اور ماریہ وہیں ہیں..... آپ وہاں چل کر بیٹھیں ہم دونوں کھانے کو کچھ لے کر آتے ہیں۔" انھوں نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

"اب وہ تینوں ہماری بے عزتی کرنے کا نتیجہ بھگتیں گی اور یاد کریں گی کہ کن سے پنگا لیا تھا۔" جویریہ اور ردا اسے سیڑھیاں چڑھتے دیکھ کر مسکرائیں اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کینٹین کی طرف چلی گئیں۔

❁.....❁.....❁

ماہیا جے میں کبوتری ہواں
تیرے پچھے پچھے اڈدی آنواں

ایمن نے پاکستانی گانے کی ٹانگیں بازو سب کچھ توڑ دیا تھا لیکن پھر بھی صبح سے اسے گنگنائے جا رہی تھی۔ اس کی عادت تھی کہ جو گانا اس کی زبان پر چڑھ جاتا پھر چاہے وہ اسے یاد ہو یا نہ وہ الٹے سیدھے الفاظ جوڑ کر تان سے تان ملا ملا کر گائے جاتی اور وہ چاروں سن سن کر کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتیں۔ آج صبح سے وہ اس کی "ماہیا جے میں کبوتری ہواں" سن سن کر اکتا چکی تھیں۔ آدھا دن

Digitized by Google

گزارنے کے بعد وہ گنگنانے سے باز نہ آئی تو ماریہ جیسے جلتے توے پر جا بیٹھی۔ اس نے پیچھے سے جا کر سختی سے اس کا منہ بند کردیا پھر باقیوں کو مخاطب کیا۔

"پہلے اس کبوتری کو کسی کابک میں بند کرکے آؤ ورنہ میں نے اسے جان سے ماردینا ہے۔ غضب خدا کا ایک آواز اتنی بھونڈی اور دوسرے گانا سنو ذرا۔" وہ پرانے گانوں سے الرجک تھی۔

"ہیں کیوں ماردوگی؟ میرے ابا' اماں نے آج تک مجھ پر جو اتنا خرچ کیا ہے اس کا کیا؟ تم کیوں انہیں مالی نقصان سے دوچار کرنا چاہتی ہو۔" ایمن کو ماردینے والی بات بری لگی۔

"میں تو ان کے مالی فائدے کی بات کررہی ہوں۔" ماریہ نے اس کے جلنے کا مزا لیا۔

"وہ کیسے؟"

"تمہارے مرنے سے ان کا مستقبل کا ایک بڑا خرچ بچ جائے گا۔" ماریہ نے مسکراہٹ چھپا کر کہا تو ایمن نے اسے کڑے تیوروں سے گھور کر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔

"تم سب چپ کر جاؤ اور شارٹ اسٹوری کے سوالات دہرالو اگلے پیریڈ میں ٹیسٹ ہے۔" ردا نے سب کو خبردار کیا تو سب شرافت سے اپنی اپنی کتابیں کھول کر بیٹھ گئیں۔ ایمن نے کتاب کھولنے سے پہلے ماریہ کو کینہ توز نظروں سے گھور کر دیکھا مگر ماریہ نے اس کی اس گھوری کو کمال بے نیازی سے نظر انداز کرکے کتاب اپنے چہرے کے سامنے کرلی تھی۔

....

"واہ...... واہ جویریہ...... تم نے تو انی پادی ہے نفسیات میں ٹاپ کرکے اور وہ بھی مسز عماد سے۔" رزلٹ کی لسٹیں دیکھتے ہوئے ردا جویریہ کی اس کامیابی پر جھوم اٹھی اور وہ ابھی تک بے یقین سی تھی۔

وہ فیل ہوکر اپنی اماں کے جوتے کھانے کے ڈر سے اس مضمون پر سب سے زیادہ توجہ دیتی رہی تھی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ اس کے سب سے زیادہ نمبر آجاتے۔ یہ جویریہ کا بالکل ذاتی خیال تھا۔

"چلو تمہارے ڈرنے تمہیں ایک بہت بڑی کامیابی دلوادی۔" ماریہ نے اسے تھپکی دی۔

"ہوش کرو...... ہوش۔" ایمن نے اسے ساکت کھڑے دیکھ کر جھنجھوڑا۔

وہ نوٹس بورڈ کے قریب گئی تین بار اپنا نام' رول نمبر اور مارکس چیک کیے' مڑ کر ان کے پاس آئی جواب نوٹس بورڈ سے ذرا ہٹ کر کھڑی تھیں' پھر جو اس نے ڈانس کرنا شروع کیا تو لڑکیاں مڑ مڑ کر اسے دیکھنے لگیں اور وہ چاروں ہنستے ہوئے اسے گھسیٹ کر کینٹین لے گئیں تاکہ اس کی جیب خالی کرواسکیں۔ جویریہ ان کے گروپ میں سب سے زیادہ کنجوس تھی۔ کینٹین پہنچ کر سب نے اپنا اپنا آڈر دیا۔

"دو سموسے ڈھیر ساری چٹنی کے ساتھ' ایک آلو چنے تیز مرچوں کے ساتھ اور ایک ٹھنڈی ٹھار بوتل۔" بتول نے اپنا آڈر دیا۔ آج جیب کسی اور کی تھی تو پھر سوچ کر کھانے کی کیا ضرورت تھی۔ ویسے بھی پچھلے کئی روز سے وہ "کچھ اچھا" بلکہ "نہیں کچھ" "کھٹا" کھانے کو ترس گئی تھی۔

"مانا کہ آج پیسے تم نے نہیں دینے مگر یہ تو سوچو تم آج کل پرہیزی کھانے پر ہو' اپنے گلے کا حشر دیکھو' شدید کھانسی اور نزلہ ہے تمہیں اور تم ایسی بد پرہیزی کررہی ہو۔" ماریہ نے اسے ٹوکا تو اس نے برا سا منہ بنایا۔

"ڈاکٹر صاحب نے مجھے جو پرہیز بتایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ہر وہ چیز کھاسکتی ہوں' جسے کھانے کو میرا دل نہ چاہے۔ میں پچھلے تین روز سے گھٹ گھٹ کر جی رہی ہوں۔ اس وقت میرا دل یہی سب کھانے کو چاہ رہا' تم سب کی بھلائی اسی میں ہے کہ خاموش رہو۔ میں جویریہ کی محبت میں یہ سب کھاؤں گی' چاہے میرا گلا بالکل بند ہوجائے کیونکہ اصل دوست وہی ہوتا ہے جو اپنے دوست کی خوشی میں جان قربان کردے۔" بتول سوپ' کھچڑی' ڈبل روٹی وغیرہ کھا کھا کر اوب گئی تھی سو عجیب و

Digitized by Google

غریب تاویلیں گھڑنے لگی۔ گھر میں وہ امی کی کڑی نگرانی کی وجہ سے کوئی بد پرہیزی نہیں کر پا رہی تھی اب موقع ملا تو اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔

"وہ تو آج یہ سب کھا کر تم واقعی دوست پر قربان ہو جاؤ گی۔" ایمن نے طنز کیا جسے خاطر میں لائے بغیر وہ مسکرائی اور اپنے آڈر کا انتظار کرنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ پانچوں فرسٹ فلور پر لائبریری کے کوریڈور میں اپنی پسندیدہ جگہ پر بیٹھ کر اسائنمنٹ مکمل کر رہی تھیں۔ باقی سارا کوریڈور خالی تھا۔ جب ساریہ کی آواز سنائی دی۔ وہ نیچے کھڑی اونچی آواز میں بات کر رہی تھی۔

"یہ دیکھو میرا نیا اسمارٹ فون۔ اس میں ہر چیز بہت فاسٹ ہے۔" ساریہ امیر باپ کی بگڑی ہوئی اولاد تھی۔ مارکیٹ میں آنے والا ہر نیا اسمارٹ فون خریدنا اس کا مشغلہ تھا۔ وہ یہ فون خرید کر کالج میں ہر ایک کو دکھاتی اور اس کی قیمت اور فیچرز بڑے فخر سے بیان کرتی۔ لڑکیاں مکھیوں کی طرح اس کے اردگرد جمع ہو کر اس کے فون کا دیدار کرتیں۔ البتہ سمجھ دار اور سنجیدہ لڑکیاں اس سے دور ہی رہتی تھیں۔ ان کے گروپ کی بھی اس سے کم ہی بنتی تھی اس کی وجہ صرف اور صرف اس کا تکبرانہ انداز تھا۔ اب بھی وہ اس کی لن ترانیاں سن رہی تھیں جب اچانک ساریہ کے چیخنے کی آواز آئی۔

"جاہل لڑکی میرے فون کی اسکرین پر گندی انگلیاں لگا دیں۔ سارے فون کا ستیاناس کر دیا۔ تمہارے باپ کے آدھے سال کی تنخواہ کے برابر قیمت ہے اس کی۔" وہ تانیہ کی بے عزتی کر رہی تھی جس کی انگلیاں غلطی سے اس کے فون کی اسکرین پر لگ گئی تھیں۔ تانیہ ان کی بہت ذہین کلاس فیلو تھی جو اس کالج میں وظیفے پر پڑھ رہی تھی۔ تانیہ اتنے لوگوں میں بے عزتی کے احساس سے رونے لگی۔ ایمن نے اٹھ کر نیچے جھانکا پھر ان سے کہا۔

"تم سب لوگ اپنا اپنا سامان سمیٹ لو۔" ایمن مڑ کر اپنا سامان سمیٹنے لگی۔

"اور جب میں ایک دو تین کہوں تو بھاگنا شروع کر دینا۔" وہ انہیں مسلسل ہدایات دے رہی تھی اور وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی اس کی ہدایات پر عمل کر رہی تھیں۔ ایمن نے پانی کی بوتل کھولی آدھا پانی پیا اور قدرے ہٹ کر پانی نیچے گرانے لگی۔ وہ جو تانیہ کی بے عزتی میں مصروف تھی ہڑبڑا کر اوپر دیکھنے لگی مگر وہاں صرف بوتل کا منہ نظر آ رہا تھا اس نے اپنے نئے نکور فون کی حالت دیکھی۔

"ایک دو تین....." ایمن بیگ تھام کر بھاگ اٹھی تو وہ تینوں بھی اس کے پیچھے بھاگنے لگیں۔ پانچوں تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگیں۔ پچھلے گراؤنڈ میں آئیں اور ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئیں۔

"یار تم نے ساریہ کو بہت اچھی سزا دی۔ بے چاری تانیہ کی اتنی بے عزتی کر رہی تھی۔" ردا نے ایمن کو سراہا۔

"ہاں اسے یہ سبق سکھانا ضروری ہو گیا تھا کہ انسان زیادہ اہم ہوتے ہیں چیزیں نہیں۔" ایمن کے تصور میں ابھی بھی روتی ہوئی تانیہ تھی سو اس نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

ساریہ ہوش میں آئی تو بھاگ کر اوپر گئی مگر وہاں کوریڈور خالی تھا۔ وہ پیر پٹختے واپس چلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

ان کے فائنل ایگزامز قریب تھے۔ وہ پڑھنے میں سیریس ہو چکی تھیں۔ پھر بھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئی تھیں۔ آج ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ بارش سے لطف اندوز ہوتے وہ کالج کے داخلی دروازے کے سامنے بنے برآمدے میں آن کھڑی ہوئی تھیں۔

"بہت دنوں سے صالحہ نظر نہیں آئی۔" ایمن کو اس کی یاد ستائی۔

اس کا اتنا کہنا ہی تھا کہ داخلی دروازے سے صالحہ اندر آئی۔ بارش کی وجہ سے اس نے چھتری تان رکھی تھی۔ انہیں دیکھ کر سیدھا وہیں چلی آئی اور بغیر دعا سلام کے اپنے مخصوص انداز میں شروع ہو گئی۔

Digitized by Google

"سنو......تم لوگوں کے پاس اتنا ٹائم کیسے بچ جاتا ہے کہ تم بارش بھی انجوائے کررہی ہو۔ میں تو سارا دن اور ساری رات پڑھتی رہتی ہوں پھر بھی مطمئن نہیں ہو پاتی۔" اس نے حیرت سے ان کے فریش چہروں کو دیکھا۔

"وہ اس لیے کہ آپ مطمئن ہونا نہیں چاہتیں۔" ماریہ نے طنز کیا مگر مجال ہے جو ادھر کوئی اثر ہوا ہو۔

"بس کیا کروں؟" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"آپ پڑھنے کے ساتھ اپنی صحت کا بھی خیال رکھیں ورنہ پیپرز کیسے دیں گی۔" اب کے ردا نے مشورہ دیا۔ اس مشورے پر اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور پھر کچھ یاد آنے پر ایک دم بولی۔

"ارے......میں تو مسز عابد سے ملنے آئی تھی۔ اچھا اللہ حافظ۔" وہ سر پر ہاتھ مارتے ہوئے اسٹاف روم کی طرف چلی گئی تو ان لوگوں نے اتنی جلدی جان چھوٹ جانے پر اللہ کا شکرادا کیا۔

❀......❀......❀

امتحانات قریب آنے پر وہ سب اداس تھیں کہ امتحانات کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گی۔

"تم سب تو شادیاں کروا کر چلی جاؤ گی میرا کیا ہوگا؟" ایمن کو آج کل یہی غم ستائے جارہا تھا۔

ماریہ اور جویریہ کزنز تھیں اور دونوں ایک دوسرے کے بھائیوں سے منسوب بھی تھیں۔ بتول بھی منگنی شدہ تھی۔ پیچھے رہ گئیں وہ اور ردا۔ وہ جب بھی یہ واویلا کرتی ردا اسے تسلی دیتی۔ اب بھی وہ اس کے انداز پر ہنس پڑی۔

"اچھا ہے ناں! ہم دونوں پہلے اکٹھے ماسٹرز کریں گے اور پھر شادی۔ تم بے فکر رہو میں تمہاری شادی اپنی شادی والے دن ہی کرواؤں گی۔" ردا نے اسے گلے لگاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"ارے ہٹو......تم نے مجھے پاگل سمجھا ہے۔ ماسٹرز تو چلو اکٹھے ہوگیا...... یہ اکٹھے شادی کیسے ہوگی؟" ایمن نے خاصا برا مانا۔ چاروں کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ خود بھی خفت سے مسکرادی۔ وہ سب چھٹی کے بعد اپنی اپنی وین کے انتظار میں کالج گیٹ کے باہر بنے اس گول چبوترے پر بیٹھی ہوئی تھیں جس پر برگد کے درخت کا سایہ رہتا تھا۔

"اوہ......نو......میں اپنی پریکٹیکل کاپی لائبریری میں بھول آئی ہوں ابھی لے کر آتی ہوں۔" ردا کو اچانک یاد آیا تو وہ اندر بھاگ گئی۔

"تمہیں شادی کروانے کا اتنا شوق ہے تو تم کچھ کرتی کیوں نہیں؟" بتول نے اسے چھیڑا۔

"کیا کروں......بتاؤ؟ اب کیا راہ چلتے لڑکوں کو روک کر کہوں کہ مجھ سے شادی کرلو۔" ایمن شدید غصے میں آگئی اور لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچانچا کر بولنے لگی۔

"یار...... وہ صرف تمہیں تنگ کررہی ہیں۔" ماریہ نے تسلی دی۔

"کہہ بھی سکتی ہو۔" جویریہ ابھی تک اس کی راہ چلتے لڑکوں والی بات میں الجھی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب؟" ایمن نے نتھنے پھلائے۔

"وہ دیکھو۔" اس نے آنکھ کے اشارے سے ایک طرف اشارہ کیا تو وہاں ایک ہینڈسم سا جوان متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ چھٹی ہوچکی تھی لڑکیوں کا ایک جم غفیر تھا۔ ایمن کی رگ شرارت پھڑک اٹھی۔

"اچھا کہہ کر آتی ہوں۔" وہ اٹھنے کے لیے پر تولنے لگی۔

"چلو اگر تم کہہ آئیں تو میں تمہیں برگر کھلاؤں گی۔" کنجوس جویریہ نے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔

جویریہ کو یقین تھا کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کرے گی اور نہ ہی اسے برگر کھلانا پڑے گا سو آرام سے شرط لگالی۔ جویریہ جیسی کنجوس کی جیب سے یہ خاصی پرکشش آفر تھی۔ ایمن بغیر سوچے سمجھے اٹھی اور جاکر اس لڑکے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ وہ ابھی بھی کسی کو تلاش کررہا تھا۔ اسے اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر اسد نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر اپنے سابقہ عمل میں مصروف ہوگیا۔

"ایکسکیوز می...... کیا آپ مجھ سے شادی کریں

Digitized by Google

گے؟" وہ نوجوان پہلے تو اس کی بات پر ششدر رہ گیا اور پھر اس کے چہرے پر جلال چھا گیا۔ اس کے غصیلے تاثرات دیکھ کر ایمن کو یک دم اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ جوان اسے جواب میں کھری کھری سناتا ایمن ایک دم بولنا شروع ہوگئی۔

"سو...... سوری...... وہ وہ پلیز مجھے غلط مت سمجھیے گا۔ میں نے تو برگر کی شرط جیتنے کے لیے یہ سب کیا ہے۔" وہ اسے بولنے کا موقع دیے بغیر پلٹ کر بھاگی اور کالج کے اندر چلی گئی۔

چبوترے پر بیٹھی ہوئی بتول، ماریہ اور جویریہ نے اس کی اس حرکت پر سر پیٹ لیا۔ مذاق مذاق میں بات اتنی آگے بڑھ گئی لیکن آج تو حد ہوگئی تھی۔ وہ تو مذاق کر رہی تھیں اور وہ سچ مچ اس کے پاس چلی گئی۔ انہیں ایمن جیسی سمجھ دار لڑکی سے یہ توقع نہیں تھی۔ وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے کالج کے اندر گئیں تو وہ مین ہال کے پاس سہمی ہوئی کھڑی نظر آئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر لڑکا اس پر چیخنا چلانا شروع کر دیتا تو اس کی کیا عزت رہ جاتی۔

"ایمن حد ہوتی ہے بے وقوفی کی، تمہیں کیا ضرورت تھی اس سے یہ سب کہنے کی؟ بڑی بہادر بنتی ہو۔" وہ تینوں اس پر چڑھ دوڑیں حالانکہ اس وقت سب ہی شرارت کے موڈ میں تھیں مگر اب شامت ایمن کی آگئی تھی۔

"بس غلطی ہوگئی۔ اس کے سامنے یہ سب بولنے کے بعد مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوگیا تھا۔ اس سے پہلے تو مجھے صرف برگر کا خیال تھا مگر اب مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے اگر اس لڑکے نے اگر میری شکایت کردی تو......؟" ایمن نے پہلی بار بغیر کسی پس و پیش کے اپنا قصور مان لیا تھا۔ وہ باقاعدہ لرز رہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی مگر چند آنسو اس کے گالوں پر لڑھک گئے تھے۔

"چلو اچھا...... اب ڈرو نہیں، اسے کون سا تمہارا نام معلوم ہے۔ ویسے بھی اسے آج پہلی دفعہ یہاں دیکھا ہے۔ تم ریلیکس ہو جاؤ۔" بتول کو اس کی حالت پر ترس آیا تو اسے تسلی دی۔

ردا واپس آئی تو چبوترہ خالی تھا۔ وہ سمجھی کہ ان کی دین آگئی ہوگی اور وہ چلی گئی ہوں گی۔ اسے ابھی تھوڑی دیر پہلے اسد بھائی کی کال آئی تھی کہ آج وہ اسے پک کریں گے۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے اسد بھائی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تو وہ انہیں اپنی گاڑی کے پاس کھڑے نظر آئے۔ وہ جلدی سے ان تک پہنچی۔

"السلام علیکم بھائی......"

"وعلیکم السلام...... چلو جلدی بیٹھو۔" وہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔

"کیا ہوا بھائی، آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں؟" ردا نے ان کے تاثرات کا جائزہ لیا۔

وہ خاموشی سے گاڑی چلا رہے تھے۔ انہیں اس لڑکی پر شدید غصہ آرہا تھا جس نے بے شرموں کی طرح خود اسے شادی کی پیشکش کی تھی۔

"اس طرح کی لڑکیوں کا بھی کیا کردار ہوتا ہے۔ انہیں اپنی تو کیا اپنے ماں باپ کی عزت کا بھی خیال نہیں ہوتا۔ تھوڑی دیر رکتی تو ایک زور کا جھانپڑ رسید کرتا تاکہ اسے یاد رہتا کہ ایسی حرکت کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔" وہ سوچ رہا تھا اور اس کا غصہ کم ہونے کی بجائے بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ ردا کی باتوں کا جواب بھی نہیں دے پا رہا تھا۔

"بھائی...... بھائی...... کیا بات ہے؟" ردا نے پریشانی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر استفسار کیا تو اسد نے اس کی طرف دیکھ کر گہری سانس بھری اور خود پر قابو پا کر ہلکا سا مسکرایا۔

"میں اپنا امریکہ کا ٹکٹ کنفرم کروانے آیا تھا۔ سوچا تمہیں بھی پک کرلوں۔ اگلے ہفتے کی سیٹ کنفرم ہوگئی ہے میری۔" وہ اپنی اس کیفیت سے نکلتے ہوئے اس سے ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگا۔ اس نے ردا کو کچھ بھی بتانے

Digitized by Google

سے گریز کیا تھا۔

"پھر تو آپ سے ڈیڑھ سال بعد ہی ملاقات ہوگی۔"

وہ تھوڑی اداس ہوئی۔

"ڈیڑھ سال کا کیا ہے یوں چٹکی بجاتے گزر جائیں گے...... میرا بس آخری سال رہ گیا ہے پھر وہاں چھ ماہ کی انٹرن شپ اور اس کے بعد پاکستان واپسی...... میں کون سا وہاں سیٹل ہونے جارہا ہوں۔ اچھا چلو موڈ ٹھیک کرو۔ آج ہم تمہاری پسندیدہ جگہ سے آئس کریم کھاتے ہیں۔" اسد اس کا سر تھپک کر مسکرایا تو وہ بھی مسکرادی تھی۔

"تمہیں یہ سب کرتے ہوئے ذرا شرم نہیں آئی...... تم کیا جانتی نہیں ہو کہ لڑکیوں کی عزت نازک آبگینوں کی طرح ہوتی ہے جو ذرا سی ٹھیس لگنے سے چکنا چور ہوجاتی ہے۔ برگر کھانے کو مر رہی تھیں تو مجھ سے کہتیں میں کھلا دیتی۔ اب جو اس نے تمہارا پیچھا کیا تو کیا کرلو گی تم؟ سوچو تمہاری اس بے وقوفی کا کتنا خطرناک نتیجہ نکل سکتا ہے۔" اگلے روز ردا کو اس کی اس حرکت کا علم ہوا تو اس نے اس کے وہ لتے لیے کہ ایمن آنسوؤں سے رو پڑی۔

اس کے رونے پر وہ خاموش ہوئی۔

"میں جانتی ہوں لڑکیوں کو اپنے کردار اور عزت کے حوالے سے بہت حساس ہونا چاہیے پھر بھی جانتے بوجھتے مجھ سے یہ بے وقوفی ہوگئی۔" اسے اپنی حرکت پر سخت شرمندگی تھی۔

"ہمارے پاس اپنی شکل وصورت بدلنے کا اختیار نہیں ہوتا' وہ وہی رہتی ہے جو بنادی جاتی ہے مگر اپنے کردار کو بنانے یا بگاڑنے کا اختیار ہمارے اپنے پاس ہوتا ہے اور تم نے یہ حرکت کرکے اپنے کردار کو خراب اور داغ دار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" ردا اسے کوئی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھی۔ ایمن کے آنسو تواتر سے گر رہے تھے۔

"چلو اچھا اب رونا بند کرو۔ جو ہونا تھا ہوگیا۔ آئندہ احتیاط کرنا۔" ردا نے اس کا احساس شرمندگی دیکھ کر رعب سے کہا تو اس نے محض سر ہلا دیا پھر اگلے بہت سارے دن ان سب نے ڈر ڈر کر گزارے کہ کہیں پھر اس شخص سے سامنا نہ ہوجائے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

ان کے بی اے کے فائنل پیپرز ہوگئے تھے۔ حسب سابق ان سب کے پیپرز بہت اچھے ہوئے تھے۔ آخری پیپر والے دن وہ سب بچھڑنے کے خیال سے بہت اداس تھیں۔ سب کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ ان کا اتنے سالوں کا ساتھ۔ وہ ملنے کے لیے ایک دوسرے کے گھر جاسکتی تھیں فون پر بھی بات ہوسکتی تھی مگر روز ملنے اور سارا دن اکٹھے گزارنے اور کبھی کبھار کی ملاقات میں بہت فرق ہوتا ہے۔

"سنو......" وہ سب غمگین کھڑی تھیں کہ صالحہ نے انہیں اپنے مخصوص انداز میں پکارا۔

"تم لوگ تو ہمیشہ مجھ سے جان چھڑاتی تھیں لیکن میں تم سب کو بہت یاد کیا کروں گی۔ تم لوگ ہمیشہ ایک خوشگوار یاد بن کر میرے ذہن میں رہو گے۔" وہ سب سے فرداً فرداً گلے ملتے ہوئے انہیں لاجواب کرگئی تھی۔ آج وہ سب اس سے پورے خلوص سے گلے ملی تھیں۔

ان کا بی اے کا رزلٹ آیا تو پانچوں ہی فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوگئیں۔ پھر ایمن اور ردا نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔ بتول کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن کی اجازت نہ ملی تو اس نے ایجوکیشن کالج میں بی ایڈ میں داخلہ لے لیا۔ ماریہ اور جویریہ کی شادیاں ہوگئیں۔ دو سال جیسے پر لگا کر اڑ گئے اور ان کا ماسٹرز مکمل ہوگیا تھا۔

ان دو سالوں میں پانچوں دوستیں بمشکل دو تین بار ہی اکٹھی ہوئی تھیں۔ کبھی ایک موجود تو دوسری غائب دوسری موجود تو تیسری غائب۔ آج وہ سب کی سب ردا کے ہاں موجود تھیں۔ اس کا نکاح ہورہا تھا۔ رخصتی تین ماہ بعد ہونا تھی۔ جویریہ کی ایک بیٹی اور ماریہ کا ایک بیٹا تھا۔

"ردا...... تم کتنی لکی ہو۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ ایمن

Digitized by Google

کی شادی اپنے ساتھ ہی کرواؤ گی اور اب سب بھول کر خود نکاح کروالیا۔" بتول نے ردا کو پرانی بات کا حوالہ دیا۔

"مگر وہ تو مذاق تھا..... تم لوگ تو سیریس ہی ہوگئی ہو..... اب میں کہاں اس کے لیے لڑکا ڈھونڈوں؟" اس نے اپنے اوپر مصنوعی بے زاری طاری کرلی تو ایمن نے کھسیا کر اسے ایک مکا جڑ دیا اور پانچوں زور زور سے ہنسنے لگیں۔

"ایمن..... آج ردا کے ہاں کافی لوگ اکٹھے ہوں گے۔ تم آج کسی کو شادی کی آفر کرکے یہ قصہ ختم کرو۔" جویریہ نے اسے چھیڑا تو وہ جیسے بھڑوں کے چھتے پر جا بیٹھی۔

"کیا مجال ہے کہ تم لوگ کسی کو اپنی غلطی بھولنے دو اور تم اپنا یہ مشورہ اپنے پاس رکھو۔ پہلے ہی ایک دفعہ تم لوگوں کی وجہ سے حماقت کر بیٹھی تھی۔ آج تک میں اس پر شرمندہ ہوں۔ بے چارا..... جانے کون تھا میری بات سن کر پہلے تو اسے سکتہ ہوگیا پھر جو اس کے چہرے پر جلال آیا میں تو ڈر کر بھاگ آئی تھی۔ پتہ نہیں میرے بارے میں کیا سوچتا ہوگا کہ کیسی بے حیا لڑکی تھی۔" غصے میں شروع کی گئی بات آخر تک پہنچتے پہنچتے سنجیدہ ہوگئی۔ ایمن کے چہرے پر خفت کے آثار صاف اور واضح نظر آرہے تھے۔

"چلو چھوڑو یار..... ہمیں کون سا اس کے ساتھ رشتہ داری کرنا ہے۔ وہ تو اس روز کے بعد دوبارہ نظر ہی نہیں آیا۔" بتول نے ایمن کو احساس شرمندگی سے نکالنا چاہا۔

"نہ کرنی ہو پھر بھی میں نے جو کچھ کیا وہ بہت ہی غلط تھا' مجھے وہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے اب بھی اکثر ندامت کا احساس ہوتا ہے۔" ایمن کی شرمندگی تاحال قائم تھی۔

"اچھا ایک بات بتاؤ تمہیں اس کی شکل یاد ہے؟" ماریہ نے پوچھا۔

"نہیں' میں نے اس کے چہرے پر بس ایک سرسری سی نظر ہی تو ڈالی تھی۔" ایمن نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

"تو بس بات ختم اسے بھی تمہاری شکل یاد نہیں ہوگی۔ تم ایویں پریشان ہو رہی ہو۔ چھوڑو اب اس 'بے چارے' کا قصہ اور مزے سے فنکشن انجوائے کرو۔" جویریہ نے اسے تسلی دی۔

"میرا بس چلے تو میں اپنی زندگی سے اپنی اس حماقت کو کھرچ کر ہمیشہ کے لیے نکال پھینکوں مگر ایسا بھلا کبھی ہوا ہے کہ انسان اپنے ماضی کو واپس لاکر اپنی غلطیوں کی اصلاح کرلے..... نہیں..... ہاں یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ آدمی اپنی ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھ کر اپنی اصلاح کرلے اور میں نے بھی ہمیشہ کے لیے سبق سیکھ لیا ہے کہ لڑکیوں کو بہت محتاط ہوکر چلنا چاہیے۔" ایمن نے گہرا سانس لیا۔

"اللہ کی بندی..... بس کردے' یوں ٹھنڈی سانسیں بھر بھر ہماری قلفی نہ جما دینا۔" جویریہ نے زچ ہوکر اس کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے تو باقی سب اس کے انداز پر کھلکھلا کر ہنس دیں۔

ردا کے کمرے کی لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور ردا کا بھائی اسد (جو چھ مہینے پہلے ہی امریکہ سے اپنی تعلیم مکمل کرکے آیا تھا اور اب ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بڑے اچھے عہدے پر کام کر رہا تھا) وہیں کچھ حساب کتاب کر رہا تھا کہ کھڑکی سے آتی آوازوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ پہلے چند جملے تو لاشعوری طور پر اس کی سماعت کا حصہ بنے مگر انہیں سننے کے بعد اس نے شعوری طور پر ان کی گفتگو حرف بہ حرف سنی تھی اور کچھ سوچ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

نکاح کے بعد کھانا سرو ہوا۔ وہ اپنی پلیٹ میں کھانا نکال کر پلٹی تو وہ تینوں غائب تھیں۔ وہ ان کی تلاش میں ادھر اُدھر نظریں دوڑا رہی تھی۔

"ایک تو یہ تینوں گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہوجاتی ہیں۔ مجال ہے جو کسی کی خاطر تھوڑا انتظار کرلیں..... پلیٹیں بھر کر ندیدوں کی طرح شروع ہوگئی

Digitized by Google

ہوں گی کسی کونے میں جا کر۔" ایمن کو وہ تینوں نظر نہ آئیں تو وہ کوفت زدہ ہو کر بڑبڑانے لگی۔

"کسے ڈھونڈ رہی ہیں آپ؟" رعب دار مردانہ لہجے پر وہ پلٹی تو ایک اجنبی کھڑا اسے بڑی متبسم نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ایمن نے یوں برا سا منہ بنایا گویا کڑوا بادام دانتوں تلے آ گیا ہو۔ اجنبی کی بات کا جواب دیے بغیر وہ ایک خالی میز کی طرف بڑھ گئی اور ہونٹوں میں مسکراہٹ دبائے اسد کو یقین ہو گیا کہ وہ اسے پہچان نہیں پائی ہے۔

"یہ تو شاید مجھے ردا کے بھائی کی حیثیت سے بھی نہیں جانتی۔" وہ زیر لب بڑبڑایا اور ایک فیصلہ کر کے مطمئن ہوا۔

❀

"ایمن..... ردا اور اس کی امی آئی ہیں۔" امی کی پکار پر وہ ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ ملازمہ ان لوگوں کو چائے اور دیگر لوازمات سرو کر رہی تھی۔ ایمن کی امی ردا کی امی کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم!" ایمن نے دونوں کو مشترکہ سلام کیا اور آنٹی کے سامنے سر جھکا کر پیار لیا۔ ردا اٹھ کر اس کے گلے لگ گئی۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ میں تمہاری شادی اپنی شادی والے دن ہی کرواؤں گی تو اب تیاری کر لو۔ تمہاری شادی مجھ سے بھی ایک دن پہلے ہو گی۔" ردا کی سرگوشی پر ایمن نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ردا کے ہونٹوں پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ تھی۔ ایمن نے صوفے پر بیٹھی دونوں خواتین کی طرف دیکھا تو وہ بھی مسکرا رہی تھیں۔ ایمن جز بز سی ردا کے قریب ہوئی۔ رات تک وہ ردا کی بات سوچ سوچ کر الجھتی رہی اور نجانے کب تک الجھتی رہتی اگر رات کو امی ابو کی باتیں نہ سن لیتی ہوتیں۔

"ردا کی امی نے اپنے بیٹے اسد کے لیے ایمن کو مانگا ہے۔ ابھی وہ بات ہمارے کانوں میں ڈال گئی ہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ اگر آپ لوگوں کا ارادہ ہو گا تو پھر وہ اسد کے ابو اور دیگر بڑوں کے ساتھ آئیں گی۔" امی نے ساری بات ابو کے گوش گزار کی۔

"ہوں..... اچھی پڑھی لکھی فیملی ہے، میں پہلے لڑکے کے بارے میں معلومات کرواتا ہوں پھر دیکھتے ہیں۔ اللہ بہتر کرے گا۔" ابو نے بات ختم کر کے چائے کا کپ لبوں سے لگایا اور امی نے سر ہلا کر ان کی بات کی تائید کی۔

ردا کا گھرانہ اگرچہ ایمن کے گھر والوں کے لیے اجنبی نہیں تھا پھر بھی اس کے والدین نے اپنی پوری تسلی کرنے کے بعد ہی اسد کے گھر والوں کو ہاں کہی تھی۔

❀

دن گویا پر لگا کر اڑ گئے اور ایمن کی شادی کا دن آن پہنچا۔ ڈھیروں دعاؤں اور نیک تمناؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے وہ اسد کے سنگ رخصت ہو کر آ گئی۔ کل ان کے ولیمے کے روز ردا کی رخصتی ہونا تھی۔

"پتہ ہے اسد بھائی نے خود تمہارے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ کہاں تو امی ان سے شادی کے لیے اصرار کر کے تھک گئی تھیں اور کہاں تمہاری لیے انہوں نے اتنی جلدی مچائی کہ امی کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے مگر میں بہت خوش ہوں اور اللہ کا شکر ادا کر رہی ہوں کہ میرے بھائی کو اس کی پسند مل گئی۔" ردا اسے اسد کے کمرے میں چھوڑنے آئی تھی۔ ساتھ اور لڑکیاں بھی تھیں۔

"چلو بھئی بہت دیر ہو گئی ہے تم سب لوگ چلو۔ ایمن کو بھی تھوڑا آرام کرنے دو۔" ردا کی امی نے آ کر لڑکیوں کی محفل برخاست کروائی۔

"تمہارے لیے کچھ کھانے کو بھجواؤں؟" وہ باہر نکلتے ہوئے پلٹی تھیں۔ ایمن نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اچھا میں ردا کے ہاتھ جوس بھجواتی ہوں وہ پی لینا۔" وہ ہدایت کر کے باہر چلی گئیں۔

❀

تھوڑی دیر بعد اسد اس کے سامنے آن بیٹھا۔

"سنا ہے آپ ایک برگر کھانے کے لیے کسی بھی راہ

Digitized by Google

چلتے لڑکے کو شادی کی آفر کردیتی ہیں۔" چند منٹ کی خاموشی کے بعد سنجیدہ سی آواز ایمن کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے بے ساختہ گھونگٹ الٹ کر اسد کو دیکھا۔

"آپ نے شاید مجھے نہیں پہچانا لیکن میں تو آپ کو ردا کے نکاح والے دن دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔ کیسی لڑکی ہیں آپ جو یوں راہ چلتے کسی بھی لڑکے کو شادی کی آفر کردیتی ہیں۔" اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی چھوٹی سی شرارت' جس پر وہ پشیمان بھی تھی' یوں اس کے سامنے آجائے گی۔ اس کا چہرہ ایک پل میں فق ہوگیا تھا۔ خوف سے اس کے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔

"وہ تو..... وہ تو..... ایک مذاق تھا۔" وہ اتنی سی وضاحت دینے میں بے دم ہوگئی تھی۔

"آپ کے لیے ہوگا مذاق میرے تو دل کا روگ بن گیا تھا۔" وہ یک دم اس کے قریب ہوکر سرگوشی میں بولا۔ چہرے پر ابھی بھی سنجیدگی تھی۔ ایمن کو اپنی پریشانی میں اس کے بدلتے لہجے کا چنداں احساس نہ ہوا تھا۔

"دیکھیے..... وہ سب....."

"مجھے کچھ نہیں سننا' میں سب جانتا ہوں۔" اسد نے دوبارہ سنجیدگی سے کہا۔ وہ اس کی سنجیدگی سے خائف ہوکر رونے لگی۔

"تم نے غلطی کی ہے تو اس کی سزا بھی ملے گی۔" لہجہ ابھی بھی رعب دار تھا۔

"بولو..... سزا کے لیے تیار ہو؟" وہ خاموش رہی مگر اس کی سوں سوں جاری تھی۔

"تمہاری سزا یہ ہے کہ تمہیں ہمیشہ مجھ سے محبت کرنا ہوگی۔" اس نے دوبارہ سرگوشی کی تو وہ اس کے لہجے پر چونکی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"پچھلے دو سالوں میں اکثر مجھے تمہارا خیال آتا رہا کہ کیسی عجیب لڑکی تھی۔ لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ کانوں سے سب کچھ سننے اور آنکھوں سے سب دیکھنے کے باوجود میرا دل یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ تم برے کردار کی لڑکی ہو۔ تمہارے چہرے پر اتنی معصومیت تھی کہ یہ چہرہ ہمیشہ کے لیے میرے حافظے میں محفوظ ہوگیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم ردا کی دوست ہو۔ اس کے نکاح والے دن اتفاقاً میں نے تم سب کی باتیں سن لی تھیں۔ اس روز تمہاری باتوں اور پشیمانی نے یہ بات ثابت کردی کہ میرا دل تمہارے بارے میں بالکل صحیح گواہی دیتا تھا۔" اسد نے اپنی پیشانی ہلکے سے ایمن کے سر سے ٹکرائی۔

"پھر جب میں نے کھانا لیتے وقت تمہیں دیکھا تو لمحوں میں پہچان لیا۔ میں نے بے ساختہ تمہیں مخاطب کیا تو تمہارے چہرے پر اجنبیوں کے لیے نو لفٹ کا واضح تاثر دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ تم واقعی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہو۔ سو میں نے تمہیں اپنانے کا فیصلہ کرلیا۔ آخر تم نے خود مجھے آفر کی تھی' اب میں انکار کرتے ہوئے اچھا تو نا لگتا بھلا۔" اسد نے ایمن کے آنسوؤں سے تر چہرے کو نظروں کی زد میں رکھ کر شرارتی لہجہ اپنایا۔

"آپ بہت برے ہیں' آپ کے مذاق نے میری جان نکال دی۔" ایمن جو تھوڑی دیر پہلے خوف سے مرنے کے قریب ہوگئی تھی' اس نے اسد کی پوری بات سن کر جھٹ اپنے آنسو صاف کیے۔

"اچھا ہوں یا برا..... اب تو آپ ہمیں قبول کرچکی ہیں۔ اب کچھ نہیں ہوسکتا۔" اسد بھرپور انداز میں مسکرایا۔

"ارے..... ے..... ے....." اسے کچھ یاد آیا تو وہ اپنی شیروانی کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"ہاں یہ رہی۔" اسد نے اپنی ایک جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی۔

"گو کہ منہ دکھائی کا فریضہ آپ خود ادا کرچکی ہیں مگر پھر بھی یہ آپ کی منہ دکھائی کا تحفہ۔" اسد نے ایک خوب صورت سی انگوٹھی نکال کر اس کی انگلی میں پہنائی۔

ان کے اس ملن پر آسمان پر چمکتے چاند' تارے اور فضا میں اڑتے جگنو بھی مسکرا دیے تھے۔

www.naeyufaq.com

Digitized by Google

سکوت

شبینہ گل

"یہ ہیں محمود بھٹی..... معروف انجینئر..... جنہوں نے پاکستان کو سستی بجلی پیدا کرنے کا ایک منصوبہ اور بجلی کے بحران پر قابو پانے کے لیے ایک قابل عمل منصوبہ بنا کر دی تھا لیکن ہماری حکومت ان مسائل کو ختم کرنا ہی نہیں چاہتی اس لیے کسی نے ان کی ایجادات پر بھی توجہ نہیں دی۔ انہوں نے کئی بیرون ممالک میں اپنی خدمات سرانجام دیں اور وہاں ان کی ذہانت کی قدر بھی کی گئی۔ کروڑوں میں کھیلے پیسہ ان کے گھر کی باندی تھی' جدی پشتی رئیس بھی تھے اور اپنی ذہانت اور تعلیم کے بل بوتے پر بھی خوب پیسہ کمایا۔ زبان و بیان پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ جب کسی محفل میں بات کرتے تو سب کو خاموش کرا دیتے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ تنہا پورے ملک کی تقدیر بدلنے کا حوصلہ اور طاقت رکھتے ہیں اور اگلے دس سالوں میں یہ پاکستان میں انقلاب ضرور لائیں گے۔ خاندان بھر میں ان کا طوطی بولتا تھا' ایک رعب تھا' بیوی بچوں پر حکومت کرتے اور رشتے داروں کو خود سے کم تر سمجھتے۔ ظاہری شخصیت کی بات کی جائے تو اونچے لمبے چوڑے چکلے بھرپور مرد سرخ و سفید رنگت' مغرور کھڑی ناک اور انداز میں مردانگی آواز میں دبدبہ۔ ساری عمر اعلیٰ سے اعلیٰ پہنا' مہنگے سے مہنگا کھایا اور خوب جی بھر کر اڑایا۔ زندگی کو بھرپور انداز میں جیا محمود بھٹی نے۔"

وہ چند قدم آگے بڑھا۔

"یہ ہیں محترمہ غزل مہتاب صاحبہ۔ ایک باکمال گھریلو خاتون' جن کا گھر ان کی جنت تھا۔ ان کے گھر میں ان کا سلیقہ نظر آتا۔ بستروں کی چادروں اور پردوں سے لے کر صوفوں کے کشن اور دیوار پر لٹکے فریم تک سب کچھ انہوں نے اپنے ہنر مند ہاتھوں سے بنائے تھے۔ ان کے گھر پر پہلی نگاہ ڈال کر لگتا کہ اس کی آرائش پر لاکھوں روپیہ خرچ ہوا ہوگا مگر غزل مہتاب انہیں بتاتیں کہ یہ سب صرف ہزاروں میں ہو گیا کیونکہ ان میں سے بیشتر چیزیں انہوں نے بیکار اشیاء سے بنائی تھیں۔ ڈرائنگ روم کے دو صوفہ سیٹس میں سے ایک ان کے جہیز کا پرانا پانچ کرسیوں کا سیٹ تھا جسے انہوں نے موٹا فوم اور کیلیں استعمال کر کے شان دار نرم گرم صوفے میں بدل دیا اور پھر لاٹ کا کپڑا تول میں سستے داموں خرید کر انہیں اس عمدگی سے صوفوں پر چڑھایا کہ کیا کوئی کاریگر چڑھاتا ہوگا۔ جو بھی آتا فرنیچر کی اس اعلیٰ دکان کا پتہ ضرور پوچھتا جہاں سے انہوں نے ایسا خوب صورت فرنیچر خریدا۔ ان کے کچرے کی بالٹی میں پھل و سبزی کے کوڑے کے سوا کوئی بڑی چیز نہ ہوتی' سب کچھ وہ سجاوٹ یا کسی دوسرے کام میں استعمال کر لیتیں۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ جلد ایک بڑا شوروم کھولیں گی جہاں ایک حصے میں وہ اپنے ہاتھ سے بنائی چیزیں فروخت کریں گی اور دوسرے حصے میں لڑکیوں کو یہ ہنر دیں گی۔" مزید چار قدم آگے بڑھائے۔

"یہ ہیں وسیم سردار صاحب جو پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہیں۔ اپنے شعبہ کے مشہور سرجن جن کے ہاتھ سے کبھی کوئی کیس خراب نہیں ہوا' کبھی کوئی مریض لقمۂ اجل نہیں بنا۔ ان کے ہاتھوں لاتعداد کامیاب ترین آپریشن ہوئے اور ان سب کے علاوہ انہوں نے سرجری میں بہت سی نئی تبدیلیاں بھی متعارف کروائیں۔ ان کے ہاتھ میں اللہ نے خاص شفا رکھی تھی اور اس کی سب سے بڑی وجہ ان کی ایمان داری تھی۔ انہوں نے اپنی مہارت کے بل بوتے پر کروڑوں کمائے لیکن وہ بے ایمان بن جاتے تو اربوں بھی کما سکتے تھے۔ اس معاملے میں انہوں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا اور کبھی کسی مریض کو لوٹا نہ پیسے کے لیے خود کو قصائی بنایا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگلے دس سال میں وہ پاکستان کا سب سے بڑا ہسپتال بنائیں گے جس میں ہر مریض کو اس کی استطاعت کے مطابق بل ادا کرنا ہوگا اور ڈاکٹروں کی ایمان داری اور مہارت کی بنیاد پر تنخواہ بڑھائی یا گھٹائی جائے گی۔ انہوں نے اپنی زندگی مسیحائی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔" دس قدم بڑھا کر وہ متصل سا ہوا۔

"یہ ہیں سروری بیگم اپنے خاندان کی معروف ترین پھپھے کٹنی' جنہوں نے اپنے آس پاس موجود ہر رشتے کو زک پہنچائی اور اپنے فساد سے ہر گھر میں حشر بپا کیے رکھا۔ ان کا ذہن شاطر اور زبان بے حد شیریں تھی اسی لیے آخر وقت تک کسی کو یہ معلوم نہیں ہو پاتا تھا کہ ان کے گھر میں پھیلنے والے ہر فساد کی وجہ دراصل وہی سروری بیگم ہیں جو ان کے ہر دکھ درد میں ساتھ بیٹھ کر آنسو بہاتی اور پوچھتی ہیں۔ ان کے خاندان میں ہونے والی ہر طلاق کے پیچھے ان کا ہی ہاتھ ہوتا تھا۔ انہیں اپنی شاطرانہ فطرت اور ذہانت پر بے حد ناز تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں ایسا جال بنتی ہوں کہ

Digitized by Google

اس میں پھنسنے والا نہ تو کبھی نکل پاتا ہے نہ کوئی سرا تلاش کر پاتا ہے۔ ساری زندگی وہ اپنی چال بازی سے دنیا کو الو بنائے رہتیں اگر ایک دن ان کی اکلوتی رازداں' ان کی بچپن کی سہیلی دردانہ اپنے برسوں پرانے وعدے کے فسوں سے آزاد ہو کر ہر گھر میں ان کا راز فاش نہ کر دیتی۔ سروری بیگم کا کہنا تھا کہ دنیا میں کوئی چیز کوئی بات یا کوئی انسان انہیں شکست نہیں دے سکتا کیونکہ انہیں اپنی ذہانت پر غرور تھا۔" سر جھٹک کر وہ دائیں طرف مڑا۔

"یہ ہیں حاجی عبیدالرحمن نیازی' جنہوں نے اپنی ساری زندگی دین کی تبلیغ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ جوانی میں ہی ایک مہرباں نے اس طرف لگا دیا اور پھر یہ اللہ والے بن گئے۔ شادی کی تو وہ بھی سنت طریقے سے اور پھر بچوں کی پرورش بھی دین کے احکامات کے مطابق کی۔ اولاد کو بھی ہمیشہ وہی سبق پڑھایا جو ساری زندگی خود پڑھا۔ حیا اور غیرت ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہی حیا اور غیرت اپنی بیوی بچوں میں بھی منتقل کی جسے سب نے کھلے دل سے قبول بھی کر لیا تھا۔ رشتے دار ہوتے یا دوست احباب' گھر والے ہوتے یا ماں باپ' بہن بھائی انہیں سب کے حقوق کا ہمیشہ خیال رہتا۔ دین کے احکامات کو مدنظر رکھتے ہوئے تین شادیاں کیں ایک بیوہ سے ایک مطلقہ سے اور ایک کنواری سے۔ دنیا گواہ تھی کہ انہوں نے تینوں میں ایسا کمال انصاف قائم رکھا کہ وہ بیویاں بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتیں۔ ان کے حسن سلوک کا ہی نتیجہ تھا کہ تینوں بیویاں اپنے بچوں سمیت ایک ہی گھر کی تین منزلوں میں رہتی تھیں اور کھانا سب اکٹھے درمیانی منزل میں کھاتے۔ دنیا ان کے بارے میں گواہی دیتی کہ قیامت کے دن ان کی بخشش کا ذریعہ ان کی انصاف پسندی ہی بنے گی کہ اللہ کو سب سے زیادہ عدل و انصاف کرنے والا بندہ محبوب ہے۔" پھر چار قدم پیچھے ہٹ کر بائیں مڑا۔

"یہ ہیں آنسہ فاطمہ مسرت' معروف مصنفہ' ان کی تحاریر کی دنیا دیوانی ہے۔ ان کا نیا ناول مارکیٹ میں آئے تو ایک ماہ کے اندر اندر پبلشر دوسرا ایڈیشن چھاپنے کی فکر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اخبار میں کالم چھپے تو اخبار کی چاندی ہو جاتی ہے' کسی یونیورسٹی سیمینار میں بطور گیسٹ اسپیکر جائیں تو ہال میں جگہ کم پڑ جاتی ہے' کوئی کتب میلہ ہو تو قارئین ان سے ملنے کو تڑپتے ہوئے یوں پہنچتے ہیں کہ اس جگہ پر تل دھرنے کو جگہ نہیں رہتی جہاں وہ موجود ہوتیں۔ ہر ناول دوسرے ناول سے مختلف' ہر تخیل دوسرے سے یکسر جدا اور ہر ناول کا انداز یوں کہ جیسے اب یہ کسی اور نے لکھا ہے۔ کبھی انداز ادبی' کبھی رومانوی' کبھی سادہ' کبھی پرپیچ' کبھی مزاحیہ تو کبھی از حد سنجیدہ..... لیکن ایک خوبی سب میں یکساں ہی نظر آتی...... یعنی امید..... ان کا کہنا تھا کہ دنیا میں مایوسی نام کی کوئی چیز اگر کارآمد ہوتی تو اسے گناہ کا درجہ نہ ملتا۔ ان کا کہنا تھا کہ موت کا مطلب مرجانا نہیں ہے' موت کا مطلب ہے دوسری زندگی۔ فرق بس اتنا ہے کہ اس زندگی میں عمل ہے اور دوسری میں سزا و جزا۔" پانچ قدم آگے لیے۔

"یہ ہیں تحسین عباسی صاحب' ایک مشہور و معروف بین الاقوامی فرم میں عہدے پر فائز تھے' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال شخص۔ انہوں نے ساری زندگی صرف نماز عیدین ادا کیں' اس کے علاوہ نہ کبھی قرآن پڑھا نہ نماز جمعہ' اور نہ کبھی روزے رکھے کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حقوق اللہ سے زیادہ حقوق العباد کو اہمیت دی ہے' حقوق اللہ میں کوتاہی وہ معاف کر دے گا لیکن حقوق العباد میں معمولی کوتاہی بھی معاف نہیں کرے گا اس لیے میں حقوق العباد کا خیال رکھتا ہوں۔ اگر دیکھا جاتا تو حقوق العباد کے معاملے میں وہ واقعی بہت پکے تھے' بے روزگاروں کو روزگار دلاتے' مظلوموں کو انصاف دلانے کے لیے ساتھ جاتے'

Digitized by Google

غریبوں کی مالی امداد کرتے اپنا حق معاف کردیتے وغیرہ وغیرہ۔ انہیں اپنی انسان دوستی پر بڑا ناز تھا ان کا کہنا تھا کہ چونکہ وہ اللہ کے بندوں سے محبت کرتے ہیں ان کا خیال کرتے ہیں انہیں دکھ یا تکلیف نہیں پہنچاتے اس لیے اللہ ان سے خوش ہے اور جنت ان پر واجب ہے۔ کہنے والے تو یہ بھی کہتے کہ جو شخص خالق سے محبت نہیں کرتا اس کے حقوق کا خیال نہیں رکھتا وہ مخلوق سے محبت کرے گا یہ کھلی منافقت ہے۔" بائیں مڑ کر اشارہ کیا۔

"یہ ہیں نائلہ بخاری۔ ایک پڑھی لکھی اور خوب صورت گھریلو خاتون چار خوب صورت بچوں کی ماں اور ایک حسین مرد کی لاڈلی بیوی۔ ایک حکمرانی کرنے والی عورت۔ انہوں نے ساری زندگی اپنے خاندان گھر شوہر اور بچوں سے محبت کم اور ان پر حکومت زیادہ کی۔ ہر جگہ انہیں اپنی منوانے کی عادت تھی۔ جہاں ان کی نہ مانی جاتی وہاں یہ قطع تعلق کرنے سے گریز نہیں کرتی تھیں۔ ساری زندگی ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا فیصلہ انہوں نے تنہا لیا اور اپنے شوہر اور بچوں پر مسلط کردیا۔ بچے جوان ہوئے تو ان کی حاکمانہ فطرت میں پختگی آچکی تھی۔ ان میں اور بچوں میں ٹھن جاتی لیکن ہوتا وہی جو وہ چاہتی تھیں۔ بیٹیاں تو ماں باپ کی محتاج ہوتی ہیں اس لیے اپنی خواہش کو کسک میں تبدیل ہوتا دیکھ کر خاموشی سے ماں کی مرضی کے گھرانے میں بیاہ کر چلی گئیں لیکن بیٹے ڈٹ گئے۔ نائلہ بخاری ٹوٹ سکتی تھیں جھک نہیں سکتی تھیں سو انہوں نے جھکنا قبول کرلیا اور باری باری دونوں بیٹے انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ بیٹیاں اپنے گھروں کی تھیں گو کہ وہ بھی متنفر تھیں لیکن تعلق نہیں توڑ سکتی تھیں۔ نائلہ بخاری کا کہنا تھا کہ وہ کبھی غلط نہیں ہوسکتیں ان کے بیٹے ہی غلط تھے اس لیے وہ مرتے دم تک ان سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتیں۔" پھر چھ سات قدم آگے بڑھائے۔

"یہ ہیں منظر فاروقی صاحب ایک خود ساختہ پیر..... کیونکہ ان کی سات پشتوں میں کوئی بھی پیر مرشد نہیں تھا لیکن انہوں نے یہ راستہ اختیار کرکے اپنے اور اپنے خاندان کے عیبوں پر پردہ ڈالنے کی ایک کوشش کی تھی۔ ان کے چھ بیٹے تھے اور بیٹی کوئی نہیں تھی۔ ان کی ساری زندگی دو ضرب دو بائیس بنانے میں گزری انہوں نے کبھی اولاد پر دھیان دیا نہ ان کی تربیت پر۔ نہ ان کی تعلیم کی کچھ خبر رکھی نہ معمولات کی۔ جب تک انہوں نے دو ضرب دو کے بائیس میں ان گنت صفر لگادیے تو اس وقت تک ان کی اولاد صفر ہوچکی تھی۔ انہیں صرف حساب کتاب آتا تھا خزاں رسیدہ پودے کی دیکھ بھال کرکے اسے کیسے تناور پھل دار درخت میں تبدیل کرتے ہیں یہ انہیں نہیں آتا تھا۔ وہ صرف یہ جانتے تھے کہ جب زخم ناسور بن جائے تو اسے کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے اور انہوں نے وہی کیا۔ ایک بیٹا شرابی زانی تھا دوسرا الگ کاروبار کرنے بیٹھا تو جواری بن کر لٹ گیا تیسرا عشق میں ناکامی کے بعد مجذوب ہوگیا چوتھا پڑھائی میں ناکام ہوکر غلط صحبت میں پڑا اور ڈکیت بن گیا پانچواں ون ویلنگ کے نتیجے میں ہونے والے حادثے میں جان سے گیا اور چھٹا ان حالات سے گھبرا کر یورپ بھاگ گیا اور پھر پلٹ کر نہ واپس لوٹا نہ اپنی کوئی خبر دی۔ منظر فاروقی نے بیٹوں کو جائیداد سے عاق کرکے گھر سے نکال دیا اور خود پیر بن بیٹھے لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور ان کی صوفیانہ باتوں پر واہ واہ کرتے عقیدت کے نذرانے لٹاتے تھے۔"

ارحم خانزادہ کچی زمین پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا جیسے کسی خوب صورت پری نے جادو کی چھڑی گھما کر اسے ساکت کردیا ہے کیونکہ وہ گزشتہ آدھے گھنٹے سے بنا کسی جنبش کے اسی طرح بیٹھا تھا۔ وہ کون تھا..... ارحم خانزادہ..... ایک مشہور و معروف مصور..... وہ جہاں جاتا لوگ اس کے پیچھے لپکتے گھر سے نکلتا تو کیمرے اس کا پیچھا کرتے گھر میں ہوتا تو اس کا فون بجتا رہتا کوئی پینٹنگ بناتا تو وہ منہ مانگے داموں بکتی وہ کسی کپڑے پر برش بھی رگڑ دیتا تو وہ لوگوں کے لیے تبرک بن جاتا۔ وہ انٹیریئر ڈیزائنر بھی تھا جس دفتر یا گھر کا انٹیریئر ارحم خانزادہ کرتا وہ منٹوں میں وائرل ہوجاتا۔ وہ آرکیٹیکٹ بھی تھا جس کا بنگلہ ڈیزائن کرتا وہ راتوں رات مشہور ہوجاتا۔ وہ گلوکار بھی تھا جو گیت گاتا یوٹیوب پر وہی ٹرینڈنگ میں ٹاپ پر ہوتا اور کئی سال تک ٹاپ پر رہتا۔ وہ فیشن ماڈل بھی تھا جب ریمپ پر جاتا تو لوگ مدہوش ہوجاتے جب فیشن میگزین کے کور پر چھپتا تو وہ میگزین مارکیٹ میں شارٹ ہوجاتا جب پبلک میں نکلتا تو لوگ دیوانہ وار اس کی جانب لپکتے۔ وہ فیشن ڈیزائنر بھی تھا اس کا جو نیا ڈیزائن مارکیٹ میں آتا پوری فیشن انڈسٹری اسے کاپی کرتی۔ وہ سلیبریٹی شوکا اینکر بھی تھا ہر سلیبریٹی اس کے شو میں آنے کو بے قرار رہتا۔ وہ کیا تھا؟ وہ ارحم خانزادہ ایک عام سا لوئر مڈل کلاس کا لڑکا تھا جس کی شخصیت میں مقناطیسیت تھی اور اس کی قسمت ایسی تھی کہ پتھر کو چھوتا تو وہ پارس نہیں بلکہ ہیرا بن جاتا۔ وہ کروڑوں دلوں کی

Digitized by Google

دھڑکن تھا لیکن اس کا دل..... اچانک سے اس کا دل بدل گیا تھا..... وہ سراپا بدل گیا تھا۔

وہ اس کچی زمین پر بیٹھا تھا بت بنا..... خاموش..... کیونکہ وہ شہرِ خموشاں میں بیٹھا تھا۔

"نہیں آپ غلط سمجھے..... اس کا کوئی اپنا فوت نہیں ہوا تھا..... وہ تو بس وہاں کا سکوت محسوس کرنے آیا تھا۔ اس سکوت میں کوئی ایسی آواز سننے آیا تھا جو اس کی نیند توڑ دیتی' جو اس کے سن ہوئے اعصاب کو جگا دیتی مگر جو یہاں آ کر اس کے ساتھ ہوا تھا وہ تو اس نے گمان بھی نہیں کیا تھا۔ اس کے دل اور روح میں اندر گہرائی تک ایسا سکون سرایت کر گیا تھا کہ وہ بیان نہیں کر سکتا تھا۔ وہاں قبرستان میں بیٹھے بیٹھے اس نے ایک سلائڈ شو دیکھا' تصاویر کا سلائڈ شو۔ وہ ان سب کی زندگی کی کہانی کو تصویری فلم کی صورت یوں دیکھ رہا تھا جیسے اس نے ان سب کے ساتھ پل پل بتایا ہو۔ وہ اس کے کچھ نہیں لگتے تھے۔ وہ یہاں موت سے ملنے آیا تھا' گورکن نے اسے زندگی سے ملوا دیا۔ اس زندگی سے جس کے چہرے کے ایک نقش سے بھی وہ اب تک واقف نہیں تھا' وہ جو سمجھتا تھا کہ وہ زندگی میں سب کچھ جان چکا ہے۔ یہاں آ کر اس نے جانا کہ اس نے تو پیدا ہو کر ابھی آنکھیں بھی نہیں کھولی ہیں۔ وہ بس اس لیے آیا تھا کہ زندہ لوگوں سے تو اتنے عرصے سے مل رہا ہے' مردوں سے مل کر دیکھے کہ کیسا لگتا ہے۔ اس نے گورکن سے کہا۔

"ان سب قبروں کے جن مکینوں سے آپ واقف ہیں مجھے ان کے بارے میں تفصیل سے بتائیں' میں ان کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" گورکن نے سر سے پاؤں تک اسے انتہائی تعجب سے گھورا اور سوال کیا۔

"آپ کوئی اخباری رپورٹر یا صحافی ہیں کیا؟" اس سوال پر ارحم خانزادہ کو خوش گوار حیرت کا احساس ہوا' گورکن اسے نہیں جانتا تھا۔ پوری دنیا اسے جانتی تھی کہ وہ اور اس قبرستان میں بیٹھا وہ گورکن اس سے اس کی شناخت پوچھ رہا تھا۔ اس لمحے اس نے گمنامی کا ذائقہ چکھا تو اسے بہت لطف آیا۔ اسے لگا کہ گمنامی اتنی بری چیز بھی نہیں کہ وہ اس سے اتنا خوف زدہ رہتا ہے۔ وہ مسکرا کر بولا۔

"میں ایک عام آدمی ہوں' اب تک اپنے جیسے عام آدمیوں سے ملتا رہا ہوں' اب ان سے ملنا چاہتا ہوں جو کبھی میری طرح چلتے پھرتے ہنستے بولتے تھے۔ کیا آپ مجھے ان کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟"

"آپ ان کے بارے میں کیوں جاننا چاہتے ہیں؟"

"کیونکہ میں زندگی اور موت کی حقیقت کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" گورکن نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر کئی قبروں کے پاس لے جا کر ان کی زندگی کی کہانیاں سنائیں اور جب سب کہانیاں مکمل ہو گئیں تب اس نے کہا۔

"اب آپ مجھے ان کی موت کی کہانیاں سنائیں۔" وہ اچنبھے سے کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر مبہم سا مسکرایا اور زندگی کا ورق پلٹ کا موت کا چہرہ دکھایا۔

"ذہین ترین انجینئر محمود بھٹی' جو دس سال بعد پاکستان میں تو انقلاب نہ لا سکے' البتہ ان کی اپنی زندگی میں ضرور انقلاب آ گیا تھا۔ سب سے پہلے انہیں ذیابیطس ہوئی پھر وہ الزائمر کا شکار ہوئے اور آخری عمر میں پورے جسم پر فالج ہو جانے کی وجہ سے مکمل طور پر دوسروں کے محتاج ہو گئے۔ مزید پانچ سال اسی حال میں گزار کر وہ ذیابیطس اور باقی بیماریوں کی وجہ سے انتہائی بری جسمانی حالت میں بالآخر خالقِ حقیقی سے جا ملے تھے۔

ہونہار خاتون غزل مہتاب' جنہیں لگتا تھا پورے پاکستان میں ان جیسی ہنر مند کوئی اور عورت ہو ہی نہیں سکتی اور وہ اپنا ہنر پاکستان کی تمام لڑکیوں میں منتقل کریں گی' انہوں نے ایک اکیڈمی کھولی' اس کا شاندار افتتاح کروایا' اس میں پہلے ہی دن سو داخلے ہوئے۔ دس دن بعد کلاسز کا باقاعدہ آغاز ہونا تھا لیکن کچھ بھی نہ ہوا اور کلاسز کے آغاز سے محض دو دن قبل وہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ ان کی اولاد نے سب طالبات کو ان کی فیسیں واپس کر کے اکیڈمی بند کر دی کیونکہ ان جیسی ہنر مند ان کی اپنی بیٹیاں بھی نہیں تھیں۔

اعلیٰ سرجن وسیم سردار' جنہوں نے دس سال بعد پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا اور ایمان داری کے جذبے پر مبنی ہسپتال بنانا تھا' وہ پانچ سال بعد ہی کانگو وائرس کے کچھ مریضوں کو ڈیل کرتے ہوئے خود بھی اس وائرس کا نشانہ بن گئے اور چوبیس گھنٹوں کے اندر چٹ پٹ۔

پھپھے کٹنی سردری بیگم' جو دردانہ بیگم کے سب راز فاش کر دینے کے بعد سارے زمانے میں بری طرح بدنام ہو گئی تھیں' منہ چھپا کر گھر میں بند ہونے پر مجبور ہو گئیں۔ ہر شخص نے الگ الگ ان کے پاس جا کر انہیں اس قدر لعن طعن کی کہ وہ ڈپریشن کی مریضہ بن گئیں اور ڈپریشن اس حد تک بڑھا کہ وہ پاگل ہو گئیں

Digitized by Google

اور اسی پاگل پن کے دورے میں ایک دن وہ چیختی چلاتی باہر نکلیں اور تیز رفتار ٹرک کے نیچے آ کر جان کی بازی ہار گئیں۔

نیک سیرت حاجی عبید الرحمن نیازی' جو ہر معاملے میں بس اللہ سے ڈرتے تھے اور سب کے ساتھ انصاف کا معاملہ رکھتے تھے' ان کے ہاتھوں بارہ عیسائی' پانچ ہندو اور سات یہودی مسلمان ہوئے۔ سکون قلب کی دولت سے مالا مال وہ اٹھاون صحت مند زندگی جیے اور ایک روز نماز فجر میں سجدے کے دوران روح قبض ہوگئی۔ وہ دنیا سے ایسے گئے کہ ان کی اولاد انہی کی طرح نیک صالح تھی اور بیویاں آپس میں حسن سلوک سے رہتی تھیں۔ گورکن کا کہنا تھا کہ رات کے وقت ان کی قبر کے گرد نور کا ہالہ رہتا ہے اور دن میں وہاں ایک خوشبو کی مہک پھیلی رہتی ہے۔ یہ چیز گورکن کے سوا کبھی کسی اور کو محسوس نہیں ہوئی' اور اب ارحم بھی محسوس کر رہا تھا۔

مشہور و معروف مصنفہ آنسہ فاطمہ مسرت' جنہوں نے عمر عزیز کی ستر بہاریں دیکھیں' پچیس بہترین ناول لکھے اور کئی تمغہ بھی جیتے۔ ان کی اولاد میں سے ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا مصنف بنے لیکن ان جیسا مقام کوئی بھی حاصل نہ کر سکا۔ ستر برس کی عمر میں جگر کا عارضہ ان کی موت کا سبب بنا۔

بین الاقوامی فرم کے اعلیٰ عہدیدار تحسین عباسی' جنہوں نے ساری زندگی حقوق اللہ سے نظریں چرائے صرف حقوق العباد پر دھیان مرکوز رکھا' آخری ایام میں ہڈیوں کے کینسر کا شکار ہو کر وہ ملنے جلنے سے بھی قاصر ہو گئے تب اپنی اولادوں کو بلا کر منت کرتے کہ انہیں کسی بھی طرح مسجد لے جائیں تاکہ وہ ایک بار نماز ادا کر سکیں' رمضان میں سحری کے وقت اٹھ کر رونے لگ جاتے کہ انہیں سحری دی جائے کیونکہ وہ روزہ رکھنا چاہتے ہیں لیکن اس وقت ان کی صحت نہ نماز کی متحمل ہو سکتی تھی نہ روزے کی۔ تین سال شدید تکلیف گزار کر ایک روز وہ یہی دکھ سینے میں لیے خالق حقیقی سے جا ملے کہ صرف ایک بار وہ نماز پڑھ سکتے اور روزہ رکھ پاتے۔

ضدی خاتون خانہ نائلہ بخاری' جنہوں نے اپنے ہاتھوں اپنی اولاد کو خود سے دور کیا' وہ ادھیڑ عمری میں متعدد بیماریوں کا شکار ہو گئیں۔ ابتدا ہائی بلڈ پریشر سے ہوئی' پھر دل کی تکلیف' پھر ذیابیطس' پھر ہڈیوں کا بخار' پھر جگر کی تکالیف اور یہ سب کچھ انہوں نے تنہا جھیلا' کسی بیٹے کو آواز دی نہ ان کے بلانے پر ان کے پاس گئیں۔ بالآخر ہسپتال منتقل ہوئیں اور وہاں سے مر کر ہی نکلیں۔

کاروباری پیر منظر فاروقی' جنہوں نے اپنے بیٹوں سے ہر تعلق توڑ کر انہیں گھر سے بے دخل کر دیا تھا' آخری عمر میں ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر منت کرتے کہ کہیں سے ان کے بیٹوں کو ڈھونڈ لائیں تاکہ وہ اپنے اثاثے ان کے حوالے کر کے سکون سے مر سکیں۔ ان کی بیوی ان سے پہلے مر گئیں۔ جب وہ محتاج ہوئے تو ان کے پاس محض چند نوکر تھے جو ان کی محتاجی سے تنگ آ کر ایک ایک کر کے چھوڑ گئے۔ ایک روز بھولا بھٹکا ان کا ایک بیٹا معافی کی آس لیے وہاں آیا تو انہوں نے اسے گلے لگا کر معافی دینے کے بجائے اس سے معافی مانگی۔ وہ باقی بھائیوں کو بھی ڈھونڈ لایا اور ان کی آخری خواہش پوری ہوئی تو انہوں نے سکون سے آنکھیں موند لیں۔ پانچوں بیٹوں نے انہیں خود اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا۔ "یہ ہے زندگی کی حقیقت۔

ارحم خانزادہ..... حسین و جمیل بھرپور مرد..... ذہین ترین اور قابل ترین..... بچپن سے لے کر اب تک' اٹھائیس برس کی عمر تک وہ ایک مسلسل بے چینی کے زیر اثر رہا۔ ایک شعبہ کی طرف دلچسپی پیدا ہوتی تو اس میں مہارت حاصل کرتا' پھر بھی بے چینی برقرار رہتی۔ وہ مزید نئی راہیں تلاشنے نکل جاتا' دوسری شعبے میں دلچسپی محسوس کرتا تو سوچتا کہ ہاں یہی تو تھا جس کی اسے تلاش تھی' اس میں مہارت حاصل کرتا تو پھر سے وہی بے چینی..... اسی بے چینی میں قریہ قریہ پھرتے وہ ایک کے بعد ایک ڈگری لیتا گیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ اصل میں چاہتا کیا ہے۔ اس کے خیر خواہ اسے کہتے کہ وہ مصوری کو اپنائے مگر دو چار پینٹنگز بنانے کے بعد اس کا دل اوب جاتا' اسے لگتا اس نے کوئی غلیظ چیز بنا دی ہے۔ کسی نے کہا فن تعمیر میں مقام بناؤ' دو چار مکان بنانے کے بعد وہ اس سے بھی بیزار ہو جاتا' اسے لگتا کہ یہ مکان اس کی قبر بننے لگے ہیں' وہ گھبرا کر چھوڑ دیتا۔ پھر کوئی کہتا بس گانے گاؤ' موسیقی روح کی غذا ہے۔ اس نے دو چار گیت گائے مگر اس کی روح میں آبلے پڑ گئے' کئی دن وہ برفیلا پانی پیتا رہا مگر اس کے اندر نجانے کون سا آتش فشاں پھوٹ پڑا تھا جو بجھتا ہی نہ تھا بلکہ اس کو جلائے جاتا۔ پھر اس نے فیشن ڈیزائننگ شروع کی۔ اپنے تیار کردہ کپڑے ماڈلز یا اداکاروں کو پہنے دیکھتا تو اسے لگتا وہ سب عریاں ہیں۔ وہ شرمندگی میں غرق ہو جاتا کہ یہ اس نے کیا کر دیا۔ پھر اس نے ریمپ پر ماڈلنگ کی' ایک بار دو بار تین بار..... پھر ایک دن اسے لگا کہ وہ پل صراط پر چل رہا ہے' ذرا سا لڑکھڑایا تو گیا..... ایک بار لڑکھڑاہٹ کا خوف اس قدر حاوی ہوا

Digitized by Google

کہ وہ واقعی گر پڑا اور اس گرنے نے اسے ایسے خوف میں مبتلا کیا کہ وہ بے ہوش ہوگیا اور کئی دن بعد اسے ہوش آیا تو اسے پتا چلا کہ اسے نروس بریک ڈاؤن ہوگیا تھا۔ اس کے بعد اسے چپ لگ گئی۔ چند دن اس وہ گھر میں اپنے کمرے میں بند پڑا رہا۔ پھر جمود کچھ ٹوٹا تو اس نے ایک پرانا رسالہ اٹھالیا۔ یونہی بے مقصد صفحے پلٹتے پلٹتے وہ ایک صفحے پر ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ سویرا منہاج کا انٹرویو تھا۔ ماضی کی سپر ماڈل اور سپر اسٹار۔ یہ انٹرویو اسی دور کا تھا جب وہ عروج پر تھی۔ اس کی آخری سطور میں لکھا تھا کہ میں دس سال سے بیک وقت فلم ڈراما اور ماڈلنگ انڈسٹری پر راج کر رہی ہوں اور اگلے دس سال بھی تینوں جگہ میرا ہی راج ہوگا یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔ ارحم نے رسالہ میز پر رکھا اور انگلیوں پر حساب لگایا۔ اس انٹرویو کے تین سال بعد سویرا منہاج ایک روز اچانک اپنے اپارٹمنٹ میں مردہ پائی گئی تھی۔ شواہد اور پھر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے بتایا کہ کیس خودکشی کا تھا۔ بس وہی..... بس وہی لمحہ تھا جب ارحم خانزادہ نے جان لیا کہ وہ زندگی سے کیا چاہتا تھا' اس نے جان لیا کہ اسے دراصل کیا خوف لاحق تھا اور کس چیز نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔ اسے گم نامی کا خوف تھا' کہ اتنا سب کچھ کر لینے کے بعد بھی کہیں ایک دن دنیا اسے بھول نہ جائے۔ اسے زوال کا خوف تھا کہ اس کے عروج' اس کی شہرت اور اس کے حسن کو زوال نہ آجائے۔ اسے محتاجی کا خوف تھا کہ کہیں وہ عمر کے کسی حصے میں جسمانی' روحانی یا مالی طور پر کسی کا محتاج نہ ہو جائے۔ اسے کھو دینے کا خوف تھا' وہ سب کچھ جو آج اس کا اثاثہ تھا' رشتے' محبت' دولت' شہرت اور عزت۔ وہ اٹھا اور اپنے حلیے کی پروا کیے بنا چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔ تیز رفتاری سے گاڑی دوڑاتا وہ سیدھا شہر خموشاں کے سامنے آرکا' قبروں کا معائنہ کرتے یونہی اچانک اسے وہ گورکن ملا جس سے اس نے ان قبروں کی بابت دریافت کیا جن پر خوب صورت کتبے لگے تھے۔ اسے لگا کہ شاید نام دیکھ کر گورکن ان کے بارے میں آسانی سے بتا سکے گا لیکن وہ یہ جان کر حیران رہ گیا کہ وہ تو ان قبروں کے مکینوں سے بھی پوری طرح واقف تھا جن کی قبریں شکستہ ہو کر برابر ہو چکی تھیں۔ وہیں اس نے وہ تصویری سلائیڈ شو دیکھا اور اس کے بعد دل میں سکون اور چہرے پر الوہی مسکان لیے وہ گھر واپس آگیا۔ وہ جان گیا تھا کہ زندگی کیا ہے اور موت کس شے کا نام ہے۔

❀.....❀.....❀

"زندگی' دولت' محبت' شہرت' سب فانی ہے۔ میں ذہین' باصلاحیت اور خوب صورت ہوں مگر مجھے اس پر کوئی فخر ہے نہ غرور کیونکہ اس سب میں میرا اپنا تو کوئی کمال ہے ہی نہیں۔ یہ سب کچھ تو اللہ نے مجھے آزمائش کے طور پر دے دیا کہ میں اسے پا کر کیا سلوک کرتا ہوں' اپنے ساتھ بھی اور دنیا کے ساتھ بھی۔ اب مجھے کسی چیز کے چھن جانے کا خوف ہے نہ زوال کا ڈر۔ نہ موت کا خوف ہے نہ زندگی سے اتنی محبت کہ اسے کھونے سے ڈروں۔ زندگی دائمی نہیں' یہ موت ہے جو انسان کو دوام کی طرف لے جاتی ہے اس لیے موت سے نہ ڈریں۔ مجھے قبرستان جا کر ایک عجیب سا سکون ملتا ہے آپ بھی اس سکون کو محسوس کیا کریں۔ جب بھی مجھے لگتا ہے کہ میں پھر سے اس فانی زندگی کی چاہ میں مبتلا ہونے لگا ہوں تو میں قبرستان چلا جاتا ہوں اور پھر سے زندگی کی حقیقت کے قریب تر ہو جاتا ہوں۔ اپنوں کی اموات نے مجھے پریشان نہیں کیا بلکہ یہ احساس دلایا کہ کل میں بھی انہی میں شمار ہو جاؤں گا اس لیے مجھے اپنے مستقبل کی کوئی منصوبہ بندی نہیں کرنی۔ وہ اوپر بیٹھا ہے سب سے بہترین منصوبہ ساز' یہ کام اسی کے ذمے چھوڑ دیں۔ جس لمحے آپ نے اس حقیقت کو قبول کر لیا کہ یہ دنیا ایک عارضی سفر ہے اسی لمحے آپ کے دل سے ہر شے کی محبت نکل جائے گی۔ موت' زوال اور شکست نے مجھے توڑا نہیں' تلخ نہیں کیا بلکہ مزید نرم اور میٹھا بنا دیا ہے۔ آپ بھی اس مٹھاس کو محسوس کریں۔"

ارحم خانزادہ کے یہ الفاظ منٹوں میں سوشل میڈیا پر وائرل ہوگئے۔ اس کے بعد وہ منظر عام سے غائب ہوگیا۔ کسی نے کہا وہ ملک سے باہر چلا گیا ہے' کسی نے کہا اس نے شادی کر لی' کسی نے کہا وہ گوشہ نشین ہوگیا' کسی نے کہا اس نے خودکشی کر لی لیکن یہ سب قیاس آرائیاں تھیں۔ اصل سراغ کسی کو نہ ملا۔ پانچ سال بعد کسی نے اسے ایک اولڈ ایج ہوم میں دیکھا جہاں وہ اولادوں کے ٹھکرائے بوڑھے والدین کے پاس بیٹھا کسی کے پیر دھو رہا تھا تو کسی کے سر پر تیل کی مالش کر رہا تھا۔ وہ دل ٹوٹنے کی تکلیف سے خود نہیں گزرا تھا لیکن ٹوٹے دلوں کو جوڑنے سے بہتر اسے کوئی صدقہ جاریہ نہ لگا تو اس نے اپنی زندگی کو ان دلوں کے نام وقف کر دیا تھا۔

❀

www.naeyufaq.com

Digitized by Google

عشق کے مسافر

ندا حسنین

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

اینا پاؤل کی گاڑی بلاسٹ ہوجاتی ہے۔ وہ ارسل کو محفوظ رکھنے کی خاطر اسے دوسری طرف سے جانے کا کہتی ہے، لیکن ارسل اس بات کو سمجھ نہیں پاتا اور پریشانی کے عالم میں گاڑی سے اتر کر اس کی طرف بڑھتا ہے، جب ہی خوفناک بلاسٹ ہوجاتا ہے۔ اینا پاؤل کے ساتھ ارسل بھی اس حادثے کا شکار ہوتا ہے۔ اینا پاؤل تو موقع پر ہی جاں بحق ہوجاتی ہے۔ البتہ ارسل کو شدید زخمی حالت میں ماریانہ ہاسٹل لے کر پہنچتی ہے، جہاں وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہوتا ہے۔ میا اور پیڈرو بھی یہ سب جان کر ہاسپٹل پہنچتے ہیں تو ماریانہ انہیں ہر بات تفصیل سے بتاتی ہے ساتھ ہی ارسل کے گھر والوں سے رابطہ کرنے کا کہتی ہے۔ میا کی طنزیہ گفتگو ماریانہ کو مزید پریشان کردیتی ہے۔ صوفیہ اس حادثے کی خبر ٹی وی پر دیکھتی ہے اور ماریانہ کو بھی ہاسپٹل میں دیکھ کر بے چین ہوجاتی ہیں۔ ایسے میں میتھیو صوفیہ کو اپنے تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ وہ اینا پاؤل سے نفرت کا اظہار کرتا ہے کہ اس نے آخری وقت میں اسلام قبول کرلیا۔ صوفیہ اس کی یہ نفرت دیکھ کر بے حد خوفزدہ ہوجاتی ہیں اور گرینی سے رابطہ کرتی ہیں۔ حماد کو جب یہ اطلاع ملتی ہے کہ ارسل کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور وہ خطرے میں ہے تو وہ فوراً ہی اس کے پاس پہنچنا چاہتا ہے۔ ایسے میں فرید حسن بھی ارسل کے پاس جانا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ انہیں ساتھ لے جانا نہیں چاہتا اور حماد اور شبنم دونوں روانگی کی تیاری کرتے ہیں۔ فاریہ بھی ایسے وقت میں حماد کا ساتھ دیتی ہے۔ اگرچہ حماد کے ساتھ شبنم کی موجودگی اسے پسند نہیں آتی، مگر وہ خاموش رہ جاتی ہے۔ قمر جہاں اور فاریہ اپنے طور پر ماضی کے حقائق تک پہنچنے میں کوشاں ہیں۔ جب ہی انہیں عورت کے قتل اور مہرو عظیم کے آرٹیکل کے راز مل جاتے ہیں۔ یہ قتل بخت انڈسٹریز سے جڑا ہونے کے سبب انہیں مزید جاننے پر اکساتا ہے۔ جب ہی وہ اس تلاش میں لگ جاتی ہیں۔ یاور بخت اسلام آباد جاتا ہے تو محمود بیگ تنہائی میں سجل سے ملنے چلا آتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

تیرے در پر صنم چلے آئے
تو نہ آیا تو ہم چلے آئے

محمود بیگ، سجل کو سرتاپیر معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گنگنانے لگا۔ اس کی گنگناہٹ سجل کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس نے قہر آلود نگاہوں سے محمود بیگ کو گھورا اور پھر ملازمہ کو وہاں سے جانے کا اشارہ کر کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”بزرگوں سے سنا ہے کہ مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔ تم واحد انسان ہو محمود بیگ، جو انسان کے لیے زحمت بن جاتے ہیں۔“ سجل نے اس کی آمد پر واضح طور پر ناگواری کا اظہار کیا۔ اس کی بات سن کر محمود بیگ کا قہقہہ بلند ہوا۔

”جن بزرگوں کو آج بڑے فخر سے یاد کررہی ہو سجل بیگم کہیں وہ تو نہیں جنہوں نے تمہیں چند کوڑیوں کے عوض بیچ دیا تھا۔“

Digitized by Google

محمود بیگ کا طنز کارگر ثابت ہوا۔ سجل بری طرح جل بھن اٹھی۔

"چلو چند کوڑی ہی سہی مگر کوئی قیمت تو ہے میری۔ تم یاد کر کے بتاؤ تمہاری کوئی قیمت بھی ادا ہوئی تھی یا کچرے کے ڈھیر سے کسی بدفطرت کے ہاتھ لگ گئے تھے۔" محمود بیگ کے تحقیر آمیز طنز کا بدلہ اس نے بھرپور انداز میں دیا۔

"مجھے میری اوقات یاد دلاتے ہوئے یہ کبھی نہ سوچنا محمود بیگ کہ میں تمہارا ماضی بھول گئی ہوں۔" محمود بیگ کے چہرے کا بدلتا رنگ سجل کے اندر اطمینان بھرتا چلا گیا۔

"چھوڑو ان ماضی کی باتوں کو۔ حال کی بات کرو۔ مستقبل کی فکر کرو۔ ایک مشورہ یا پھر سمجھو کہ پیشکش لے کر آیا ہوں یاور بخت کے محل میں۔" محمود بیگ جلد سنبھل گیا اور اصل مدعے پر آتے ہوئے بولا۔

"یاور بخت کا محل نہیں، سجل کا محل۔ میں ہوں اس محل کی ملکہ۔ میری سلطنت ہے یہ، میری حکومت چلتی ہے یہاں۔" سجل کروفر سے اسے ٹوکتے ہوئے بولی۔

"اور ملکہ کا وجود بادشاہ کے دم سے قائم رہتا ہے۔ سجل بی بی اور مجھے یوں لگتا ہے کہ بہت جلد تم اپنے مقام سے گرنے والی ہو۔" محمود بیگ نے سجل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں مخفی دھمکی کو پہچان کر چند ثانیے وہ محمود بیگ کو دیکھتی رہی۔

"میں بخوبی آگاہ ہوں کہ تم یاور بخت کے کاروبار کو ہتھیانے کی کوشش میں مصروف ہو۔ اپنی فکر کرو محمود بیگ کیونکہ یاور بخت اب چوکنا ہو گیا ہے اور اب تمہیں چھوڑنے والا نہیں۔" سجل نے جلد ہی اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے نفسیاتی طور پر محمود بیگ کو مات دینے کی کوشش میں دھمکایا۔ محمود بیگ کے منہ سے ایک بار پھر قہقہہ بلند ہوا۔ سجل کی دھمکی کو اس نے ناک سے مکھی کی طرح اڑا دیا۔

"تمہیں پتا ہے سجل۔ یہ بھولپن، معصومیت اور شوہر پرستی ان عورتوں پر جچتی ہے جو شرافت اور پاکیزگی کے زیور سے آراستہ ہوں۔ تم جیسی گھاٹ گھاٹ کا پانی پی ہوئی عورت جب اتنی سادگی کا مظاہرہ کرے تو ہنسی آتی ہے۔" وہ تمسخرانہ انداز میں گویا ہوا۔ سجل سرتاپیر سلگ گئی۔

"کہنا کیا چاہتے ہو تم۔ کھل کر کہو۔ یوں تاک تاک کر عورتوں کی طرح طعنے مارنے کی ضرورت نہیں محمود بیگ۔ مت بھولو تمہارا یہ جما جمایا کھیل میری بدولت ہے۔ شطرنج کی بازی اب بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ میری ایک چال تمہارا بنا بنایا کھیل برباد کر سکتی ہے۔ لہٰذا فضول باتیں چھوڑو اور کام کی بات کرو۔ جس کے لیے یہاں آئے ہو۔"

"کام کی بات کرنے سے پہلے تمہیں، تمہاری اوقات یاد دلانا بہت ضروری ہے سجل بیگم۔ اس شطرنج کی بازی میں تم صرف ایک پیادہ کی حیثیت رکھتی ہو، جس کی تمام ڈوریں میرے ہاتھ میں ہیں۔ سجل بی بی یہ یاد رکھو کہ اب تم یاور بخت کی محبوبہ نہیں بیوی ہو۔ بیوی بھی وہ جو اولاد دینے کا زعم لے کر آئی تھی اس کی زندگی میں۔ سال ہونے کو آ رہا ہے۔ کہاں ہے تمہارا دعویٰ سجل بی بی۔ تمہارا شوہر اب تک محرومی کی زندگی گزار رہا ہے۔ تمہیں لگتا ہے کہ وہ مزید انتظار کر پائے گا..... نہیں سجل..... وہ اس صبر اور انتظار سے تھک گیا ہے۔ صبیحہ سے برسوں کی رفاقت تھی اور وہ اس کی خوش بختی کا ستارہ تھی پھر بھی وہ اسے اپنی زندگی سے نکال باہر کر گیا۔ ایسے میں تم کس کھیت کی مولی ہو سجل بی بی۔" وہ استہزائیہ انداز میں اسے اس کی حقیقت سے روشناس کروا رہا تھا۔ سجل بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔

"اپنی آنکھیں کھولو۔ حالات دیکھو۔ ہمارے معاشرے میں اولاد کے معاملے میں خواتین کو دائیوں تک ہی محدود رکھا جاتا ہے مگر یاور بخت نے صبیحہ کو دائیوں تک محدود نہ رکھا بلکہ ملک کی نامور ڈاکٹرنیوں سے اس کا چیک اپ کروایا۔ صرف یہی نہیں، کوئی اور مرد ہوتا تو اپنی توہین سمجھتا مگر یاور بخت نے اپنی بھی جانچ پڑتال کروائی اور اسی پر بس نہیں۔ اولاد کے حصول کے لیے

یاور بخت کی دیوانگی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ اس نے تمہیں بھی کسی دائی کے رحم و کرم پر نہ چھوڑا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس کی ڈاکٹرنی میں نے خرید لی تھی مگر ایک راز کی بات بتاؤں سجل....." محمود بیگ نے اس سے قریب ہو کر سرگوشیانہ انداز اختیار کیا۔ سجل خاموشی سے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

"یاد ہے اس دن صبیحہ صرف طلاق کا داغ نہیں بانجھ پن کا تمغہ بھی گلے میں ڈال کر اس محل سے بے دخل ہوئی تھی۔ وہ تمغہ جھوٹا تھا اور میرا بخشا ہوا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صبیحہ بانجھ نہیں بلکہ یاور بخت نا اہل ہے۔ صبیحہ کے پاس جو رپورٹیں تھیں وہ درست تھیں، تمہیں سچا ثابت کرنے کے لیے میں نے اس کی رپورٹس تبدیل کروا دیں تھیں۔ اس محل کی ملکہ کی بنیاد جھوٹی رپورٹس پر کھڑی ہے آہ.....! سجل تمہارے یہ کمزور سہارے میرے ارادوں کے محتاج ہیں....." وہ مکروہ ہنسی ہنستا ہوا سجل کو ہراساں کر رہا تھا۔ سجل کو آج شدت سے احساس ہوا کہ وہ محمود بیگ کے جال میں بری طرح پھنس گئی ہے۔

"اب تو تم سمجھ گئی ہو گی میری جان کہ یہ جما جمایا کھیل کس کے اشارے کا محتاج ہے۔ میں ہوں اس بساط کو بچھانے والا۔ ہر مہرہ ہر پیادہ میرے اشارے میرے ارادوں پر انحصار کرتا ہے اور سجل بی بی تم بھی یہ جان لو کہ تم بے بس ہو مجھ سے مقابلے کا خیال اپنے دل سے نکال دو اور اگر تمہیں یہ عیاشیاں اور آسائشیں عزیز ہیں تو جیسا میں کہوں ویسا ہی کرتی جاؤ۔ اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔" محمود بیگ اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"اب کیا چاہتے ہو تم مجھ سے۔ کھل کر بتاؤ؟" سجل نے دو ٹوک انداز میں استفسار کیا۔

"اب کی ناں تم نے سمجھداری والی بات۔" محمود بیگ اس کے گلابی رخسار کو دھیرے سے چھوتے ہوئے چہکا۔

"بے کار کی باتیں چھوڑو۔ کام کی بات کرو۔ بتاؤ کیا چاہتے ہو اب تم مجھ سے۔" سجل نے اس کا ہاتھ سختی سے جھٹکتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔ محمود بیگ زیر لب مسکراتے ہوئے چند ثانیے تک سجل کا چہرہ دیکھتا رہا پھر دھیرے سے بولا۔

"تمہیں چاہتا ہوں۔ تمہاری رفاقت چاہتا ہوں۔ تم سے تعلق بنانا چاہتا ہوں۔ جب تک یاور بخت لوٹ کر نہیں آتا۔ تب تک تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے معنی خیز نگاہوں سے سجل کو دیکھنے لگا۔ سجل ہک دک سی اسے دیکھتی رہی تھی۔

صبیحہ رات کے کھانے کے بعد حسب معمول گرم دودھ کا گلاس لے کر درانی صاحب کے کمرے میں پہنچیں۔ کتابوں کی دنیا میں کھوئے درانی صاحب کے لیے یہ وقت بے حد انمول تھا۔ بیگم کے بعد بہو بھی کتاب دوست ثابت ہوئی تھی۔ بہو کے ساتھ مل کر وہ کافی دیر تک کتابوں پر سیر حاصل گفتگو کرتے تھے۔

"بیٹا مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے جب تم یہاں بیٹھ کر میرے ان ساتھیوں کو وقت دیتی ہو۔ ان کی سنتی ہو ان کی باتیں کرتی ہو۔ اب یہ اطمینان رہنے لگا ہے کہ میرے بعد ان کتابوں کا ایک رفیق اس گھر میں موجود ہو گا۔" درانی صاحب نے مسرور سے انداز میں کہا۔

"اگر آپ ایسی باتیں کریں گے تو میں آنا چھوڑ دوں گی۔" صبیحہ نے خفا ہوتے ہوئے انہیں ٹوکا تو وہ بھی مسکرا دیے۔

"عاصم کہاں ہے۔ سو گیا کیا؟" انہیں یک دم بیٹے کا خیال آیا تو پوچھ بیٹھے۔

"کمرے میں آرام کر رہے ہیں۔ چائے کی فرمائش کرتے ہیں اس وقت۔ چائے پیئے بنا تو سونے والے نہیں۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئیں۔

"ہونہہ..... تو بیٹا عاصم میاں کی چائے کی فکر کرو۔ ٹھنڈ بڑھ گئی ہے۔ اب تم بھی آرام کرو۔" وہ شفقت سے صبیحہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ صبیحہ اثبات میں سر ہلاتیں ان کے کمرے سے نکل گئیں۔ چائے کا کپ تھامے جب وہ کمرے

Digitized by Google

میں داخل ہوئیں تو عاصم بستر پر دراز ان ہی کے منتظر تھے۔

"کب سے آپ کی آمد کا منتظر تھا۔" صبیحہ کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھتے ہی عاصم مسکرائے۔

"میری آمد یا پھر چائے کے انتظار میں تھے۔" صبیحہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے چھیڑا۔

"مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ صبیحہ جب آپ میرے چھوٹے چھوٹے کام ملازمین ہونے کے باوجود خود کرتی ہیں۔ خود سے بڑھ کر میرا خیال رکھتی ہیں۔ سچ کہوں تو آپ کو پا کر میں بے انتہا خوش ہوں۔" عاصم بیٹھتے ہوئے سرشار سے بولے۔

"یادِ بخت کا تو اس سے بھی زیادہ خیال رکھتی تھی مگر اس نے مجھے کبھی بھی یوں نہ سراہا۔" صبیحہ چائے کا کپ ان کی جانب بڑھاتے ہوئے بے اختیار کہہ گئیں۔ لفظ ان کے لبوں سے آزاد ہو کر عاصم کی سماعت میں پناہ گزیں ہو گئے۔ عاصم کا چائے کی پیالی تھامنے کی غرض سے بڑھتا ہوا ہاتھ خلاء میں ہی رہ گیا تھا۔ صبیحہ بری طرح گھبرائیں۔

"میرا..... یہ مطلب نہیں تھا۔ میں اب اس شخص کا نام بھی لینا گوارا نہیں سمجھتی۔ نہ جانے آج کیسے.....!"

"گھبرا کیوں رہی ہیں آپ صبیحہ یادِ بخت آپ کا ماضی تھا اور ماضی جتنا بھی تلخ ہو کبھی کبھی یاد آ ہی جاتا ہے۔ اور اگر وہ قدر دان ہوتا تو کیا آپ میرے پاس یوں موجود ہوتیں جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ کے ہر کام میں مصلحت چھپی ہوتی ہے۔ اسی لیے گھبرانا چھوڑیے اور میرے ساتھ آ کر چائے پیجیے۔" عاصم نے نرمی سے کہتے ہوئے ان کے ہاتھ سے چائے کی پیالی تھام لی۔ صبیحہ ان کی بات پر مطمئن سی ہو کر بیٹھنے لگیں کہ یک دم چکرا گئیں۔

"صبیحہ کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟" عاصم پریشان ہو کر انہیں سہارا دیتے ہوئے بولے۔

"ٹھیک ہوں..... پتا نہیں کیوں کچھ دنوں سے طبیعت گری گری سی رہنے لگی ہے۔ چکر بھی اکثر آ جاتے ہیں۔" صبیحہ عاصم کا ہاتھ تھام کر خود کو سنبھالتے ہوئے بولیں۔

"خیال جو نہیں رکھتیں آپ اپنا اور نہ جانے کن سوچوں میں خود کو الجھائے رکھتی ہیں چلیں اب آرام کریں۔ کل سے ملازمہ کو آپ کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھنے کی تاکید کر کے آفس جاؤں گا۔" عاصم نے انہیں اپنے پہلو میں بٹھاتے ہوئے پیار سے کہا تو صبیحہ مسکرا کر رہ گئیں مگر دوسرے دن ہی اس طبیعت خرابی کا مژدہ صبیحہ کے دامن میں خوشیاں بھر گیا تھا۔

"میں آج بہت خوش ہوں۔ لگتا ہے کہ ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہے مجھے۔ ایک مدت تک تڑپتی رہی تھی میں اس خوشی کے لیے اور آج میرے رب نے میری سن ہی لی۔ مجھے بانجھ ہونے کا طعنہ دیا گیا اور میرے اللہ نے آج مجھے سرخرو کر دیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں ماں بننے والی ہوں۔" وہ خوشی کے عالم میں عاصم کے سینے سے لگیں اپنے دل کا حال بیان کر رہی تھیں۔ ان کا چہرہ اور لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

"مگر مجھے یقین آ گیا ہے کہ اللہ نے یہ خوشی ہمارے نصیب میں لکھ دی ہے۔ صبیحہ آپ کو یہ انمول تحفہ دراصل میری ذات سے ملنا تھا۔ میری آپ کی زندگی میں آمد تک انتظار تو پھر لازم تھا ناں آپ پر..... آپ سوچ نہیں سکتیں کہ آج میں کتنا خوش ہوں۔" عاصم نے ان کے ماتھے پر چاہت سے بوسہ دیتے ہوئے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں محسوس کر سکتی ہوں آپ کی خوشی مگر میری محرومی اس ننھی جان نے آج دور کر دی ہے۔ مجھے اپنی نظروں میں معتبر کر دیا مکمل کر دیا۔ ادھورا اپن جان لیوا ہوتا ہے۔ آج میری ذات کی تکمیل ہو گئی۔ میری دنیا مکمل ہو گئی آپ کے دم سے عاصم۔" وہ فرطِ جذبات میں کہہ رہی تھیں۔ تب ہی عاصم نے یہ کہہ کر انہیں لاجواب کر دیا۔

"میری دنیا تو اسی دن مکمل ہو گئی تھی جس دن آپ میری زندگی میں شامل ہوئی تھیں۔ میری پہلی محبت، پہلی ترجیح ہمیشہ سے آپ تھیں، ہیں اور رہیں گی۔" عاصم کی محبت انہیں خواب لگنے لگی۔ یادِ بخت ایک سخت آزمائش کا نام تھا اور اس آزمائش میں سرخرو ہونے کا انعام اگر عاصم کا ساتھ تھا تو وہ اپنی قسمت پر بے حد نازاں تھیں۔

Digitized by Google

"بس اب ہماری دنیا کو کسی کی نظر نہ لگے۔" صبیحہ نے دل ہی دل میں دعا کی تھی۔

"آسان لفظوں میں کہوں تو میں چاہتا ہوں کہ تم یاور بخت کو جلد سے جلد ماں بننے کی خوش خبری سناؤ۔ بھلے اس خوش خبری کا وسیلہ میری ذات ہو مگر اب میں چاہتا ہوں کہ یاور بخت کے گھر بچے کی پیدائش ہو۔" اس نے عجیب سے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو محمود بیگ؟ تم ہوش میں تو ہو۔" سجل کے لہجے میں بے یقینی گھلی ہوئی تھی۔

"میں تو ہوش میں ہوں مگر لگتا ہے کہ تم اب تک ہوش میں نہیں ہو۔ بے وقوف عورت اور کوئی چارا بھی نہیں ہے تمہارے پاس۔ تم اس محل میں کسی محبت کے نتیجے میں نہیں بلکہ ایک غرض کے نتیجے میں موجود ہو۔ غرض پوری نہ ہوئی تو دھتکار کر نکالی جاؤ گی اور تمہارے ساتھ تو میں صبیحہ سے بھی زیادہ برا ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ تم ایک ایسے پرندے کی مانند ہو جس کے پر کٹ گئے ہیں۔ وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ یاور بخت تم سے اولاد نہ ملنے کی صورت میں پھر کسی اور عورت کی جانب بڑھے گا اور اگر اسے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ خود باپ بننے کی اہلیت نہیں رکھتا تو دونوں صورتوں میں دھتکار تمہارے حصے میں آئے گی سجل بیگم۔" محمود بیگ سفاکی سے اس کے سامنے حقیقت عیاں کر رہا تھا۔ پہلی بار سجل کو احساس ہوا کہ وہ ایک دلدل میں پھنس گئی ہے۔ ایسی دلدل جس سے نکلنا اب مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

"صرف ایک ہی راستہ ہے تم یاور بخت کو اولاد دے کر ہی اس کی نظروں میں سرخرو ہو سکتی ہو۔ یہ محل، یہاں کی آسائشیں میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے نام ہو جائیں گی۔ تم بے اختیار سے بااختیار ہو جاؤ گی حتیٰ کہ یاور بخت کی جائیداد میں اس کا کاروبار سب کچھ تمہارے نام ہو جائے گا۔ بس جیسا میں کہتا جاؤں تم ویسا ہی کرتی جاؤ۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا خوش رنگ سپنے سجا رہا تھا۔ سجل خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"اور اگر میری مخالفت کرو گی تو یقین کرو تمہاری زندگی یاور بخت اتنی ابتر بنا دے گا کہ نہ تو تم زندوں میں رہو گی نہ مردوں میں۔" محمود بیگ کا سفاک لہجہ سجل کو سر تا پیر لرزا گیا۔

"میں صرف ایک حقیقت جاننا چاہتی ہوں۔ اگر وہ حقیقت بے نقاب کر دو گے تو میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔" سجل نے اس بار سارا ڈر و خوف اپنے اندر سے باہر نکال کر پھینکتے ہوئے اعتماد سے کہا۔

"کیا جاننا چاہتی ہو تم پوچھو..... آج محمود بیگ تم سے کچھ نہیں چھپائے گا۔" محمود بیگ یوں مسکرایا جیسے اس کے ذہن میں کلبلاتے ہر سوال سے بخوبی واقف ہو۔

"کون ہو تم، کیا حقیقت ہے تمہاری؟ یاور بخت سے تمہاری دشمنی ذاتی نوعیت کی ہے، اتنا تو میں جان گئی ہوں محمود بیگ کیونکہ سیاست میں کوئی کسی کے گھر کا تنکا تنکا نہیں اجاڑ دیتا۔ تم کیوں یاور بخت کو آخری حد تک برباد کرنے کے لیے اس شدت سے خواہش مند ہو محمود بیگ؟" سجل نے محمود بیگ کے چہرے کے تاثرات کو بغور جانچتے ہوئے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"عورت اگر حسین ہو تو اس کی خوب صورتی خود اس کی ذات کے لیے ہی فتنہ بن جاتی ہے۔ کبھی کبھار مجھے بہت ڈر لگتا ہے سجل۔" محمود بیگ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور چلتے ہوئے سامنے دیوار پر لگی یاور بخت کی تصویر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"میرا اب تک تمہارے لیے فتنہ بننے کا کوئی ارادہ نہیں۔ مجھ سے ڈرنا چھوڑ دو اب محمود بیگ۔" سجل نے اس کی بات پر برا مناتے ہوئے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔ محمود بیگ نے اس کی بات پر پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کے لبوں پر بھید بھری مسکان تھی۔

Digitized by Google

"میں تمہاری نہیں اپنی ماں کی بات کر رہا ہوں۔ وہ بھی بہت حسین تھی مگر اس کی خوب صورتی اس کے لیے عذاب بن گئی تھیں۔" محمود بیگ کسی پرانی یاد کے اوراق پلٹتے ہوئے کہنے لگا اس کے چہرے پر درد پھیلا ہوا تھا۔

"ایسا کیا ہوا تھا تمہاری ماں کے ساتھ؟" سجل پوچھے بنا نہ رہ پائی۔

"اس کی خوب صورتی ایک امیر گھرانے کے چشم و چراغ کی آنکھوں میں بری طرح کھٹک گئی تھی۔ بہت معزز گھرانے سے تعلق رکھتا تھا وہ شخص۔ خاندانی بیوی رکھتے ہوئے دوسری شادی نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں مگر بدکاری کا حق اسے حاصل تھا اس کی بدنیتی' بدکاری میری ماں کی عزت کھا گئی۔ رسوائی اور ذلت اس کا مقدر بن گئی تھی۔" محمود بیگ کے لہجے میں کرب بول رہا تھا۔ سجل بھی دکھ کے حصار میں گھر گئی۔ افسردہ سی پوچھنے لگی۔

"تمہاری ماں نے آواز کیوں نہیں اٹھائی اس ظالم کے خلاف۔ اس کے گھر والوں کو سچائی سے آگاہ کیوں نہیں کیا؟"

"ماں بے چاری' ملازمہ تھی اس کے گھر کی۔ مالک تھا وہ اس گھر کا۔ احتجاج کیسے کرتی بھلا پھر بھی اس نے مالکن کو بتانے کی کوشش کی اور اس کوشش کے نتیجے میں اسے ملازمت سے برطرف کر کے گھر سے دھکے مار کر نکال دیا گیا۔ یہ وہ دن تھے جب میں اپنی ماں کے کمزور وجود میں سانسیں لے رہا تھا۔ میرا ناجائز باپ مجھے کسی پلے کی اولاد قرار دے کر اپنی پُرسکون زندگی میں لوٹ گیا اور در در کی ٹھوکریں' ذلتیں میری ماں کا مقدر بن گئیں مگر سلام ہے اس عورت پر جس نے اپنے اندر سانس لیتی زندگی کا گلا گھونٹنا گناہ کبیرہ سے تعبیر کیا۔ سجل میری ماں نے انتہائی بے کسی کی حالت میں کچرے کے ڈھیر میں تڑپتے ہوئے مجھے جنم دیا۔ تم محسوس کر سکتی ہو وہ ذلت جو میری ماں نے بے تصور ہوتے ہوئے اٹھائی۔ نہیں تم نہیں سمجھ سکتیں مگر میں محسوس کر سکتا ہوں وہ تکلیف وہ ذلت کا احساس جو میرے اندر نفرت و انتقام کا لاوا بھڑکائے رکھتا ہے۔" محمود بیگ کے چہرے پر غم و غصے کے تاثرات نمایاں تھے۔ ماں کی یاد آج اسے بری طرح تڑپا رہی تھی۔ سجل کو زندگی میں پہلی بار سامنے بیٹھے شخص سے ہمدردی محسوس ہوئی۔

"تمہاری ماں اب کہاں ہے محمود؟" ماں کا کرب کبھی کبھی اسے بھی بے حد تڑپاتا تھا۔ اس کا باپ جب اسے بیچنے جا رہا تھا تو اس کی ماں کی آنکھیں بھی بے کسی اور کرب کے احساس سے بھیگ گئی تھیں۔

"میں جب دس برس کا تھا تب ماں نے اس ذلت آمیز زندگی سے تنگ آ کر ندی میں کود کر خودکشی کر لی تھی مگر جانے سے پہلے وہ مجھے سب کچھ بتا گئی تھی۔ اس گھر اور درندے کا دیدار بھی کرا گئی۔ ایک ہی خواہش تھی اس کی جو بار بار میرے سامنے دہراتی تھی..... محمود میں اس ذلت بھری زندگی کی حق دار تھی نہ تو حق دار ہے۔ یہ ذلت میری اور تیرے پاس ایک امانت ہے۔ اس کے حق دار کو یہ امانت ضرور لوٹانا۔" محمود بیگ ماضی کے اوراق پلٹتے پلٹتے دکھ کی اتھاہ گہرائی میں ڈوب گیا۔

"میں سمجھتی تھی ایک میں ہی اس جہاں میں بدنصیب ہوں اور ظالم صرف میرا باپ تھا مگر محمود بیگ تمہارا دکھ تو میرے دکھ سے بھی کہیں بڑا ہے۔" سجل رنجیدگی سے بولی۔ آج اسے اپنا اور محمود کا غم ایک جیسا محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ صرف دکھ نہیں' ذلت کا بوجھ ہے اور اس بوجھ کو دگنا تگنا کر کے میں لوٹانا چاہتا ہوں سجل اور اس سلسلے میں مجھے تمہاری بھرپور مدد درکار ہے۔" محمود بیگ نے جذباتی انداز میں سجل کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"تو کیا یاور بخت سے تمہارا انتقام کا تعلق ہے؟" سجل جز بز ہوئی' کڑی سے کڑی ملاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"صرف انتقام کا نہیں' نفرت کا تعلق بھی ہے۔ یاور بخت میرے ناجائز باپ کی جائز اولاد ہے۔ کہتے ہیں باپ کا چھوڑا گیا حساب کتاب اس کی اولاد کو چکانا پڑتا ہے۔ یاور بخت کو بھی اپنے باپ کا کیا دھرا بھگتنا پڑے گا۔ میں اس کی زندگی میں شامل ہر تعلق' ہر رشتے کو ناجائز بنا دوں گا۔ اسے مجبور کر دوں گا۔ اس اذیت کو سہنے کے لیے۔ یہ ذلت و رسوائی میں یاور بخت کی زندگی کا مقدر بنا دوں گا۔" وہ غصے کی آخری حدود کو چھوتا کہہ رہا تھا۔

Digitized by Google

"مگر محمود..... یاور بخت تو اپنے باپ کے کردوت سے انجان ہے۔ تمہیں نہیں لگتا کہ وہ اس معاملے میں بے قصور ہے؟" سجل نے اس کے غصے سے خوف زدہ ہو کر جھجکتے ہوئے اپنے دل کی بات کی۔

"تو کیا میری ماں بے قصور نہیں تھی' میرا کیا قصور تھا جو مجھے زمانے بھر کی ذلت کو سہنا پڑا اور تم قصور وار اور بے قصور کا مدعا چھیڑ رہی ہو تو ذرا یہ بتاؤ کہ بیچاری صبیحہ کا کیا قصور تھا جو تم نے اسے اس گھر سے بے دخل کر دیا۔ میں تو انتقام کی آگ میں جل رہا ہوں مگر تمہارے پاس ماسوائے لالچ کے اور کیا مقصد تھا جو میرے ہر جرم میں' میرا ساتھ دیا بتاؤ سجل..... اب چپ کیوں ہو؟" وہ اس کی بات پر بری طرح بھڑکتے ہوئے آئینہ دکھا گیا۔ سجل اپنی جگہ چور سی بن گئی۔

"تمہارے علاوہ اور بھی کئی لڑکیاں تھیں جو میرے مقصد میں میرا ساتھ دے سکتی تھیں مگر میں نے تمہارا انتخاب کیا' سجل جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ مجھے اپنا اور تمہارا غم ایک جیسا لگا۔ تمہارے باپ نے بھی وقتی آسانی کے لیے کسی بھیڑ بکری کی طرح تمہارا سودا کر دیا۔ میری طرح ذلت و رسوائی کا کڑوا ذائقہ تم بھی چکھ چکی ہو۔ مجھے لگا کہ ایک واحد تم ہو جو میرا درد سمجھ سکو گی۔ اسی لیے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے میں نے تمہارا سہارا لیا۔" محمود بیگ اب نرمی سے مخاطب تھا۔ سجل اس کے روبرو خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"مگر اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم میرا ساتھ دو۔ ہاں اگر نہیں چاہتیں میرا ساتھ دینا تو یاد رکھنا کل تمہاری سچائی جان کر یاور بخت تمہارے ساتھ جو بھی رویہ اختیار کرے گا۔ تب میں تمہارا ساتھ دینے سے قاصر ہوں گا اور یہ بھی تمہیں بتا دوں سجل تم نہ سہی' کوئی اور سہی۔ یاور بخت کی بربادی تو میں اس کے مقدر میں لکھ چکا ہوں۔ اب تمہاری مرضی کہ تم نے ساتھ کس کا دینا ہے۔" محمود بیگ اسے ایک آزمائش میں مبتلا کر کے وہاں سے چلا گیا۔ سجل اپنا سر تھام کر وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

❀.....❀.....❀

"تم سوچ نہیں سکتیں صبیحہ کہ تمہیں آج یوں مسرور دیکھ کر میں کتنا خوش ہوں۔" مرتضیٰ شفیق کے لہجے سے ہی نہیں خوشی ان کے چہرے سے بھی جھلک رہی تھی۔ وہ نانا بننے کی خوش خبری سن کر پھلوں اور مٹھائیوں کے ٹوکرے کے ساتھ حاضر تھے۔

"بابا جان..... اس خوشی کے حصول کے لیے میں کتنا تڑپی ہوں' بابا اللہ تخلیق کار ہے' اپنے علاوہ اس نے اپنی یہ صفت ماں کو بخشی ہے اور میں محروم رہی اس کی عنایت سے۔ کوئی کبھی نہیں جان سکتا اس عورت کا درد جو لاکھ خواہش کے باوجود ماں بننے کے اعزاز سے محروم رہی ہو۔ ممتا کی تڑپ اسے ہمہ وقت بے کل رکھتی ہے مگر بابا جان آپ کو بتاؤں سب سے تکلیف دہ بات کیا ہوتی ہے۔ اسے کئی خوف آ گھیرتے ہیں۔ قریبی رشتوں کو کھونے کا خوف' لوگوں کے طعنوں تشنوں کا خوف' محرومی ایک آزمائش بن جاتی ہے۔ میں اس خوف سے واقف تھی تب ہی یاور بخت کو اس اذیت ناک آزمائش سے بچانے کی کوشش کرتی رہی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنے عزیز رشتوں کو کھونے کے خوف میں مبتلا ہو۔ میں نے ہر حال میں اس سے وفا نبھانے کی کوشش کی مگر وہ میری محبت کو سمجھ نہ سکا' بھٹک کر غلط راہ کا انتخاب کر لیا۔ مجھے اب پرواہ نہیں کہ وہ کس حال میں ہے مگر میرا دل اب اللہ کی حکمت کو جان گیا ہے۔ اس نے میری سچائی اور وفاداری کا بہت خوب صورت انعام دیا ہے عاصم کی صورت میں اور اب ماں بننے کی خوشی..... یوں لگتا ہے میری زندگی' میری دنیا مکمل ہو گئی۔" صبیحہ باپ کے پُرشفقت وجود کا قرب پا کر آج طویل عرصے بعد اپنے دل کا حال بیان کر رہی تھیں۔ مرتضیٰ شفیق ان کی بات سن کر مسکرائے اور دھیمے سے سمجھانے لگے۔

"صبیحہ..... عاصم تو ہیرا ہے ہیرا۔ بس اب یاد رکھنا عاصم ہی تمہارا سب کچھ ہے۔ اس کی محبت نے تمہیں زندگی کی جانب لوٹنے میں مدد دی' تمہیں اعتماد بخشا اور اب یہ ماں بننے کی خوشی بھی تو اس کے دم سے ہے۔ ماضی کو بھول جاؤ' سمجھو ایک برا خواب تھا۔ عاصم ہی اب تمہارا حال اور مستقبل ہے۔ اس سے محبت نبھاؤ' وفاداری نبھاؤ..... میں نے پرکھا ہے اس کو۔ اس کا

Digitized by Google

مہربان وجود تمہاری لیے سکھ کا باعث بنے گا۔ بس اس کی قدر کرو۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں بابا جان۔ عاصم کا ساتھ میں نے دل سے قبول کرلیا ہے اور ان کی محبت نے میرے دل و دماغ سے ہر بری یاد کو کھرچ دیا ہے۔ اب اگر میری زندگی کا کوئی مقصد ہے تو عاصم کی گھر ہستی کو سنبھالنا اور اپنی اس چھوٹی سی دنیا کو جنت بنانا ہے۔" صبیحہ انہیں عاصم سے محبت کا یقین دلاتے ہوئے بولیں۔ مرتضیٰ شفیق نے ان کی آنکھوں میں عاصم کے نام کی چاہت کی قندیلیں روشن دیکھیں تو مطمئن ہوکر بولے۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔ عاصم تمہیں آواز دے رہا ہے۔ جاؤ جا کر اس کی بات سن لو جب تک میں ذرا درانی سے گپ شپ لگالوں۔ اب تو وہ میرا دوست ہی نہیں محسن بھی ہے۔" مرتضیٰ شفیق صبیحہ کی توجہ عاصم کی جانب مبذول کرواتے ہوئے درانی صاحب کے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

"کیا باتیں ہو رہی تھیں باپ بیٹی میں؟" عاصم نے قریب آ کر ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔

"بابا جان کو بتا رہی تھی کہ آپ کو پا کر میں کتنی خوش اور مطمئن ہوں۔" صبیحہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے بولیں۔

"بے وقوف..... بتانے والی بات تو یہ تھی کہ تمہیں پا کر میں کتنا خوش اور مسرور ہوں۔" عاصم نے محبت پاش نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی ناں۔" صبیحہ ان کے کشادہ سینے سے جا لگیں۔

"تم ایک ایسے پرندے کی مانند ہو جس کے پر کٹ گئے ہیں۔ وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔" وہ کب سے بستر پر دراز ان ہی سوچوں میں گم تھی۔ محمود بیگ کی کہی گئیں باتیں سجل کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ یاور بخت سے اس کا رشتا محض ایک غرض پر مبنی تھا اور اس غرض کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خود یاور بخت تھا اور یہ ایسی حقیقت تھی کہ جس کا پردے میں رہنا ہی سجل کے حق میں بہتر تھا۔ کیونکہ سچ سامنے آ جاتا تو سجل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سرتاپیر جھوٹ ثابت ہوتی۔ وہ مضطرب سی پیشانی مسلتی ہوئی بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سست روی سے چہل قدمی کرتے ہوئے وہ مسلسل اضطراب میں مبتلا رہی تھی۔

"کچھ سوچ سجل، کوئی راہ نکال۔ یاور بخت تو اب باتوں باتوں میں تجھے بے اولادی کے طعنے بھی دینے لگا ہے۔ محمود بیگ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے اور کوئی چارہ بھی تو نہیں۔ ماں بن کر ہی یاور بخت کو زیر کر سکتی ہوں میں، مجھے اس کی بات مان لینی چاہیے۔ ویسے بھی یاور بخت کی بربادی تو اس کے ہاتھوں طے ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمود بیگ کے انتقام کے چکر میں، میں بھی ماری جاؤں۔" وہ دانت سے ناخن کترتے ہوئے ہر پہلو پر غور کر رہی تھی۔

"بس سجل اب فیصلہ ہو گیا۔ یہ ستی ساوتری بننے کا ناٹک چھوڑ اور اپنی فکر کر۔ اپنا کھیل خود کھیل اور عزت کون سی تیری تحویل میں رہی ہے جس کے بارے میں اتنا سوچ رہی ہے۔" عقل اسے اس کی مرضی کی راہ دکھا رہی تھی۔

"اگر یاور بخت کو اس دھوکے کا پتا چل گیا تو؟" خوف نے ناگ کی طرح اس کے حل میں سر اٹھایا۔

"کیسے پتا چلے گا، کون بتائے گا اسے؟ محمود بیگ کا آلہ کار بننے کے بعد وہ کبھی اس کا برا نہیں چاہ سکتا۔ اس کے ذریعے تو وہ یاور بخت کو برباد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ دھوکہ کرنے کی حالت میں نہیں ہوگا۔" عقل نے خوف کا سر سختی سے کچل ڈالا۔

"مگر کیا یہ یاور بخت کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی؟ اس نے تم پر اعتبار کیا، اپنا نام دیا، معاشرے میں عزت دی اور بدلے میں تم کیا دے رہی ہو اس کو..... دھوکہ۔" دل نے میدان میں کودتے ہوئے پھر سرزنش کرنی چاہی۔

Digitized by Google

"اگر میں نے یاور بخت کو اولاد نہ دی تو وہ مجھے زندہ درگور کردے گا اور اس نے بھی تو صبیحہ کو دھوکہ ہی دیا تھا نا‘ سچ لوک اس کا دھوکہ لوٹ کر اس کے پاس چلا آیا۔" وہ دل کی سرزنش کو خاطر میں نہ لائی۔

"یہ دھوکہ بے وفائی لوٹ کر تمہارے پاس بھی تو آسکتی ہے سجل بیگم۔" دل نے اسے ہوش دلانا چاہا۔

"ہونہہ.....سجل کبھی بھی وفاؤں کی متلاشی نہیں رہی۔ یہ محبتیں‘ وفائیں‘ سچائی کسی گزرے ہوئے زمانے کی داستانیں ہیں۔ سجل نے تو ہمیشہ رشتوں میں غرض کو پنپتے دیکھا ہے۔" اس نے طنزیہ انداز میں دل کی باتوں کا تمسخر اڑایا۔ فیصلہ ہو گیا تھا۔ وہ کل دن میں ہی محمود بیگ سے ملاقات کرنے والی تھی۔

....

"میں سمجھا تھا کہ کچھ وقت لگے گا تمہیں سوچنے سمجھنے کے لیے مگر بہت جلد فیصلہ کرلیا تم نے تو۔ ویسے راستہ بھی تو کوئی نہیں بچا تھا تمہارے پاس۔" محمود بیگ کی نگاہیں سمندر کی لہروں پر جمی تھیں۔ وہ سجل کے ہمراہ ریت پر بیٹھا تھا۔ کچھ دیر قبل ہی سجل نے اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا تھا جس پر اس نے بے نیازی کے عالم میں جواب دیا۔

"راستے اور بھی نکل آتے محمود بیگ مگر تم نے کہا تھا کہ یاور بخت سے غرض کا رشتہ ہے اور تم سے درد کا تعلق تو درد کا تعلق غرض کے رشتے سے جیت گیا۔ میرے دل نے تمہارے حق میں فیصلہ سنایا۔ تب ہی یہاں موجود ہوں۔" سجل نے گزشتہ دن اس کی کہی گئی بات کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے فیصلے کی موثر انداز میں وضاحت کی۔

"یہ بھی خوب کہی تم نے‘ سن کر اچھا لگا دل کو۔" محمود بیگ نے سجل کے حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جواباً سجل بھی مسکرا اٹھی۔

"ایک بات تو بتاؤ۔ تم نے ہمیشہ مجھے اپنے حوالے سے جھوٹی کہانیاں کیوں سنائیں۔ سچائی چھپا کر کیوں رکھی تم نے؟" سجل نے دل میں مچلتا سوال بالآخر پوچھ ہی لیا۔

"سچائی ایک مخصوص وقت کی منتظر ہوتی ہے۔ وہ وقت جب قریب آتا ہے تب آشکار ہوجاتی ہے۔ جب کہ جھوٹ کا کوئی وقت متعین نہیں ہوتا۔ کبھی بھی کہیں بھی گھڑ لیا جاتا ہے۔" محمود بیگ کی نگاہیں ایک بار پھر سمندر کی موجوں میں الجھ گئی تھیں۔

"اور تمہارے نام کے ساتھ لگا یہ بیگ کا حوالہ..... یہ کس کے مرہون منت ہے۔" سجل نے اس کے چہرے پر چھائے تاثرات کو بغور دیکھتے ہوئے اگلا سوال داغا۔

"جب باپ کا حوالہ ناجائز ہوجائے تو پھر کسی کا بھی حوالہ معنی نہیں رکھتا سجل‘ سمجھو یہ بھی جھوٹ ہے۔" محمود بیگ کے لہجے میں سمندر کا نمک گھلنے لگا۔

"اگر سب کچھ جھوٹ تھا تو پھر میں اب یہ کیسے مان لوں کہ تمہاری حالیہ سنائی جانے والی داستان سچائی یا حقیقت پر مبنی ہے؟" سجل نے بھی موجوں کی روانی کو دیکھتے ہوئے تلخ سوال کیا۔

"تمہارے ماننے نہ ماننے سے مجھے فرق نہیں پڑتا سجل۔ البتہ تمہیں میری بات نہ ماننے پر کافی فرق پڑ سکتا ہے۔ تم صرف اس بات پر توجہ دو۔" محمود بیگ کا نمکین لہجہ طنزیہ انداز اختیار کر گیا۔

"محمود بیگ غور و فکر کے بعد ہی تمہارے پاس آئی ہوں۔ میں تمہارے مقاصد میں ہر طرح سے ساتھ دینے کے لیے تیار تو ہوں مگر میری ایک شرط ہے۔" سجل اصل مدعے پر آتے ہوئے بولی۔

"تم شرائط منوانے کی حیثیت نہیں رکھتیں فی الوقت مگر پھر بھی..... کیسی شرط؟" محمود بیگ نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"یاور بخت کا محل اُن کا کاروبار اور دیگر جائیدادیں۔ سب کچھ میرے نام ہونا چاہیے۔ ویسے بھی تمہارا مقصد تو صرف انتقام

Digitized by Google

ہے۔ وہ تو پورا ہو ہی جائے گا مگر میرا بھی تو کچھ بھلا ہونا چاہیے۔" سجل کی آنکھوں میں لالچ کی چمک تھی۔ محمود بیگ نے دلچسپی سے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا اور پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"تمہارے ہی نام ہوگا میری جان..... بس ایک بار جائیداد کے وارث کو اس دنیا میں لانے کا بندوبست تو کرو میری ملکہ....." محمود بیگ نے بائیں آنکھ دباتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ سجل اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے تائیدی انداز میں مسکرادی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ساحل سے دور ہوتے چلے گئے۔ نارنجی گولہ سمندر میں ڈوبنے کو تیار تھا۔

الفت بدل گئی
کبھی نیت بدل گئی
خودغرض جب ہوئے
تو پھر سیرت بدل گئی
اپنا قصور دوسروں
کے سر پر ڈال کر
کچھ لوگ سمجھتے ہیں
حقیقت بدل گئی!

یاور بخت کے تمام خدشات دم توڑ گئے تھے۔ موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی پارٹی کے بڑوں نے مشاورت کے بعد یاور بخت پر اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ البتہ محمود بیگ کو جلد از جلد فارغ کرنے کی خاص تاکید بھی کی تھی۔ کئی اہم مسئلوں پر عزیز کے ساتھ اہم گفت وشنید کے بعد وہ کراچی لوٹ آئے تھے۔ سجل نے بے حد گرم جوشی سے استقبال کیا۔ کھانے کے خاص اہتمام کے ساتھ ساتھ چاؤ چونچلے بھی صبیحہ کی طرح اٹھائے جارہے تھے۔ یاور بخت ذہنی طور پر الیکشن کی تیاریوں میں اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ سجل کے بدلے تیور اور محمود بیگ کی کاروبار میں مداخلت کو وقتی طور پر نظرانداز کیے ہوئے تھے۔ الیکشن میں جیت فی الحال ان کی زندگی کا واحد مقصد بنا گیا تھا۔ یہ ایک جیت مستقبل قریب میں انہیں کئی فتوحات سے ہم کنار کرسکتی تھی۔ اور بالآخر وہ دن آ ہی گیا جس کا انہیں شدت سے انتظار تھا۔ اپنے حلقے میں انہیں شاندار کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ اس خوشی میں پارٹی کی جانب سے جشن منایا جارہا تھا۔ وہ رات گئے گھر لوٹے تھے۔ سجل شب خوابی کے لباس میں ملبوس ان کی آمد کی شدت سے منتظر تھی۔ ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ بے تابی سے ان کے سینے سے آ لگی۔

"یاور جی آپ کو یہ خوشی بہت مبارک ہو۔" وہ مخمور لہجے میں بولی۔

"تمہیں بھی مبارک ہو۔ آج سوئی نہیں ابھی تک۔" یاور بخت اس کی حسین زلفوں کو سہلاتے ہوئے بولے۔

"آپ کا انتظار ہمیں جگائے رکھتا ہے۔ نیند روٹھی روٹھی رہتی ہے، خواب بھی خفا خفا سے لگتے ہیں۔ آپ آتے ہیں تو آپ کی ہمراہی میں ہمارے چین وسکون کی بھی تشریف آوری ہوتی ہے۔" سجل کی دل لگی عروج پر تھی۔ یاور بخت نے دلچسپی سے اس کے چہرے کو دیکھا اور کہنے لگے۔

"کوئی خاص بات ہے جو آج یوں بے قراری کا مظاہرہ کیا جارہا ہے۔"

"خاص تو بات ہے..... آج جیت کا دن جو ہے۔" سجل معنی خیز لہجے میں گویا ہوئی۔

"ہاں جیت کا دن ہے۔ آج کی رات تو خاص ہونی چاہیے۔" یاور بخت اس کی معنی خیزی پر مسکرائے۔

Digitized by Google

"مگر میں اس جیت کی بات تو نہیں کر رہی۔" سجل کو پہیلیاں بجھوانے میں مزا آ رہا تھا۔
"پھر کس جیت کا ذکر ہے میری جان؟" یاور بخت بھی رومانیت کے رنگ میں رنگنے لگے۔
"ہماری محبت کی جیت۔" سجل نے ان کے کان میں سرگوشی کی۔
"جلدی بتاؤ ناں...... پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ محبت کی کیسی جیت؟" یاور بخت کی بے چینی عروج پر تھی۔
"اس محل میں کوئی آنے والا ہے......" سجل نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔
"کون......؟" یاور بخت نے بے قراری سے پوچھا۔
"آپ کا وارث...... یاور بخت کا جانشین......" وہ ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔
"تمہارا مطلب ہے کہ......!" یاور بخت نے بے یقینی کے عالم میں اسے اپنے حصار میں لے لیا۔
"آپ باپ بننے والے ہیں یاور جی......" سجل ان کے مزید قریب ہوتے ہوئے بولی۔
"میں باپ بننے والا ہوں۔ کیا واقعی......!" یاور بخت اسے بانہوں میں لیے خوشی سے جھوم اٹھے۔
"اوہ......! سجل تم نہیں جانتیں، تم نے آج مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے، میں ترس رہا تھا، تڑپ رہا تھا، تم نے مجھے پھر سے زندہ کر دیا سجل۔" یاور بخت کی دیوانگی عروج پر تھی۔ سجل کی نقرئی ہنسی پورے محل میں گونج رہی تھی۔

......

"آج تم سے ملنا بے حد ضروری ہے صبیحہ، تمہیں بتانا بہت ضروری ہے کہ وہ دن آ گیا ہے، جس کے لیے میں برسوں سے تڑپ رہا تھا۔ جس خوشی سے تم نے مجھے محروم رکھا تھا آج وہ خوشی مجھے حاصل ہو گئی ہے۔" یاور بخت گاڑی چلاتے ہوئے اپنی سوچوں میں گم تھے۔ اس کے لب فاتحانہ انداز میں متبسم تھے۔ کچھ ثانیے بعد اس کی گاڑی مرتضیٰ شفیق کے گھر کے دروازے پر رکی تھی۔

URDU TUBE
www.urdutubes.com

"کہو یاور بخت، کیوں آئے ہو یہاں؟" وہ مرتضیٰ شفیق کے روبرو بیٹھے تھے۔ مرتضیٰ شفیق کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ کرخت لہجے میں استفسار کر رہے تھے۔
"خوش خبری لے کر آیا ہوں۔ صبیحہ کو سنانا چاہتا ہوں۔ مٹھائی لایا ہوں۔ اسے پیش کرنا چاہتا ہوں۔" یاور بخت نے کروفر سے جواب دیا۔
"وہ اب یہاں نہیں رہتی یاور بخت۔ وہ اس گھر سے جا چکی ہے۔" مرتضیٰ شفیق نے اس کی بات پر ہنستے ہوئے ہلکا سا جواب دیا۔
"یہاں نہیں رہتی تو پھر کہاں رہتی ہے؟" یاور بخت متعجب ہوئے۔
"اپنے شوہر کے ساتھ اپنی جنت میں۔" مرتضیٰ شفیق نے مسکرا کر جواب دیا تو یاور بخت کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔
"صبیحہ نے شادی کر لی......؟" وہ عجیب سے انداز میں زیرلب بڑبڑائے۔ مرتضیٰ شفیق نے نہایت دلچسپی سے ان کے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیا اور پھر استفسار کرنے لگے۔
"تم بتاؤ کس خوش خبری کی مٹھائی لے کر آئے ہو؟"
"میں باپ بننے والا ہوں۔" یاور بخت نے خود کو سنبھالتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ گردن اچانک اکڑ گئی۔ لہجہ بھی رعب آ گیا۔ مرتضیٰ شفیق نے طنزیہ انداز میں یاور بخت کو دیکھا اور پھر ملازم کو آوازدینے لگے۔
"ان صاحب کے لیے صبیحہ کے گھر سے بھجوائی گئی مٹھائی اچھے سے رکابی میں سجا کر لاؤ۔" ملازم کے آنے پر انہوں نے ہدایت دی۔ ملازم اثبات میں سر ہلاتا وہاں سے چلا گیا۔

Digitized by Google

"صبیحہ کے گھر سے مٹھائی.....! مگر کس خوشی میں؟" یاور بخت کے دل کو کھٹکا ہوا۔
"بتاتا ہوں بتاتا ہوں۔ پہلے ذرا مٹھائی تو آنے دو۔" مرتضیٰ شفیق نے مسکراتے ہوئے اس کے تجسس کو ہوا دی۔ یاور بخت جز بز ہوتے انتظار کرنے لگے۔ ملازم کچھ ہی دیر میں مٹھائیوں سے سجی رکابی اٹھائے چلا آیا۔
"صاحب کو پیش کرو۔" مرتضیٰ شفیق نے اگلا حکم جاری کیا۔ ملازم نے حکم کی تعمیل کی۔
"تم بھی منہ میٹھا کرو یاور بخت۔" مرتضیٰ شفیق بارعب انداز میں مخاطب ہوئے۔ یاور بخت نے رسماً موتی چور کے لڈو کا چھوٹا سا حصہ توڑ کر منہ میں رکھا۔ پھر استفسار کرتے ہوئے بولے۔
"کس خوشی کی ہے مٹھائی؟"
"یاور بخت۔ دو دن قبل صبیحہ نے چاند سے بیٹے کو جنم دیا ہے۔" مرتضیٰ شفیق نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے یاور بخت کی سماعت میں بم پھوڑا۔ موتی چور کا لڈو کانٹے کی صورت یاور بخت کے حلق میں پھنس کر چبھنے لگا۔ وہ ہکا بکا سے منہ کھولے مرتضیٰ شفیق کو دیکھتے ہوئے ہولے سے بڑبڑائے۔
"بیٹے کو جنم دیا ہے صبیحہ نے.....! مگر وہ تو....." آگے کے لفظ ان کے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔
"وہ بانجھ ہے یہ فقط تمہارا الزام تھا یاور بخت۔ حقیقت نہیں۔ منہ میٹھا کر لیا ہو تو اب تم یہاں سے جا سکتے ہو۔" مرتضیٰ شفیق نے یاور بخت کو آئینہ دکھاتے ہوئے کرختگی سے کہا۔ یاور بخت میکانکی انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔
"اور ہاں..... اس گھر اور یہاں کے لوگوں سے تمہارا تعلق ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ دوبارہ یہاں آنے کی جرأت نہ کرنا۔" مرتضیٰ شفیق نے تنبیہہ آمیز لہجے میں یاور بخت کو ایک بار پھر مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ یاور بخت نے مرتضیٰ شفیق کو دیکھا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہاں سے چلے گئے۔
"تم میری بیٹی کے زخموں پر نمک چھڑکنے کی غرض سے آئے تھے۔ یاور بخت تم شاید بھول گئے تھے کہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا ناسور تم خود تھے۔ جسے قدرت نے نکال پھینکا اور یاد رکھنا اب تمہیں میں صبیحہ کی زندگی میں مداخلت کرنے کی اجازت کسی صورت نہ دوں گا۔" مرتضیٰ شفیق خود سے عہد کرتے ہوئے ملازم کو گاڑی میں تحفے تحائف اور دیگر سامان رکھوانے کی ہدایت کرنے لگے۔ گزشتہ دو راتوں سے وہ اپنا بیشتر وقت اپنے نواسے کے ساتھ گزار رہے تھے آج بھی ان کا کچھ ایسا ہی ارادہ تھا۔

"السلام علیکم!" وہ دونوں کچھ ثانیے قبل ہی اس مشہور و معروف اخبار کے آفس پہنچی تھیں۔ استقبالیہ پر موجود لڑکی کو قمر جہاں نے اپنی جانب متوجہ کیا۔
"وعلیکم السلام! اوہ آپ معروف گلوکارہ قمر جہاں ہیں ناں؟ خوش آمدید۔" لڑکی نے اس کو پہچان کر خوش دلی سے کہا۔
"جی جی بالکل درست پہچانا۔ دراصل کسی خاص کام کے سلسلے میں آپ کے آفس آنے کا اتفاق ہوا۔ کیا مدیر صاحب سے اس وقت ملاقات ہو سکتی ہے؟" قمر جہاں نے فاریہ کو ایک نظر دیکھ کر اس لڑکی کو جواب دیا۔
"جی میں معلوم کرتی ہوں۔ تھوڑا انتظار کرنا ہوگا۔ جب تک آپ تشریف رکھیں۔" لڑکی اتنا کہہ کر مدیر صاحب سے کال پر بات کرنے لگی۔ وہ دونوں نشستوں پر جا بیٹھیں۔
"مس قمر..... آپ مدیر صاحب سے مل سکتی ہیں۔" کچھ ہی پل گزرے ہوں گے کہ اس لڑکی نے چہرے پر مسکراہٹ سجائے ایک ہال نما کمرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اس کا شکریہ ادا کرتیں ہال نما کمرے میں آ گئیں۔
"خوش آمدید قمر جہاں صاحبہ آپ کی آمد سے کافی خوشی محسوس ہوئی۔" ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی مدیر صاحب

Digitized by Google

نے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے دونوں کو بیٹھنے کی دعوت دی۔

"بہت شکریہ جناب۔ دراصل ایک خاص کام ہے آپ سے اگر اس کی معاونت مل جائے تو ہم بے حد شکر گزار ہوں گے آپ کے۔" قمر جہاں نے عاجزی سے بات کا آغاز کیا۔

"ارے ارے آپ حکم کیجیے بے فکر ہو کر کہیے کیا کام ہے؟" مدیر صاحب کے چہرے پر پیشہ ورانہ مسکراہٹ تھی۔

"دراصل ایک پرانی صحافی تھیں جو آپ کے اخبار میں اکثر کالم نگاری کیا کرتی تھیں۔ چینل پر خبریں بھی پڑھا کرتی تھیں۔ بدقسمتی سے وہ اب زندوں میں شمار نہیں....." قمر جہاں ایک ایک لفظ ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ مدیر صاحب نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

"ارے جناب اتنی تمہید باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ سیدھے سیدھے اس صحافی کا نام بتایئے۔"

"مہرو مہرو عظیم نام ہے ان کا....." اس بار قمر کے بجائے جواب فاریہ نے دیا۔

"اوہ مہرو عظیم..... اس کا تو قتل ہوا تھا۔ بہت پرانا اور الجھا ہوا کیس تھا یہ۔ جواب تک سلجھنے سے قاصر ہے۔ مگر آپ کیا جاننا چاہتی ہیں مہرو عظیم کے حوالے سے؟" مدیر صاحب کے چہرے سے مسکراہٹ یک دم غائب ہوئی تھی۔

"مہرو عظیم کون تھی؟ وہ اپنے قتل سے قبل کس کیس پر کام کر رہی تھی اور اس کا قتل کیسے ہوا؟ کس نے کیا؟ یہی سب کچھ۔" قمر جہاں نے فاریہ کی جانب دیکھتے ہوئے وہ تمام سوالات مدیر صاحب کے سامنے گوش گزار کیے جو پچھلے کئی دنوں سے ان کے لیے الجھن کا باعث تھے۔ مدیر صاحب دھیمے سے مسکرائے اور پھر گویا ہوئے۔

"مہرو عظیم..... ہماری بہترین صحافی تھی۔ اپنے نام کی طرح عظیم بلند ارادوں بلند حوصلے کی مثال تھی وہ۔ بہت نڈر بے باک اور سچی عورت۔ میں نے اس جیسی دور اندیش اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون آج تک نہیں دیکھی۔ ہمارے اخبار میں تواتر سے اس کے کالم چھپتے تھے اور ہم کو آئے دن اس کی بے باکی اور سچ گوئی پر باتیں سننا پڑتی تھیں مگر بانی صاحب کی حمایت اسے حاصل تھی۔ سو وہ اپنا کام کر رہی تھی۔ معاشرے کے بڑے بڑے مگرمچھوں کو اس نے بے نقاب کیا تھا۔ کئی مظلوموں کی اس نے دادرسی کی تھی۔ وہ واقعی بہت عظیم تھی۔" مدیر صاحب پرانی یادوں میں کھوئے کہتے چلے گئے۔ فاریہ اور قمر جہاں مکمل طور پر ان کی جانب متوجہ تھیں۔

"جہاں تک بات ہے تمہارے سوال کی تو وہ اپنے قتل سے قبل وہ ایک ایسی عورت کے حق میں اپنے قلم کے ذریعے جہاد کر رہی تھی جو اپنا معاملہ اپنی جنگ اس کے سپرد کر کے مر گئی تھی بلکہ وہ مری نہیں تھی۔ دراصل اس کا بھی قتل ہوا تھا۔" مدیر صاحب نے آخری فقرہ ذہن پر زور دیتے ہوئے ادا کیا۔ قمر جہاں نے بے اختیار فاریہ کی جانب نگاہ کی۔

"دراصل ہم اسی کیس کے حوالے سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" فاریہ نے عجلت سے کہا۔

"مگر کیوں؟ آخر کیوں جاننا چاہتی ہیں آپ اس قتل کیس کے حوالے سے۔ آپ کا تعلق کیا ہے اس کیس سے؟" مدیر صاحب نے اس بار عجیب سی نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"اس کیس سے نہیں مہرو عظیم سے۔ دراصل میں ان پر ڈاکومنٹری بنانا چاہتی ہوں۔ اس لیے جاننا چاہتی ہوں کہ سچائی اور حقیقت کیا ہے؟" فاریہ نے بات بنائی۔

"ایسی بات ہے تو پھر ایک ہی شخص ہے جو آپ کی اس سلسلے میں مدد کر سکتا ہے۔" مدیر صاحب نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

"کون ہے وہ شخص؟" قمر جہاں اور فروا نے ایک ہی سوال کیا۔

"رفیق صاحب۔ وہ ہی بتا سکتے ہیں مہرو عظیم کی دشمنی کن لوگوں سے تھی اور وہ عورت کون تھی۔ جو اپنا معاملہ اس کے سپرد کر گئی تھی۔" مدیر صاحب نے ان دونوں کی مشکل آسان کرتے ہوئے کہا۔

Digitized by Google

"مگر ہم ان تک پہنچیں گے کیسے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ ان کا کوئی رابطہ نمبر یا گھر کا پتا ہمیں بتادیں۔" قمر جہاں نے کہا۔
"گھر کا پتا تو نہیں بتا سکتا۔ ہاں مگر رابطہ نمبر ضرور دے سکتا ہوں مگر اس کے لیے آپ کو بھی میرا ایک چھوٹا سا کام کرنا ہوگا۔" مدیر صاحب نے مسکراتے ہوئے اپنا مدعا بھی پیش کر ڈالا۔
"کیسا کام.....؟ میرے اختیار میں ہوا تو بندی حاضر۔" قمر جہاں بھی جواباً مسکرائیں۔
"بس ایک دھماکے دار انٹرویو دینا ہے۔ ہمارے معروف ہفت روزہ میگزین کے لیے۔" مدیر صاحب ہنستے ہوئے بولے۔
"ارے یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ ارے بھئی جب اور جہاں آپ کہیں۔ انٹرویو دینے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" قمر جہاں نے خوش دلی سے رضامندی ظاہر کی۔
"یہ تو بہت خوب ہوگیا۔ اس سلسلے میں میں جلد آپ سے رابطہ کروں گا۔" مدیر صاحب خوش ہوتے ہوئے بولے۔
"آپ لوگوں کی باتوں میں رفیق صاحب کا نمبر رہ گیا۔" فاریہ بے چینی سے کہہ اٹھی۔
"ارے بیٹا فکر مند نہ ہو۔ یہ لو بھئی آپ کا کام بھی ہوگیا۔" مدیر صاحب نے ایک کاغذ پر نمبر لکھ کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔
"بہت شکریہ جناب۔" فاریہ پہلی بار خوش نظر آئی۔
"کوئی مسئلہ نہیں۔ ہاں رفیق صاحب سے بات کرو تو میرا حوالہ دے دینا۔ ذرا مختلف دماغ کا انسان ہے۔ میرا حوالہ سن کر یقیناً ملاقات کے لیے راضی ہوجائے گا۔" مدیر صاحب نے آخری مشکل بھی آسان کرتے ہوئے کہا۔ ان کا شکریہ ادا کرکے وہ دونوں خاصی پُرامید سی آفس سے باہر نکلیں۔
"شکر ہے۔ اب اللہ کرے یہ رفیق صاحب بھی ملاقات کے لیے راضی ہوجائیں۔" قمر جہاں نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔
"ہونہہ..... آج مجھے ایک سبق بھی ملا۔ دنیا کا کاروبار کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ اگر آپ کے پاس دینے کے لیے بہت کچھ ہے تو آپ اپنی بہت سی پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کرسکتے ہیں اور اپنا کام نکلوا بھی سکتے ہیں۔" فاریہ نے بھی فرنٹ سیٹ سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔
"ضروری نہیں کہ ایسا ہو۔ جس طرح میتھس کا کوئی ایک فارمولہ ہر جگہ اپلائی نہیں ہوتا۔ اسی طرح زندگی کے ہر امتحان میں یہ سبق بھی لاگو نہیں ہوتا فاریہ بیگم۔" قمر جہاں نے اسے ہلکے پھلکے انداز میں سرزنش کرتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی۔
"یہ فلسفیانہ باتیں چھوڑیں اور ذرا ان رفیق صاحب سے رابطہ کرکے دیکھیں۔ اللہ کرے ان کی زبانی ہی کچھ معلوم ہوجائے۔" فاریہ کی بے قراری عروج پر تھی۔ قمر جہاں کاغذ پر درج نمبر کو بغور دیکھتی موبائل پر نمبر ڈائل کرنے لگی تھی۔

سائیکل وے پر حسب معمول خشک پتوں کی چادر تنی ہوئی تھی۔ وہ ان پتوں پر بے دردی سے سائیکل چلاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ بے جان ہوتے پتوں نے چرمراتے ہوئے احتجاجاً صدا بلند کی اور پھر دم توڑ کر ہوا کے دوش پر بکھرتے چلے گئے۔ وہ اداس اور خفا تھی۔ اس کے لباس کی زردی اس کے چہرے پر بھی جلوہ افروز تھی۔
"ماریانہ.....!" یک دم اسے محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے پکارا ہو۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا۔ شائیں شائیں کرتی ہوا دیوانگی کے عالم میں سرپٹختی پھر رہی تھیں۔ چند ایک سائیکل سوار تھے جو اپنی اپنی راہ پر گامزن تھے۔ پھر پکارا کس نے تھا۔ ماریانہ کی نگاہیں بھٹکتی ہی رہیں مگر وہ شناسا نظر نہ آیا جسے دل اپنا مان چکا تھا۔
"حد کرتی ہوں ماریانہ تم اسے راہوں میں ڈھونڈ رہی ہو جو دنیا تیاگنے کو ہسپتال میں ہے۔" دل نے اسے لتاڑا۔ وہ رنجیدہ

Digitized by Google

سی پلٹ کر پھر سے سائیکل پر سوار ہوگئی۔
کل شب ڈاکٹرز نے آپریشن کے بعد اس کے ہوش میں آنے کا مژدہ سنایا تھا۔ اس کی شدید خواہش کے پیش نظر اسے ملاقات کی اجازت مل گئی تھی۔
"مریض ابھی نیم غنودگی کی حالت میں ہیں۔ کسی بھی طرح کی بات کرنے سے گریز کیجیے گا۔ ان کی حالت ابھی تسلی بخش نہیں ہے۔" اسے خاص ہدایت دی گئی تھی۔
وہ دھڑکتے دل کے ساتھ انتہائی نگہداشت وارڈ میں داخل ہوئی۔ سامنے بیڈ پر موجود اس کا ساکت وجود مشینوں سے منسلک نلکیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ وہ سست روی سے قدم بڑھاتی بیڈ کے نزدیک آ گئی۔ ارسل کی آنکھیں بند تھیں۔ سانسوں کی رفتار مدھم تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بے اختیار رواں ہوگئے۔ اس نے دھیرے سے ارسل کے نلکیوں میں جکڑے ہاتھ کو تھاما۔ رخسار سے لڑھکتے آنسو ان دونوں کے ہاتھوں میں مدغم ہونے لگے۔ ارسل کے جسم میں جھرجھری سی پیدا ہوئی مگر وہ انجان رہی۔
"شکر ہے تم لوٹ آئے۔ اس ہولناک دھماکے نے اپنا پاؤں کو ہم سے چھین لیا۔ میں ڈر گئی تھی ارسل..... تمہیں کھونے سے ڈر گئی تھی۔" وہ خود پر سے اختیار کھوتی بے اختیار رو دی۔
ارسل کی سانسوں کی رفتار یک دم تیز ہوگئی۔ اس کے ہاتھوں میں جنبش محسوس کرتے ہوئے ماریانہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ آنکھیں وا کیے اسے دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کا جسم جھٹکے کھانے لگا۔ ماریانہ بری طرح گھبرا کر اسٹاف کو بلانے باہر بھاگی۔
"محترمہ..... آپ باہر جائیے۔" اسٹاف نے سب سے پہلے اسے باہر نکالا۔ انتہائی نگہداشت وارڈ کا دروازہ بند ہوگیا تھا۔ وہ بند دروازے میں نصب شیشے سے اندر جھانکنے لگی۔ آئی سی یو میں مچی ہلچل ماریانہ کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر رہی تھیں۔ اس کے لب دعائیہ انداز میں ہلنے لگے۔
"پروردگار..... میرے ارسل کو کچھ نہ ہو۔ خدارا اسے کچھ نہ ہو۔" وہ ساری رات اس نے دعا کرتے ہوئے رو رو کر گزاری۔
صبح پیڈرو کی آمد ہوئی تو اس نے رات بھر کا احوال پریشانی کے عالم میں اس کے آگے گوش گزار کیا۔
"ڈاکٹرز اس کے بعد سے کچھ بھی نہیں بتا رہے۔ نہ ملنے دے رہے ہیں۔ نہ جانے ارسل کی کیا کنڈیشن ہے اب۔" ماریانہ کی پریشانی عروج پر تھی۔
"ڈاکٹر اس وقت ڈیوٹی پر موجود بھی نہیں اور اسٹاف ڈاکٹر کی غیر موجودگی میں کچھ بھی بتانے سے قاصر ہے۔"
"آپ کل سے یہاں موجود ہیں۔ اگر کچھ دیر کے لیے گھر جانا چاہتی ہیں تو جا سکتی ہیں۔ میں تب تک یہاں موجود ہوں۔" پیڈرو کو اچانک اس کی تھکاوٹ کا خیال آیا تو کہہ گیا۔ ماریانہ نے اب تک سیاہ گاؤن پہن رکھا تھا۔ جو ہسپتال کے ماحول میں نامناسب تاثر دے رہا تھا۔
"میں بس ایک ضروری کام سے کچھ دیر کے لیے گھر جانا چاہتی ہوں پیڈرو۔" ماریانہ نے کہا۔
"بے فکر ہو کر جائیں میں یہاں موجود ہوں۔ جیسے ہی ارسل کے حوالے سے کچھ علم ہوگا میں آپ کو باخبر کر دوں گا۔" پیڈرو نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔
"میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گی۔ جلد ہی واپس لوٹ آؤں گی۔" ماریانہ نے کہا اور وہاں سے نکلنے کے بعد وہ اپنے گھر پہنچی۔ گریٹی منتظر تھیں اسے گھر لوٹتا دیکھتے ہی ارسل کے حوالے سے پوچھنے لگیں۔
"اسے ابھی بھی ہماری دعاؤں کی ضرورت ہے گریٹی۔ آپ اس کے لیے دعا کریں۔ بہت زیادہ دعا کریں گریٹی۔" وہ

Digitized by Google

روہانسی ہوتے ہوئے بولی۔

"میری جان..... تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں۔ ارسل مجھے بھی بے حد عزیز ہے اور مجھے خداوند تعالیٰ پر یقین ہے کہ اسے کچھ نہیں ہوگا۔ وہ ہمارے پاس ان شاء اللہ جلد ہنستا مسکراتا لوٹ آئے گا۔" گرینی نے اسے ہمت دلاتے ہوئے دعا دی۔

"ان شاء اللہ..... گرینی میں لباس تبدیل کرلوں۔ کل سے اس گاؤن میں ملبوس ہوں۔ ہسپتال میں مناسب نہیں لگتا اس طرز کا لباس۔ میں صرف اس مقصد سے گھر آئی ہوں۔" وہ گرینی کو اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ واش روم میں منہ دھونے لگی۔ چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اس نے خود کو دیکھا۔ تھکا ہوا نڈھال چہرہ غم کی شدت سے اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ وہ تولیے سے چہرہ صاف کرتی ہوئی واش روم سے باہر نکلی۔ پرس سے ارسل کا موبائل نکالا اور اسے چارج پر لگا کر پلٹی ہی تھی کہ اس کے موبائل پر آتی صوبیہ کی کال نے اسے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ وہ کال ریسیو کر کے گفتگو میں مصروف ہوگئی۔ صوفیہ ارسل کو لے کر پریشان تھی اور پریشان تو وہ خود بھی تھی تو دلاسا کیسے دیتی۔ ماں سے ارسل کے لیے دعاؤں کی التجا کرتی وہ ضبط کھو بیٹھی۔

"وہ بہت تکلیف میں ہے۔ آپ دعا کریں کہ وہ ٹھیک ہوجائے اور زندگی کی طرف لوٹ آئے۔"

"میں دعا کروں گی میری جان کہ تمہارے نصیب میں میری طرح محبت کا ادھورا ساتھ نہ ہو۔ تم محبت کی تکمیل پاؤ۔ ارسل کا ساتھ ہر دم تمہیں میسر رہے۔" صوفیہ بھیگے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"کیا ماں بیٹی کا نصیب ایک جیسا لکھا ہے پروردگار نے؟" ماریانہ کے دل میں اندیشے نے سر اٹھایا۔

"اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔" دل نے تڑپ کر دعا کی۔

"ماریانہ کچھ کھالو میری جان۔ میں جانتی ہوں تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا ہوگا۔" گرینی کافی اور کوکیز ٹرے میں رکھے لے آئیں۔

"گرینی میرے حلق سے پانی نہیں اتر رہا۔ یہ کیسے کھاؤں۔" وہ مضطرب سی بولی۔

"میں سمجھ سکتی ہوں تمہاری کیفیت بیٹا مگر خود کو یوں نظر انداز کرو گی تو ارسل کے لیے ہمت کہاں سے لاؤ گی۔" گرینی کے سمجھانے پر اس نے بہ مشکل ہی سہی مگر تھوڑا بہت کھالیا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ ان سے دعا کے لیے دوبارہ استدعا کرتی' سائیکل سنبھالتے ہوئے ہسپتال کی راہ پر چل دی۔ راستے میں کئی بار اسے ارسل کی یاد نے ستایا تھا۔ وہ ہسپتال پہنچنے کے قریب ہی تھی کہ پیڈرو کی کال نے اسے فکر مند کردیا۔

"ماریانہ' ارسل کی فیملی سے کچھ لوگ ہسپتال پہنچے ہیں۔ وہ لوگ تمہارے متعلق دریافت کر رہے ہیں۔" پیڈرو کی اطلاع نے اس کی ہمت میں اضافہ کردیا تھا۔ ارسل کی فیملی کی آمد سے اسے کچھ ڈھارس ملی تھی۔

"پیڈرو میں بس چند لمحوں میں ہسپتال پہنچنے والی ہوں۔" وہ پیڈرو کو مطلع کر کے سائیکل اور تیز چلانے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

پیڈرو مضمحل سا بینچ پر بیٹھا ارسل اور اس حادثے کے متعلق سوچ و فکر میں مبتلا تھا۔ تب ہی ڈاکٹرز کا عملہ نہایت ہی عجلت کے عالم میں آئی سی یو کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ پیڈرو اپنی جگہ سے اٹھ کر فکر مندی سے ان کی جانب بڑھا مگر اسے ڈاکٹرز سے بات کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ اضطراری کیفیت میں پیشانی مسلتے ہوئے وہیں ٹہلنے لگا۔ یک دم اس کی نگاہ ایک اسپینش نوجوان پر ٹھہر گئی۔ وہ قد کاٹھ' شکل و صورت میں کافی حد تک ارسل سے مشابہت رکھتا تھا۔ اس کے ہمراہ ایک خوب صورت نوجوان لڑکی بھی تھی۔ ان دونوں کے چہروں سے پریشانی ہویدا تھی اور اسی عالم میں وہ دونوں ایک نرس سے کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر نرس انگریزی زبان سے نابلد ہونے کے باعث ان کی بات سمجھنے سے قاصر تھی۔ پیڈرو

Digitized by Google

کچھ سوچ کر ان دونوں کی جانب بڑھا۔

"کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں۔" اس نے کھنکھارتے ہوئے نوجوان کو مخاطب کیا۔

"شکریہ جناب۔ دراصل میرے بڑے بھائی ایک حادثے کے باعث ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں اور میں ان ہی کی تلاش میں ہوں۔" حماد نے پیڈرو کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اپنا مسئلہ بیان کیا۔

"کیا میں آپ کے بھائی کا نام جان سکتا ہوں؟" پیڈرو کو شبہ ہوا کہ سامنے کھڑا نوجوان ارسل کا بھائی ہے۔ جو حادثے کی اطلاع سن کر پاکستان سے سان سباستیان پہنچا ہے۔

"ارسل..... ارسل فیروز..... وہ یہاں کی ایک ملٹی نیشنل کمپنی سے منسلک ہیں۔" حماد امید افزا لہجے میں ارسل کے حوالے سے مزید تفصیل بتانے لگا۔

"میں پیڈرو ہوں۔ ارسل کے ساتھ اس کمپنی میں کام کرتا ہوں۔ آپ کو اس حادثے کی خبر سے میں نے ہی کال پر مطلع کیا تھا۔" پیڈرو نے بھی اپنا تعارف کرلیا تو حماد کی ہمت بندھی۔

"کیسے ہیں اب بھائی۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں اور یہ حادثہ ہوا کیسے؟" حماد ایک ہی سانس میں سارے سوال پوچھتا چلا گیا۔ شبنم بھی پریشانی سے پیڈرو کی جانب متوجہ ہوئی۔

"بات دراصل کچھ یوں ہے کہ ارسل اور ان کی دوست ماریانہ ایک ساتھ تھے....." پیڈرو اس حادثے کی تفصیلات بتانے لگا۔ جوں جوں اسے حادثے کی سنگینی کا علم ہوتا گیا اس کے چہرے کا رنگ اڑنے لگا۔

"اور ماریانہ..... وہ کہاں ہیں؟" شبنم نے اچانک سوال کیا۔

"ماریانہ ابھی کچھ دیر قبل ہی اپنے گھر گئی ہیں، بس آنے والے ہی ہوں گی۔ دراصل کل سے وہ ہی یہاں موجود تھیں۔" پیڈرو ان دونوں کو ماریانہ کے حوالے سے آگاہ کرتے ہوئے بولا۔ حماد اس کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے ارسل کی طبیعت کے حوالے سے سوال کرنے لگا۔

"ابھی تک تو ڈاکٹرز کچھ بھی نہیں بتا رہے۔ آپریشن تو کل ہی ہوگیا تھا مگر ماریانہ کہہ رہی تھی کہ کل رات کو ارسل کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی۔ تب سے ڈاکٹر کسی کو ملنے نہیں دے رہے۔ تمہارے یہاں آنے سے کچھ دیر قبل ہی ڈاکٹرز کی ایک ٹیم اندر گئی ہے۔ میں ان کے آئی سی یو سے باہر نکلنے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔" پیڈرو سے ساری تفصیلات سن کر حماد دل ہی دل میں سخت پریشان ہوا۔ شبنم کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہوگئے۔ اس کے لب دعائیہ انداز میں ہلنے لگے تھے۔ پیڈرو ان دونوں کے احساسات کو سمجھتے ہوئے ان سے معذرت کر کے کینٹین آ گیا۔

پانی کی بوتل خریدنے کے بعد اس نے ماریانہ کو کال کر کے حماد اور شبنم کے آنے کی اطلاع دی اور پھر واپس آ گیا۔ پانی کی بوتل اس نے حماد کے حوالے کیں۔ حماد اور شبنم دونوں ہی پیڈرو کے بے حد مشکور تھے۔ کچھ لمحے مزید بیتے تو ماریانہ کی بھی وہاں آمد ہوئی۔

"السلام علیکم! تم حماد ہو ناں اور تم شبنم؟" ماریانہ نے دھیمی سی مسکان کے ساتھ ان دونوں کو مخاطب کیا۔ شبنم اسے پہچانتے ہی بے اختیار اس کے گلے لگ گئی۔

"ہمت کرو شبنم۔ خود کو سنبھالو۔ ارسل کو ہم سب کی ابھی بے حد ضرورت ہے۔" ماریانہ شبنم کو حوصلہ دیتے ہوئے سمجھانے لگی۔ حماد کے استفسار کرنے پر وہ اسے ارسل کی رات کی کیفیت بتانے لگی۔ تب ہی آئی سی یو سے ڈاکٹر کی آمد ہوئی۔ وہ چاروں بے تابی سے ڈاکٹر کی جانب بڑھے۔

"ڈاکٹر کیسی کنڈیشن ہے۔ کیا ارسل کو ریکوری میں مشکل پیش آ رہی ہے؟" پیڈرو نے سب سے پہلے دریافت کیا۔

Digitized by Google

''آپریشن تو کامیاب رہا مگر اندرونی و بیرونی زخم مندمل ہونے میں وقت لگے گا مگر پریشان کن پہلو یہ ہے کہ آپ کا مریض ٹراما (شاکڈ کی شدید کیفیت، صدمہ) میں چلا گیا ہے۔ وہ رسپانس نہیں کر رہا۔ وہ لاشعوری طور پر تو جاگ رہا ہے مگر شعوری طور پر گہری نیند سو گیا ہے۔ ہم اس کے جسم کو توانائی بخش سکتے ہیں، اس کے زخم بھرنے میں مدد کر سکتے ہیں مگر اسے اس شاکڈ کی کیفیت سے باہر نکالنے اور شعوری طور پر دوبارہ بیدار کرنے کے لیے آپ لوگوں کی مدد درکار ہوگی۔ آپ کے تعاون سے ہی اب ارسل واپس اس شعوری دنیا میں دوبارہ آنکھیں کھول سکتا ہے۔'' ڈاکٹرز ساری تفصیل سنا کر وہاں سے چلے گئے۔ وہ چاروں حیران و پریشان سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے۔

''السلام علیکم جی، رفیق صاحب بات کر رہے ہیں؟'' قمر جہاں نے کال ریسیو ہوتے ہی دریافت کیا۔

''بی بی..... کس کے نمبر پر کال ملائی ہے۔'' کسی مرد نے انتہائی کھردرے انداز میں سوال کیا۔

''رفیق صاحب کے نمبر پر۔'' قمر جہاں نے ساتھ ہی اخبار کے ایڈیٹر کا بھی حوالہ دیا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ سمجھ گیا بی بی۔ رفیق ہی بات کر رہا ہوں۔ اپنا تعارف کروائیں۔'' رفیق صاحب نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

''میں قمر جہاں بات کر رہی ہوں۔ دراصل آپ سے ایک خاص بات کرنا ہے۔'' قمر جہاں نے محتاط انداز میں کہا۔

''کون سی خاص بات بی بی..... پہیلیاں نہ بجھوائیں سیدھی بات کریں۔'' اس بار رفیق صاحب بری طرح جھنجھلائے۔

''مہر عظیم کے حوالے سے..... کچھ اہم بات کرنی ہے۔'' قمر جہاں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے بلاآخر بلی تھیلے سے باہر نکالی۔ دوسری جانب جامد خاموشی ہوئی۔ کچھ پل کے انتظار کے بعد قمر جہاں نے استفہامیہ انداز میں انہیں مخاطب کیا۔

''رفیق صاحب..... آپ سن رہے ہیں میری بات؟''

''جی جی..... سن رہا ہوں۔ آپ کل شام پانچ بجے مجھ سے ملاقات کر لیں۔'' رفیق صاحب نے مختصر جواب دیا۔

''کس جگہ پر؟'' قمر جہاں نے سوال کیا۔

''میرے گھر پر..... ایڈریس نوٹ کر لیں بی بی۔'' رفیق صاحب کی ہدایت پر قمر جہاں ایڈریس دہراتی گئیں اور فاریہ اپنے موبائل پر وہ ایڈریس محفوظ کرنے لگی۔

''اف بہت ہی ٹیڑھا بندہ ہے یہ آدمی تو..... ایڈیٹر صاحب کا حوالہ نہ ہوتا تو یہ بات کرنے پر بھی راضی نہ ہوتا۔'' کال منقطع کر کے قمر جہاں گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے فاریہ سے مخاطب ہوئیں۔

''میری تو یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ ہم اس سے مہر عظیم کے حوالے سے ساری سچائی اگلوائیں گے کیسے؟'' فاریہ نے کچھ سوچتے ہوئے نکتہ اٹھایا۔

''کیا مطلب ہم کھنڈا ڈاکومنٹری پر کام کرنا ہے۔'' قمر جہاں نے ایک نظر فاریہ کو دیکھ کر عام سے انداز میں کہا۔

''اور آپ کو لگتا ہے کہ وہ مان جائے گا ڈاکومنٹری کا سن کر؟'' فاریہ نے ایک اور سوال کیا۔

''کچھ کہہ نہیں سکتی..... ان سب باتوں کا صحیح پتا تو ملاقات کے بعد ہی چلے گا۔'' قمر جہاں نے سرسری سے انداز میں کہا۔

''ہونہہ..... پہلے سے تو ہم صرف اندازے ہی لگا سکتے ہیں۔ خیر یہ بتائیں کہ آپ کے میاں جی کی تشریف آوری کب ہو رہی ہے۔ کچھ خیر خبر بھی ہے کہ نہیں؟'' فاریہ نے موضوع بدلتے ہوئے شرارت آمیز لہجے میں پوچھا۔

''کل بات ہوئی تھی۔ کہہ رہے تھے۔ جلد پاکستان آؤں گا۔ اب ان کی جلدی کا مطلب تو نہ تمہیں معلوم ہے نہ مجھے۔'' قمر

Digitized by Google

جہاں نے کندھے اچکاتے ہوئے ہنس کر کہا۔
"ان کی بات پر۔" فاریہ نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔
"اچھا تم بتاؤ۔ حماد سے بات ہوئی؟ کچھ خیر خبر پتا چلی اس کے بھائی کی۔" قمر جہاں کو یک دم یاد آیا تو پوچھا۔
"نہیں اب تک رابطہ ممکن نہیں ہوا۔ شام میں چکر لگاؤں گی اس کی طرف۔" فاریہ نے سنجیدہ ہوتے ہوئے جواب دیا۔
"اچھا پریشان نہ ہو۔ سب ٹھیک ہوگا۔ بس تم حماد کو ہمت دلانا۔ وہ بھائی کی وجہ سے ان دنوں سخت پریشان ہوگا۔" قمر جہاں اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔
"ہونہہ..... آپ کو پتا ہے اس کی میڈ بھی اس کے ساتھ گئی ہے۔" فاریہ نے یک دم لہجہ بدلتے ہوئے کہا۔
"میڈ..... کون میڈ اماں بی؟" قمر جہاں نے حیرت سے استفسار کیا۔
"نہیں شبنم....." فاریہ نے منہ بنا کر شبنم کا نام لیا۔
"اوہ..... تو یوں کہو ناں اور اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ اماں بی اور شبنم کو اس گھر کے فرد کی حیثیت حاصل ہے۔ تم نے خود ہی تو بتایا تھا مجھے۔" قمر جہاں نے اس کی ناگواری پر ٹوکتے ہوئے کہا۔
"ہاں بتایا تھا مگر یار آپ کو عجیب نہیں لگتی یہ بات۔ مطلب کون لوگ ہوتے ہیں جو گھر کے ملازماؤں کو فیملی پرسن کا درجہ دیتے ہیں اور ان کو سر پر چڑھا لیتے ہیں۔" فاریہ جھنجھلاتے ہوئے بولی۔
"کیا ہو گیا ہے فاریہ اتنی جھنجھلاہٹ کیوں۔ اگر ان کے گھر کا ماحول اور سوچ اس دنیا سے ذرا مختلف ہے تو اس میں اتنا برا ماننے والی کیا بات ہے۔ ویسے بھی ان کے گھر میں اور بھی ملازم ہیں۔ سب کے ساتھ ان کا یہ رویہ اور معاملہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے اماں بی اور شبنم سے خاص انسیت ہو ان لوگوں کو۔ تب ہی اتنا احترام کرتے ہیں ان دونوں کا۔ اس میں اتنا برا ماننے والی تو کوئی بات نہیں۔" قمر جہاں نے اسے رسان سے سمجھاتے ہوئے کہا۔
"لیکن مجھے اچھا نہیں لگتا۔ خاص طور پر وہ شبنم زہر لگتی ہے مجھے۔ قمر وہ بہت حسین ہے اور اتنی نادان نہیں۔ اماں بی نے حماد کی والدہ کے انتقال کے بعد اس گھر کی ذمہ داریوں کو دونوں بھائیوں کو سنبھالا مگر اس کے باوجود ان میں عاجزی ہے مگر اس شبنم کے تو ناز نخرے ختم نہیں ہوتے۔ گھر کے ایک کام کو بھی ہاتھ نہیں لگاتی۔ فرمائش منہ سے نکلتے ہی پوری ہو جاتی ہے۔" فاریہ آج بے جھجک اپنے دل کا غبار قمر جہاں کے سامنے نکال رہی تھی۔ قمر جہاں نے اسے مسکرا کر دیکھا اور بولیں۔
"فاریہ وہ کم عمر ہے۔ حماد اسے اپنی چھوٹی بہن سمجھتا ہے۔ اب خدارا تم اس سے جیلس ہو کر حماد کے سامنے فضول بات مت کہہ دینا اور ویسے بھی اس نازک صورت حال میں تو بالکل حماد سے اس طرح کی کوئی بات نہ کرنا ورنہ شبنم کے چکر میں حماد تم سے بددل ہو جائے گا۔"
"کہہ تو ٹھیک رہی ہیں آپ اور میں کوشش بھی یہی کروں گی۔" فاریہ ان کی بات سمجھتے ہوئے بولی۔
"چکر کب لگاؤ گی حماد کے گھر؟ اس موقع پر تو تمہیں ان لوگوں کا ساتھ دینا چاہیے۔" قمر جہاں نے سوچتے ہوئے کہا۔
"میں آج شام میں ہی وہاں جاؤں گی۔ حماد نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس کے گھر والوں کا خیال رکھوں اور میں اسے بالکل مایوس نہیں کروں گی۔ بس دادی کی فکر ہے۔ آپ یہ بتائیں آج آپ کی ریکارڈنگ کس وقت کی ہے۔" اسے خیال آیا تو پوچھا۔
"بس تمہیں گھر ڈراپ کر کے اسٹوڈیو ہی جاؤں گی۔ مگر دیر نہیں لگے گی بہت جلد آ جاؤں گی۔ اپنی دادی کے حوالے سے بے فکر رہو۔" قمر جہاں نے اس کی فکر دور کرتے ہوئے کہا۔ فاریہ مسکرا کر اسے مشکور نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

Digitized by Google

"ٹراما' شاکڈ..... مگر کیوں؟" ان چاروں کے ذہنوں میں ایک ہی سوال کلبلایا۔ کچھ دیر بعد ہی ارسل کو پرائیوٹ روم میں منتقل کردیا گیا۔

وہ کب سے خاموش کھڑی اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی بت کی مانند بیڈ پر دراز تھا۔ اس کی رگوں میں ڈرپ کے ذریعے وٹامنز اتارے جارہے تھے۔ ٹیوب کی بدولت اس کے جسم کو خوراک مہیا کی جارہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں مگر آنکھوں کی پتلیاں حرکت میں تھیں۔ البتہ وہ حرکت بہت معدوم تھی۔ وہ لاشعوری طور پر جاگ رہا تھا۔ ماریانہ یک ٹک اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

لاشعور کیا تھا۔ ذہن سے چپکی کوئی یاد' کوئی حسرت' جس کی تمنا کسک بن کر یادداشت میں سما گئی ہو۔ وہ تمام باتیں جن کا ادراک جاگتے میں نہیں ہوسکا تھا۔ وہ باتیں لاشعور کا حصہ تھیں اور ارسل شعور سے بیگانہ ہوکر لاشعور میں جینے لگا تھا۔ شاید وہ گزرا ہوا پل جو اس کے لاشعور میں ٹھہر گیا تھا۔ وہ اس سے نکلنا نہیں چاہ رہا تھا۔ ماریانہ کا ذہن ان گنت سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اس نے دھیرے سے اس کے ہاتھ کو چھوا۔ اسے یک دم گزری ہوئی شب کا وہ لمحہ یاد آ گیا۔ جب وہ اس کے ٹھیک ہونے کی خوشی میں اپنے خوف کا اظہار کرتی اینا پاؤل کے بچھڑ جانے کا ذکر کر گئی تھی۔ اس پل ارسل کے جسم نے جھرجھری لی تھی۔ اس نے آنکھ کھول کر ماریانہ کو دیکھا تھا۔ یعنی وہ اس پل ٹھیک تھا۔ کسی صدمے کا شکار نہ ہوا تھا لیکن..... اینا پاؤل کی موت کا سن کر اس کی حالت بگڑنے لگی تھی۔

"اوہ..... تو کیا اینا پاؤل کی موت کی خبر سننا' یہی وہ لمحہ تھا جس نے ارسل کو صدمے کی کیفیت میں پہنچایا۔" وہ گتھی سلجھانے لگی۔

"تو کیا ارسل' اینا پاؤل سے جذباتی طور پر اتنا قریب ہوگیا تھا کہ اس کی موت کا صدمہ برداشت نہ کرسکا؟" ایک نئی سوچ نے اس کے ذہن میں سر اٹھایا۔ اس کی نظریں ارسل کی بند آنکھوں پر ٹھہر سی گئیں۔

"اینا پاؤل تم تو چلی گئیں اس دنیا سے مگر جاتے جاتے تم نے اپنے محسن کا کیا حال کردیا۔" ماریانہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

"ارسل..... لاشعور وہ دنیا نہیں جہاں تم نے جینا شروع کردیا۔ لوٹ آؤ ارسل' میرے لیے' ہمارے لیے..... ابھی تو ہم نے خواب دیکھنے شروع کیے تھے اور تم نے یوں آنکھیں بند کرلیں۔" وہ اس کی بند آنکھوں پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تم تو بہت مضبوط اعصاب کے مالک ہو ارسل' پھر اتنے کمزور کیوں بن رہے ہو۔ ہم نے ابھی تو اپنے مستقبل کے حوالے سے سوچنا شروع کیا تھا اور تم کسی اور دنیا کے اسیر ہوگئے۔" وہ جانتی تھی کہ وہ سن رہا ہے مگر سمجھنا نہیں چاہ رہا مگر وہ کہہ دینا چاہتی تھی۔ ہر وہ بات جو اس کے دل میں تھی۔ وہ اسے گہری نیند سے بیدار کرنا چاہتی تھی۔

"تمہیں یاد نہیں' تم نے اس شب کتنے خوب صورت وعدے کیے تھے مجھ سے۔ پھر تم کیسے بھول سکتے ہو ان وعدوں کو۔ نہیں ارسل' تمہیں جاگنا ہوگا' میرے لیے' اپنے گھر والوں کے لیے۔" وہ اس کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے جذبات کی انتہاء کو پہنچ گئی تھی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا۔ حماد دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ شبنم اس کے ہمراہ تھی۔ ان دونوں کا غم سے ستا ہوا چہرہ دیکھ کر ماریانہ کو شرمندگی ہوئی۔ ارسل کے کمرے میں منتقل ہونے کے بعد اس نے بڑی عاجزی کے ساتھ ان دونوں سے ارسل سے پہلے ملنے کی درخواست کی تھی۔

"آپ مل سکتی ہیں' ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" حماد نم سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے بولا۔ اس کی آنکھوں سے کرب جھلک رہا تھا مگر چہرہ بتاتا تھا کہ وہ ضبط کی انتہاء پر تھا۔ ارسل سے سامنا ہونے کے بعد اسے یوں لگا جیسے وقت کی رفتار تھم گئی ہو۔ نہ جانے

Digitized by Google

کتنے لمحے بیت چکے تھے جو مجبوراً حماد کو دروازے پر دستک دے کر اسے احساس دلانا پڑا۔
"معذرت چاہتی ہوں۔ کافی دیر لگادی میں نے۔ وقت بہت تیزی سے گزر گیا۔" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔
حماد نے اسے افسردگی سے دیکھا اور دھیرے سے گویا ہوا۔
"وقت تیزی سے گزرے یا سست روی سے مگر کسی اپنے کو جدا نہ ہونے دے۔" ماریانہ اس کی بات پر چونکی۔
"جدا نہ ہونے دے۔" کتنے خوفناک خدشے چھپے تھے اس چار لفظی جملے میں۔ اس کے دل میں درد کی ایک نئی لہر اٹھی۔ وہ تیز قدموں سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ دروازے کے باہر کھڑے پیڈ رو نے اسے مخاطب کرنا چاہا مگر وہ کھوئے ہوئے سے انداز میں کوریڈور عبور کرتی اس کی نگاہوں سے دور ہوتی چلی گئی۔
"حماد نے یہ کیوں کہا۔ کیا اسے ڈر ہے کہ ارسل اب کبھی نہ جاگ پائے گا۔" وہ عجیب خدشات کا شکار ہونے لگی تھی۔ تب ہی اس کا موبائل بج اٹھا۔ کال گرینی کی تھی۔ وہ ایک گہری سانس خارج کرتی...... کال ریسیو کر کے بات کرنے لگی۔
"ارسل ٹھیک نہیں ہے گرینی۔ وہ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔ وہ شاکڈ کی کیفیت میں ہے۔ اس کے شعور نے کام کرنا بند کردیا ہے۔" گرینی نے ارسل کی حالت کے حوالے سے دریافت کیا تھا۔ ماریانہ انہیں روتے ہوئے بتانے لگی۔
"تم رو کیوں رہی ہو ماریانہ؟" گرینی نے پریشانی سے پوچھا۔
"کیونکہ اسے اس کیفیت سے نکالنا' اس کے شعور کو بیدار کرنا آسان نہیں' بہت مشکل ہے۔" وہ اپنے رخسار پر بہتے آنسوؤں کو ہتھیلی سے رگڑتے ہوئے بولی۔
"مشکل ہے ناممکن تو نہیں...... تم اتنی جلدی ہمت کیوں ہار دیتی ہو ماریانہ۔ تم محبت کی طاقت کو سمجھ کیوں نہیں جاتیں۔" گرینی نے ناگواری سے کہا۔
"گرینی آپ کچھ نہیں جانتیں۔ اس لیے اس طرح کہہ رہی ہیں۔" ماریانہ نے جھنجھلا کر کہا۔
"تم گھر آؤ ماریانہ۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔" گرینی نے اتنا کہہ کر کال منقطع کردی۔ ماریانہ ہکا بکا سی موبائل کی اسکرین دیکھتی رہ گئی تھی۔

"بھیا جانی آخر آپ اپنے ملک سے دور کیوں جانا چاہتے ہیں؟ یہاں رہ کر بھی تو آپ آگے بڑھ سکتے ہیں' کامیابیاں حاصل کرسکتے ہیں۔" وہ دونوں جاگنگ میں مصروف تھے۔ وہ نروٹھے پن سے ارسل سے شکایت کرتے ہوئے بولا۔
"سب کچھ حاصل کرسکتا ہوں حماد مگر سکون نہیں۔" ارسل نے مسکرا کر اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
"مگر کیوں...... سکون کیوں نہیں ملتا آپ کو یہاں؟ بابا جانی' میں' شبنم' اماں بی ہم سب یہاں ہیں مگر پھر بھی آپ دیار غیر کا راستہ دیکھتے رہے۔ پہلے تعلیم حاصل کرنے کے چکر میں اور اب جاب کی وجہ سے۔" حماد کے شکوے آج ختم ہونے کا نام نہ لے رہے تھے۔ چند دنوں بعد ہی ارسل کو ملازمت کے سلسلے میں یہاں سے چلے جانا تھا اور حماد بہت ناراض تھا۔ بابا جانی اور ارسل سے شدید ناراضی چل رہی تھی۔ اس کا گلہ بجا بھی تھا۔ بچپن میں ارسل اس سے نہ زیادہ کھیلتا تھا نہ بات کرتا تھا۔ لڑکپن اس نے تعلیم کے حصول کے سلسلے میں ملک سے باہر رہ کر گزارا تھا۔ تعلیم مکمل کر کے گھر واپس لوٹے ابھی کچھ ہی ماہ گزرے تھے کہ وہ پھر سے باہر جانے کے لیے پر تولنے لگا تھا۔ حقیقی معنوں میں حماد نے ارسل کے ساتھ یہ چند ماہ ہی ساتھ گزارے تھے۔ بھائی کے ساتھ کی تمنا بچپن سے ہی اس کے دل میں پنپ رہی تھی۔
"یار حماد۔ مجھے بڑی بڑی باتیں کرنی نہیں آتیں۔ تم سے صرف اتنا کہوں گا کہ مما جانی کے بعد میرا ان فضاؤں سے جی اچاٹ ہوگیا ہے۔ اس دیس سے دانہ پانی اٹھ گیا ہے۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔" ہمیشہ کی طرح اس نے ڈھیر سارے

Digitized by Google

شکووں کو دو جملوں میں نبٹا دیا۔ یہی اس کا وطیرہ تھا۔ یہی انداز تھا اس کا زندگی گزارنے کا۔

"آپ کہنا چاہ رہے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ آپ کو کیا لگتا ہے کہ مما جانی کے بعد بابا بہت خوش اور مکمل زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا میں انہیں یاد نہیں کرتا۔ یا پھر مجھے ان سے محبت نہیں تھی؟ صرف آپ کو محبت تھی اور ایسی محبت کہ مما جانی کے بعد آپ نے اپنے تمام رشتوں کو تیاگ دیا اور پردیس میں جوگ لے کر بیٹھ گئے۔ آپ بہت کم ہمت ہیں بھیا یا شاید آپ کو ہم سب کی پرواہ نہیں ہے۔" وہ سخت ناراض تھا اور اپنی ناراضی کا کھل کر اعتراف کرنے سے ہچکچا بھی نہیں رہا تھا۔ جاگنگ ٹریک سے ہٹ کر وہ ایک نزدیکی بینچ پر جا بیٹھے۔

"تم نے ٹھیک کہا حماد..... میں بہت کم ہمت ہوں۔ صرف کم ہمت ہی نہیں میں بے حد ڈرپوک بھی ہوں۔ مجھے اندھیرے میں سفر سے ڈر لگتا ہے۔ مجھے اپنوں کو کھونے سے ڈر لگتا ہے' حادثے مجھے عجیب خوف میں مبتلا کر دیتے ہیں' مجھے ہر دم یہ خوف ستاتا ہے کہ کہیں میری ذرا سی غلطی' مجھے اپنوں سے دور نہ کر دے۔ مجھے بچھڑنے سے خوف آتا ہے اور سب سے زیادہ ڈر جانتے ہو مجھے کس سے لگتا ہے؟" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ بڑا بھائی تھا حماد کا مگر اس وقت کسی بچے کی مانند خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔

"کس سے؟" حماد نے بے اختیار پوچھا۔

"موت سے' ہم جن سے محبت کرتے ہیں موت انہیں بے بس کر کے ہم سے دور لے جاتی ہے۔" ارسل نے عجیب سے انداز میں کہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرا رہے تھے اور آج ویسے ہی سائے حماد کی آنکھوں میں بھی لرزاں تھے۔

کتنے سالوں بعد وہ ارسل سے ملا تھا۔ کتنے سالوں بعد وہ اس کے روبرو تھا مگر ساکت' خاموش' گہری نیند میں سویا ہوا اپنے چھوٹے بھائی کی آمد سے بے نیاز۔ ماضی ایک بار پھر اس کی نگاہوں کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

وہ دبے پاؤں ارسل کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس کے موبائل کا کریڈٹ ختم ہو گیا تھا اور ایک ضروری کال کرنے کے لیے اسے ارسل کا موبائل فون چاہیے تھا۔ وہ سو رہا تھا۔ اس کی نیند میں خلل نہ آئے اسی وجہ سے وہ بنا آواز پیدا کیے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ ابھی میز پر سے موبائل اٹھایا ہی تھا کہ ارسل کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"تم جتنی بھی کوشش کر لو حماد..... تمہاری آہٹ میں بخوبی پہچان لیتا ہوں۔" ارسل نے پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر مخصوص مسکراہٹ سجی تھی۔ حماد ہار ماننے والے انداز میں ہنستا ہوا بستر پر اس کے برابر بیٹھ گیا تھا۔

"یار بھیا..... آپ کو ہمیشہ پتا چل جاتا ہے لیکن کیسے میں آج تک سمجھ نہیں پایا۔" حماد ہمیشہ کی طرح متحیر تھا۔ ارسل نے اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔

"میں تمہاری اور بابا جانی کی آہٹیں کیا' خوشبو بھی پہچان لیتا ہوں۔ پتا ہے حماد مما جانی کیا کہتی تھیں؟" ارسل نے حماد کو سوالیہ انداز میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا کہتی تھیں مما جانی؟" حماد نے پُراشتیاق لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"وہ کہتی تھیں کہ محبت کی ایک خوشبو ہوتی ہے مگر وہ خوشبو ہر ایک کو محسوس نہیں ہوتی اور جنہیں ہوتی ہے وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ محبت تو ہم سب کو ہی کسی نہ کسی سے ہوتی ہے مگر انداز محبت جدا ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہماری محبتوں کی خوشبو بھی ایک دوسرے سے منفرد ہوتی ہے۔ مما جانی ہماری خوشبوؤں کو پہچانتی تھیں۔ حماد میں بھی پہچانتا ہوں۔ تم میرے پاس ہو یا مجھ سے دور..... میرے دل کے ہمیشہ قریب رہتے ہو مگر مجھے اپنے احساسات کو بیان کرنا نہیں آتا۔ اس معاملے میں بہت کمزور ہوں میں۔" آخری جملہ اس نے ہنستے ہوئے ادا کیا تھا۔

"حماد کبھی کبھی مجھے شدت سے محسوس ہوتا ہے جیسے میں بے حد بدقسمت ہوں۔ جن سے محبت کرتا ہوں ان سے دوری میری قسمت میں لکھ دی جاتی ہے۔" ارسل پھر سے اضطراب میں مبتلا ہوا تھا۔

"بھیا جانی پلیز..... مایوسی کا دورہ پھر سے برداشت نہیں کروں گا۔ پتا نہیں کیا بیماری ہے آپ کو خوش ہونا' اچھی امید رکھنا' ہنسنا بولنا تو بھول ہی گئے ہیں آپ۔ لگتا ہے سب کچھ نئے سرے سے سکھانا ہوگا۔" حماد نے ہشاش بشاش سے انداز میں کہا تھا۔

"اچھا بھئی۔ اب یہ بتاؤ چلنا کہاں ہے۔" ارسل نے اپنا موڈ بہتر کرتے ہوئے خوش دلی سے کہا تھا۔

"گارڈن میں اور کہاں۔ اتنا اچھا موسم ہے۔ ریکٹ کھیلتے ہیں۔ بلی (شبنم) کو بھی ملا لیں گے۔ کھیل میں اور اسے خوب تنگ کریں گے۔" حماد نے کہا تھا۔

"اس سے بہتر ہے کہ اس خوب صورت موسم میں ہم تینوں آئسکریم کھانے چلیں۔ وہ بھی میرے خرچے پر..... کیا خیال ہے؟" ارسل نے پلان سرے سے بدل دیا تھا۔

"بہت ہی نیک اور عمدہ خیال ہے۔" حماد نے دائیں آنکھ دباتے ہوئے خوب سراہا تھا۔ وہ دونوں ہنس دیے وہ ہنسی اسے آج بھی اپنے کانوں میں گونجتی سنائی دے رہی تھی۔ حماد نے ایک گہری سانس اپنے اندر اتاری اور ارسل کے قریب گریہ وزاری کرتی شبنم کے کاندھے پر دھیرے سے ہاتھ رکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"نہیں شبنم..... رونا دھونا' بھیا کو مزید پریشان کرتا ہے۔ انہیں جگانے کے لیے ہمیں کافی ہمت اور سمجھداری سے کام لینا ہوگا۔"

"حماد بھائی..... پھر کون سی باتیں کروں میں بھیا سے۔ کیا بچپن کی یادیں دہراؤں؟" شبنم نے سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہنستی مسکراتی' خوش کن یادیں دہراؤ۔ ایسی یادیں جن سے وہ واپس لوٹنے پر مجبور ہو جائیں۔" حماد نے اس کی سوچ کو سراہا۔ فوراً اس کا موبائل بج اٹھا۔ کال پاکستان سے آ رہی تھی۔

"تم یہیں رکو۔ میں بابا جانی سے بات کر کے آتا ہوں۔" حماد اسے تائید کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"السلام علیکم بابا جانی۔ کیسے ہیں آپ؟" وہ کاریڈور میں آ کر کال ریسیو کرتے ہوئے بولا۔

"وعلیکم السلام! بیٹا میری فکر چھوڑو۔ ارسل کی بتاؤ۔ وہ کیسا ہے۔ ٹھیک تو ہے ناں وہ؟" فیروز حسن جواباً بے تابی سے بولے۔ ارسل کی فکر انہیں ایک پل کے لیے بھی قرار نہ لینے دے رہی تھی۔

"بابا جانی' بھیا ٹھیک نہیں ہیں۔" وہ بہ مشکل کہہ پایا۔

"ٹھیک نہیں ہیں..... مطلب کیا ہے تمہارا حماد؟" فیروز حسن جی جان سے لرز اٹھے۔ حماد انہیں ارسل کی طبیعت کے حوالے سے بتانے لگا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میرا بیٹا ٹراما میں جا چکا ہے۔ اس دنیا میں واپس نہیں لوٹنا چاہتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے حماد۔" فیروز حسن بدحواسی کے عالم میں بولے۔

"بابا جانی۔ میں جیسے ہی یہاں پہنچا ڈاکٹر نے یہی اطلاع دی ہے کہ بھیا ٹراما میں ہیں۔ کسی شدید صدمے کا شکار ہیں۔ جب کہ میں سخت متعجب ہوں کہ آخر انہیں صدمہ ہے کس بات کا۔" حماد کہے بنا رہ نہ سکا۔ یہ سوچ اسے بے حد الجھا رہی تھی۔

"حماد..... یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اسے کسی بھی قیمت میں اس کیفیت کا شکر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ معلوم کرو حماد اس حادثے میں کیا ہوا تھا۔ کس بات کا اتنا شدید صدمہ پہنچا ہے اسے جو وہ اس حال میں جا پہنچا۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کوئی عام

Digitized by Google

"حماد کبھی کبھی مجھے شدت سے محسوس ہوتا ہے جیسے میں بے حد بدقسمت ہوں۔ جن سے محبت کرتا ہوں ان سے دوری میری قسمت میں لکھ دی جاتی ہے۔" ارسل پھر سے اضطراب میں مبتلا ہوا تھا۔

"بھیا جانی پلیز..... مایوسی کا دورہ پھر سے برداشت نہیں کروں گا۔ پتا نہیں کیا بیماری ہے آپ کو خوش ہونا' اچھی امید رکھنا' ہنسنا بولنا تو بھول ہی گئے ہیں آپ۔ لگتا ہے سب کچھ نئے سرے سے سکھانا ہوگا۔" حماد نے ہشاش بشاش سے انداز میں کہا تھا۔

"اچھا بھئی۔ اب یہ بتاؤ چلنا کہاں ہے۔" ارسل نے اپنا موڈ بہتر کرتے ہوئے خوش دلی سے کہا تھا۔

"گارڈن میں اور کہاں۔ اتنا اچھا موسم ہے۔ ریکٹ کھیلتے ہیں۔ بلی (شبنم) کو بھی ملا لیں گے۔ کھیل میں اور اسے خوب تنگ کریں گے۔" حماد نے کہا تھا۔

"اس سے بہتر ہے کہ اس خوب صورت موسم میں ہم تینوں آئسکریم کھانے چلیں۔ وہ بھی میرے خرچے پر..... کیا خیال ہے؟" ارسل نے پلان سرے سے بدل دیا تھا۔

"بہت ہی نیک اور عمدہ خیال ہے۔" حماد نے دائیں آنکھ دباتے ہوئے خوب سراہا تھا۔ وہ دونوں ہنس دیے وہ ہنسی اسے آج بھی اپنے کانوں میں گونجتی سنائی دے رہی تھی۔ حماد نے ایک گہری سانس اپنے اندر اتاری اور ارسل کے قریب گریہ وزاری کرتی شبنم کے کاندھے پر دھیرے سے ہاتھ رکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"نہیں شبنم..... رونا دھونا' بھیا کو مزید پریشان کرتا ہے۔ انہیں جگانے کے لیے ہمیں کافی ہمت اور سمجھداری سے کام لینا ہوگا۔"

"حماد بھائی..... پھر کون سی باتیں کروں میں بھیا سے۔ کیا بچپن کی یادیں دہراؤں؟" شبنم نے سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہنستی مسکراتی' خوش کن یادیں دہراؤ۔ ایسی یادیں جن سے وہ واپس لوٹنے پر مجبور ہو جائیں۔" حماد نے اس کی سوچ کو سراہا۔ فوراً اس کا موبائل بج اٹھا۔ کال پاکستان سے آ رہی تھی۔

"تم یہیں رکو۔ میں بابا جانی سے بات کر کے آتا ہوں۔" حماد اسے تائید کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"السلام علیکم بابا جانی۔ کیسے ہیں آپ؟" وہ کاریڈور میں آ کر کال ریسیو کرتے ہوئے بولا۔

"وعلیکم السلام! بیٹا میری فکر چھوڑو۔ ارسل کی بتاؤ۔ وہ کیسا ہے۔ ٹھیک تو ہے ناں وہ؟" فیروز حسن جواباً بے تابی سے بولے۔ ارسل کی فکر انہیں ایک پل کے لیے بھی قرار نہ لینے دے رہی تھی۔

"بابا جانی' بھیا ٹھیک نہیں ہیں۔" وہ بہ مشکل کہہ پایا۔

"ٹھیک نہیں ہیں..... مطلب کیا ہے تمہارا حماد؟" فیروز حسن جی جان سے لرز اٹھے۔ حماد انہیں ارسل کی طبیعت کے حوالے سے بتانے لگا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میرا بیٹا ٹراما میں جا چکا ہے۔ اس دنیا میں واپس نہیں لوٹنا چاہتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے حماد۔" فیروز حسن بدحواسی کے عالم میں بولے۔

"بابا جانی۔ میں جیسے ہی یہاں پہنچا ڈاکٹر نے یہی اطلاع دی ہے کہ بھیا ٹراما میں ہیں۔ کسی شدید صدمے کا شکار ہیں۔ جب کہ میں سخت متعجب ہوں کہ آخر انہیں صدمہ ہے کس بات کا۔" حماد کہے بنا رہ نہ سکا۔ یہ سوچ اسے بے حد الجھا رہی تھی۔

"حماد..... یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اسے کسی بھی قیمت میں اس کیفیت کا شکر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ معلوم کرو حماد اس حادثے میں کیا ہوا تھا۔ کس بات کا اتنا شدید صدمہ پہنچا ہے اسے جو وہ اس حال میں جا پہنچا۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کوئی عام

Digitized by Google

میرے بن گزارو

سیما بنت عاصم

گلناز کی یہ کج ادائی و بے وفائی کی عادت کوئی نئی نہ تھی‘ ماضی میں بھی وہ بارہا اس قسم کی ہیرا پھیریوں کا ارتکاب کرتی رہی تھی مگر بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی تھی کہ گلناز کی ہمراہی سے ان کا سنہرا مستقبل مشروط تھا پھر گلناز اپنی بڑی سے بڑی کوتاہی کو دوسروں کے کھاتے میں ڈال دینے کے فن میں ماہر تھی۔ سو اپنی دانست میں وہ فہد میاں کو منٹوں میں ایسے رام کیا کرتی کہ فہد میاں آس و امید کی ڈور تھام کر ایک بار پھر محبت کی گم گشتہ وادیوں کی سیر کو گلناز کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر گم ہو جاتے تھے۔ فہد میاں کے زیر نظر جو مفادات تھے وہ انہیں اس چشم پوشی پر مجبور کر دیتے اور جن کی گرد کو بھی گلناز ہنوز نہ چھو سکی تھی مگر اس بار معاملہ زیادہ گمبھیر صورت اختیار کرتا نظر آرہا تھا۔ نفیس بیگ کے معاملے میں گلناز کی دیدہ دلیری و ڈھٹائی عروج پر تھی۔ وہ اپنی ازلی بے خوفی سے نفیس بیگ کے ہمراہ محبت کی پینگیں بڑھا رہی تھی۔ اس کا ٹھسے سے نفیس بیگ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بائیک پر ہوا ہو جانا فہد میاں کو جلا کر خاکستر کر جاتا تھا مگر ابھی کچھ امید باقی تھی۔ اب بھی وہ کافی دیر سے بالکونی میں کھڑے ادھر ادھر نظریں دوڑا رہے تھے تو ایک موہوم سی آس پر مگر بلاآخر انتظار تمام ہوا‘ پھلجھڑی نے دروازے کی اوٹ سے اپنا سر نکالا اور نظروں ہی نظروں میں خبردار کا اشارہ دیا مگر فہد میاں کے لیے میدان صاف ہونا بھی غنیمت تھا۔ سو پھلجھڑی سے دو دو ہاتھ کرنے کی نیت سے کھنچے چلے گئے۔

وہ اپنی ازلی بے شرمی و بے غیرتی سمیت گلناز کے گھر کے وسط میں پڑی کرسی پر براجمان ہوئے تو گلناز کو بھی ان کی جانب متوجہ ہونا ہی پڑا۔ البتہ اس کے بڑے بڑے بے خوف نینوں میں سرد مہری سی تھی۔ اس کے چہرے پر فہد میاں کی آمد سے کوئی خاص تاثر نہ ابھرا تھا۔

”مل گئی تمہیں فرصت اس پینڈو نفیس بیگ سے.....؟“ فہد میاں نے خاصا چبھتا ہوا وار کیا مگر گلناز کا اطمینان قابل دید تھا۔

”اماں کہتی ہیں نفیس بیگ ہمارا مہمان ہے‘ اس کی خاطرداریوں میں کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے۔“

”نا تو خاطرداریوں بلکہ دلداریوں کے تمام ٹھیکے بھی تم نے ہی اٹھا رکھے ہیں کیا؟“

”یوں نہ کہو فہد..... میں تمہاری ہوں‘ صرف تمہاری۔“ اس کے چہرے سے مسکینی ٹپکنے لگی۔

”یہ دعوے تم نے متعدد بار کیے ہیں لیکن جہاں تمہیں مجھ سے مناسب یا معقول بندہ ملتا ہے۔ تمہاری آنکھیں آسمان سے جا لگتی ہیں۔ اس سبزی والے کے بیٹے کے معاملے میں بھی تم نے یوں ہی مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کی تھی۔ پھر یاد ہے اس کا انجام کیا ہوا تھا؟ تم میرے سامنے اس سے دیدہ دلیری سے عشق کی پینگیں بڑھاتی رہی تھیں‘ مگر وہ تمہارے ابا کے پچاس ہزار لوٹ کر تمہیں جل دینے کے بعد فرار ہو گیا تھا۔“

”پرانی باتیں جانے دو فہد‘ تم نے وعدہ کیا تھا کہ اس منحوس فراڈی سبزی والے کے بیٹے کا نام بھی تم زبان پر نہ لاؤ گے۔“

”اور تم نے بھی تو اس منحوس واقعے کے بعد قسم کھا کر کہا تھا کہ اب ہمیشہ صرف میری بن کر رہو گی۔“ فہد میاں کے تیور بدلے ہوئے تھے اور حالات متقاضی تھے کہ منظر میں جان ڈالنے کے لیے ڈھکوسلے کا سہارا لیا جائے لہٰذا گلناز کی کشادہ آنکھیں پہلے ڈبڈبائیں پھر چھما چھم برسنے لگیں۔

”اماں کہتی ہیں کہ تم نکھٹو ہو فراڈی اور جھوٹے بھی...... اور تم نے کبھی بتایا بھی تو نہیں آخر تم کام کیا کرتے ہو؟“

”تمہیں اور تمہاری اماں کو بس تمہاری روٹی کپڑے کی فکر ہے‘ اگر جو ذرا چل نکلے تو میرا کام لاکھوں کا ہے۔ تم دیکھنا ایک روز میرا کاروبار عروج پر ہوگا اور دنیا میرے

قدموں میں..... ایک روز تمہیں سونے میں تول دوں گا' سونے میں۔" فہد میاں کی دیدہ دلیری عروج پر جا پہنچی..... وہ ابا کی مانند بڑے بڑے دعوے کرنے لگا مگر انتظار کا لفظ گلناز کی لغت میں درج نہ تھا۔

"تم دعوے ہی کرتے رہ جانا اور میں کسی اور کے سنگ بیاہ کر رخصت ہو جاؤں گی۔" گلناز کے آنسوؤں میں روانی آ گئی مگر فہد نے تیکھے تیوروں سے اسے گھورا۔

"کسی اور کو کیوں کہتی ہو؟ صاف صاف اس الو کے پٹھے نفیس بیگ کا نام لو ناں۔" گلناز کو نفیس بیگ کے لیے فہد کا یہ انداز تکلم نہ بھایا مگر گھاگ شکاری تھی اس لیے مصلحتاً خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"اماں کہتی ہیں کہ نفیس بیگ اچھا لڑکا ہے..... گاؤں میں ابا کی زمینوں کی اچھی دیکھ بھال کر سکتا ہے۔"

"تو سمجھا نہیں سکتی اپنی اماں کو....." زمینوں کے ذکر پر فہد کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"ذرا سا صبر ہی کر لیں۔"

"صبر ہی تو کرتی ہیں میری خوشی کی خاطر..... ورنہ کب کے دو بول پڑھا کے رخصت کر دیتی' مجھے اس نفیس بیگ کے ساتھ..... اس کی اماں تو کب سے رشتہ مانگ رہی ہیں۔"

"ہائیں.....! تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی؟" ایکڑوں کی اراضی فہد میاں کو ہاتھ سے نکلتی نظر آنے لگی۔ اگلے پل اس نے خود کو گھگھیاتے محسوس کیا۔ "مگر تمہاری ایسی کون سی عمر نکلی جا رہی ہے؟"

"اماں کہتی ہیں انہیں میری شادی کے بعد حج پر جانا ہے' اس لیے میرا بوجھ جتنی جلدی اتر جائے اتنا اچھا ہے۔"

"سب کچھ تمہاری اماں ہی کہتی ہیں' تمہارے منہ میں تو جیسے زبان نہیں ہیں ہے۔ یوں کہو کہ تم دل و جان سے ان کی ہم خیال ہو۔" فہد چڑ سا گیا جیسے جانتے نہ تھا کہ وہ اپنی اماں کی کتنی نام لیوا ہے۔ سینکڑوں بار دھول جھونک گئی تھی ان کی آنکھوں میں اپنے معاشقوں کے نام پر۔

"ایسے تو نہ کہو فہد' تمہارے پیار کی خاطر میں نے کتنی

Digitized by Google

بار اماں سے اپنی ہڈیاں تڑوائی ہیں۔"

"یہ بات ہے تو چلو میرے پیار کی خاطر سب کو ٹھوکر مار کر بھاگ چلو میرے ساتھ۔"

"ہائے اللہ۔" گلناز نے دہل کر کلیجے پر ہاتھ رکھا۔

"کیوں..... ڈر گئیں؟ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے یا تمہارا وہ پیار نقلی تھا؟"

"خالی خولی پیار سے پیٹ نہیں بھرتا فہد۔" گلناز کی نیت فوراً واضح ہوگئی اور فہد میاں خوب جانتے تھے کہ مسئلہ اتنا گمبھیر نہیں ہے جتنا بنایا جارہا ہے شاید نیتوں میں کھوٹ آجائے تو انسان عذر کی رسی کو یوں ہی دراز کرتا چلا جاتا ہے۔

"پیار سے پیٹ نہیں بھرتا مگر پیار میں بھوکا تو رہا جاسکتا ہے ناں میں بے روزگار ہوں تو تم بھی بھوکی رہنا تنگی ترشی میں گزارہ کرنا اسی کو پیار کہتے ہیں۔ تم میرے لیے اتنا بھی نہیں کرسکتیں؟"

"میں ابا سے تمہاری سفارش کرسکتی ہوں کام نہیں ملتا تو ابا کا ہوٹل ہی سنبھال لو۔ اکلوتے داماد ہوگے تم ان کے..... بعد میں بھی سب کچھ تمہارا ہی ہوگا۔" بات فہد میاں کی دل پسند مگر تجویز نامعقول تھی اب وہ کیا بتاتے کہ اس ہوٹل کو تو وہ گلناز کے ابا سمیت بیچ کر کھا جانے کے ارادے رکھتے تھے۔ سوجھلا گئے۔

"ہوٹل پر بیٹھے وہ تمہارا نفیس بیگ..... تمہارا کیا خیال ہے ذرا ایک نظر میری پرسنیلٹی کو دیکھو..... میں ڈھلے برتنوں کا حساب کتاب رکھوں گا؟ چھوٹو کو نازیبا گالیوں کے ہمراہ آوازیں بھی مارتا رہوں گا۔ صندوقچی پر بیٹھ کر تمہارے کنجوس ابا کی طرح دو جمع دو کیا کروں گا؟ ہم شاہ خرچ بندے ہیں شاہ خرچ..... شاہوں نے محبت میں تخت و تاج کو ٹھوکر ماری ہے اور میں تمہارے ابا کی اس دو ٹکے کی نوکری پر چار حرف بھیجتا ہوں اور اس نفیس بیگ کی تو بوتھی سے بھی میرا خون کھولتا ہے اوپر سے تم اتنے ٹھسے سے اس کے ساتھ اسکوٹر پر سوار ہوتی ہو کہ دل چاہتا ہے کچی مروڑ دوں اس کم بخت کی۔"

"خیر یہ تو نہ کہو اماں کہتی ہیں نفیس بیگ شریف النفس دیکھا بھالا لڑکا ہے اور اس دور میں شرافت بڑی مشکل سے ملتی ہے۔" اس بار گلناز سے ضبط نہ ہوسکا۔

"اور اس ناچیز کے بارے میں تمہاری اماں کی کیا رائے ہے ذرا یہ بھی بتادو؟"

"اماں کہتی ہیں کہ عورت کو اس سے شادی کرنی چاہیے جو اسے چاہتا ہو نہ کہ اس سے جسے وہ چاہتی ہو۔ اماں کہتی ہیں نفیس بیگ اپنا خون ہے دیکھا بھالا ہے پھر میرے اشارے پر جان دینے تک کو آمادہ ہوجائے مجھے اور کیا چاہیے۔" اس کے ڈھکے چھپے لفظوں سے فہد میاں کی تمام تر خوش گمانیاں ہچکی لے کر دم توڑ گئیں۔

"میں قتل کر ڈالوں گا اس نامراد کم بخت نفیس بیگ کا..... دنیا پر روشن ہوجائے گا کہ عورت کو وجہ تنازع کیوں کہا گیا ہے؟" اس بار وہ بھڑک اٹھے۔

"نا تو تمہاری اماں کون سی جھولی پھیلا کے رشتہ مانگنے آگئی ہیں؟ وہ آکر رشتہ مانگیں تو میں اماں ابا کو سمجھاتی مناتی بھی اچھی لگوں۔" گلناز کی بات ٹھیک تھی اس لیے کھٹ سے فہد میاں کے دماغ کو جا کر لگی مگر وہ اسے کیسے بتاتے کہ اماں کو اس کے گھر رشتے کے لیے بھیجنا اتنا آسان نہ ہوگا۔ اماں اور گلناز کی اماں کے مابین سفارتی تعلقات کبھی خوشگوار نہ رہ سکے تھے مزید یہ کہ گلناز کے لچھن اماں پر خوب آشکار تھے سو وہ بھول کر بھی اس نیت سے اس کے گھر کا رخ نہ کرتیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود فہد میاں کی روش ایسی کب تھی کہ اماں آسانی سے ان کی شادی پر آمادہ ہوجاتیں مگر فی الوقت گلناز کو آس و امید کی ڈور تھمادینے میں بھی کئی مصلحتیں دامن گیر تھیں۔

"تم کیا جانو اماں کو میں کب سے منانے میں لگا ہوا ہوں ذرا میرا کام جم جائے پھر وہ خود تمہارا رشتہ مانگنے آئیں گی۔ تب تک تم اس مردود نفیس بیگ سے جان چھڑالو۔" فہد میاں کو حسب عادت جھوٹ کا سہارا لینا ہی پڑا۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ اور کہتے سٹر پٹر کی آواز ابھری تھی۔ غالباً کنڈی کھلی رہ گئی تھی۔ گلناز کی اماں بلائے ناگہانی کی مانند نازل

Digitized by Google

ہوئیں اور اندر کا منظر دیکھ کر ساکت رہ گئیں۔ جھلنگا سی کرسی پر پھیل کر بیٹھا ہوا فہد..... ناز و انداز دکھاتی گلناز اور فہد کی تو سائے سے بھی ان کے پر جلتے تھے۔ سو فہد میاں نے چپکے سے کھسک جانے میں ہی عافیت جانی اور اس کی اماں نے ایک بار پھر ڈنڈا سنبھالا۔

"تو نے پھر مجھ سے چوری چھپے اپنے یار کو بلایا مگر یاد رکھ اب میں نفیس بیگ سے تیرا نکاح پڑھا کے ہی رہوں گی۔"

"ہاں تو میں نے کب انکار کیا ہے اماں..... فہد کو میں نے یہی بتانے کے لیے بلایا تھا۔" گلناز کی گل افشانی کاش فہد میاں سن لیتے مگر وہ تو مسکراتے گنگناتے اپنی جان بچا کے نکل گئے تھے۔

❀.....❀.....❀

بالے نے ایک بار پھر اماں کو جالیا تو وہ جھلا اٹھیں۔

"ارے ناس پیٹے..... نامراد..... میری شادی کرادو..... میری شادی کرادو گھر سے نکلنا دوبھر کر دیا..... مردود تو نے۔"

"ارے خالہ..... غصہ کاہے کو کرتی ہو..... لاؤ میں تمہارے تھیلے تمہارے گھر تک پہنچا دوں۔" بالآخر ان کا سارا بوجھ ڈھو کر گھر تک لے آیا تو ناچار اماں کو اسے بیٹھک میں بٹھانا پڑا پھر اسے اس کا وعدہ یاد دلایا۔

"بتائے دے رہی ہوں پورے پانچ ہزار لوں گی مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ..... سوتی جوڑا نہیں چلے گا خوشبو کا ریشمی جوڑا لوں گی۔"

"ارے خالہ تو فکر ہی نہ کر..... بالے نے تجھے زبان دی ہے تو زبان سے پھرنے والا نہیں ہے بس تو کوشش میں لگی رہ۔"

"ارے ہاں ناں..... میں نے کب انکار کیا ہے۔"

"خالہ ایک بات میرے دل میں ہے اگر تو برا نہ مانے تو کہوں؟" بالا ان کے قدموں میں آ بیٹھا۔

"ہائیں..... ایسی کون سی بات ہے؟"

"بات ہے بڑی پتے کی پر دیکھ خالہ برا نہ ماننا..... وعدہ کر۔"

"ارے منہ سے پھوٹ تو سہی۔"

"خالہ..... تو دور کیوں جاتی ہے تو اپنے گھر کی طرف دیکھ ذرا....." بالا ان کی ٹانگیں دبانے لگا مگر اماں کے پلے خاک نہ پڑا۔

"اے بالے صاف صاف بات کر..... پہیلیاں کیوں بجھوا رہا ہے؟"

"تو خالہ صاف بات یہ ہے کہ میری تو حمیدہ پر نظر ہے۔" بالے کی بات پر اماں جیسے کرنٹ کھا کر اچھلیں۔

"ہائیں..... تیری زبان میں کیڑے پڑیں..... کم بخت مارے اگر حمیدہ نے سن لیا تو تیرا ڈھول جیسا پیٹ پھاڑ دے گی۔ ارے چندیا بجا دے گی تیری۔"

"تو حمیدہ کو راضی کرنا ں خالہ۔" وہ شدومد سے ان کی ٹانگیں دبانے لگا۔ "سچ تیرا منہ موتیوں سے بھر دوں گا۔"

"نہیں بالے..... حمیدہ راضی نہیں ہوگی..... تیری تو شکل پر نظر پڑتے ہی وہ کٹ کھنی ہی بن جاتی ہے۔" مگر اس کی سوئی حمیدہ پر اٹک گئی تھی۔

"دیکھ خالہ..... تو اپنے بڑھاپے کو سوچ..... حمیدہ کسی اور کے ساتھ رخصت ہوگئی تو تیرے کنبے کا کیا بنے گا..... مجھ جیسی موٹی مرغی پھر تیرے ہاتھ آنے والی نہیں ہے اور تو جو چاہے مجھ سے لکھوا لے..... مجھے بیٹا کہا ہے تو بیٹا ہی سمجھ..... حمیدہ کی وجہ سے تیرا گھر چلتا رہے گا۔ مجھے کچھ ہوگیا تو میرا سب کچھ میری گھر والی کا ہی ہوگا ناں تو میری ماں جیسی ہے ماں کی طرح ہی تیرا خیال رکھوں گا۔ سچ سونے میں تول دوں گا۔ تو ایک بار ہاں تو بول۔" بالا یہ سب کہہ کر چلا گیا مگر اماں کے لیے ایک نئی سوچ کا در وا کر گیا تھا۔

ان کی سوچ ایک نئی نہج پر سفر کرنے لگی تو انہوں نے رضیہ کو بلا بھیجا..... وہ بھی کچے دھاگے سے بندھی چلی آئی۔

"لے رضیہ..... سن..... تو کسی کرامت والی بی بی کا بتا رہی تھی ناں۔"

"ہاں ہاں خالہ..... کیوں..... کیا ہوا؟"

"سن ذرا اپنا کان ادھر لا....." انہوں نے رضیہ کے کان میں جو بات کہی جسے سن کر رضیہ اچھل پڑی۔

"ہائے خالہ..... بالا؟"

"اے لو..... تم تو سن کر ایسے اچھلیں جیسے بچھو نے نے ڈنک مار دیا ہو۔" ان کے دل و دماغ پر بالے کے دکھائے خوابوں کا خمار چڑھ گیا تھا۔

"تم نے بات ہی ایسی کی ہے خالہ کہاں تمہاری حمیدہ اور کہاں وہ بالا؟"

"کیوں کیا بالا انسان کا بچہ نہیں ہے؟"

"مگر خالہ اس سے تو بہتر ہے تم اپنی حمیدہ کو ساری زندگی بٹھائے رکھو۔"

"اری آہستہ بول..... آہستہ..... دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں..... اگر حمیدہ نے سن لیا تو قیامت آجائے گی قیامت۔"

"اچھا..... تو کیا حمیدہ راضی نہیں ہے؟"

"حمیدہ راضی ہوتی تو مجھے کیا باؤلے کتے نے کاٹا تھا جو تعویذ لینے جاتی۔"

"مگر خالہ..... آسمان میں تھگلی لگانے والی بات کرتی ہو۔"

"اے تو حمیدہ کو اور کون پوچھے گا..... اس کے دماغ پر تو چار حرف پڑھ کر چربی چڑھ گئی ہے..... چوٹڑا سفید ہوتا جارہا ہے..... اب کیا میں اسے ساری زندگی بٹھائے رکھوں گی۔"

"اے خالہ..... برا نہ منانا..... ایسے اندھے کنویں میں جھونکنے سے تو بہتر ہے کہ ساری زندگی بٹھائے رکھو مگر خیر..... تمہاری اولاد ہے تم بہتر سمجھتی ہو۔"

"یہ ہوئی نہ بات..... اب بتا کب چلنا ہے؟"

"جب تم کہو۔"

"ٹھیک ہے..... کچھ پانی پیسہ بھی خرچ ہوگا کیا؟"

"نہیں خالہ..... تمہاری اپنی مرضی ہے..... اپنی خوشی سے جو دل چاہے نذرانہ دے دینا۔"

"چل ٹھیک ہے مگر دیکھ یہ بات بس تجھ ہی تک رہے۔"

"یہ بھی کوئی کہنے والی بات ہے خالہ۔" وہ بے دلی سے کہہ کر چل دی..... دل ہی دل میں ان کی عقل پر ماتم کرتی جارہی تھی۔ ایسی کم عقلی دیکھی نہ سنی مگر اماں چھالیہ کترتے ہوئے کہیں دور جا نکلی تھیں..... بالے کے دکھائے سرسبز باغ..... انہیں مستقبل کے حسین دنوں کی سیر کرا رہے تھے۔ اس کی ہر بات صاف اور سچی نظر آرہی تھی۔ بالے نے پانچ ہزار کا کڑکڑاتا نوٹ ان کی مٹھی میں دبایا تھا اور وہ اپنے اندر ایک نئی حرارت و توانائی محسوس کررہی تھیں۔

❀.....❀.....❀

فہد میاں کی تازہ ترین فرمائش سن کر ان کی اماں کو جیسے بچھو نے نے ڈنک مار دیا تھا۔

"اے لڑکے تیرا دماغ تو نہیں چل گیا؟ میں اس بارہ من کی دھوبن زبیدہ کے گھر جاؤں اور وہ بھی تیرا رشتہ لے کر.....؟" انہوں نے تیر اپر بطور خاص زور دیا تو وہ برا مان گئے۔

"کیوں اماں میں کیا رشتہ لے کر جانے والی مخلوق سے خارج ہوں؟ اور پھر کہیں نہ کہیں تو تمہیں میری شادی کرنی ہے ناں پھر گلناز سے کیوں نہیں؟" اگرچہ فہد میاں خوب جانتے تھے کہ اماں اور خالہ زبیدہ کے ہمراہ کئی بار معرکے ہوگئے تھے اور ان دونوں کے درمیان تعلقات سنگین ہی رہا کرتے تھے اور گلناز چونکہ کئی بار اماں سے بدزبانی کا ارتکاب کرگئی تھی سو اس کو چھو کر آنے والی ہوا سے بھی اماں کو بیر تھا۔ اب بھی وہ گلناز کا نام سن کر بدک اٹھیں۔

"خبردار..... نام بھی نہ لے میرے سامنے اس ڈائن کا..... ارے نامراد بھول گیا وہ کم بخت زبیدہ میری پالتو مرغی چرا کے کھا گئی تھی اور کونسلر کے دفتر میں میرے خلاف درخواست بھی اسی نے دی تھی کہ میں نے گیلری کی دیوار چار فٹ آگے کھینچ رکھی ہے مکار جادوگرنی۔"

"اماں پرانی باتوں پر مٹی ڈالو..... آخر تمہیں میرے سر پر سہرا سجانے کا ارمان ہے کہ نہیں؟" انہوں نے یوں امید

Digitized by Google

سے اماں کو دیکھا جیسے وہ کہیں گی۔ ارے میرے چاند وہ دن دیکھنے کے لیے تو میں زندہ ہوں لیکن اماں بھی ان ہی کی اماں تھیں سوان سے کم نہ تھیں۔ ارمانوں پر پانی ڈالتے ہوئے صاف کورا جواب پکڑا دیا۔

"نا..... مجھے تجھ جیسے نالائق کے سر پر سہرا سجانے کا قطعی کوئی ارمان نہیں ہے تیرے نکھٹو باپ کے پلے بندھ کر میں نے کون سے سکھ اٹھائے ہیں جو میں دوسروں کو بھی اس آگ میں جھونکوں؟"

"اماں موضوع کوئی بھی ہو تم ابا کی ٹانگ ضرور گھسیٹا کرو۔" وہ جھلا گئے۔

"ارے کیوں ناں گھسیٹوں نامراد کم بخت نہ وہ ایسے ہوتے نہ تو ایسا ہوتا..... اسے بھی زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہیں آتا..... تو اس غفورے کی بیوی کو پلاٹ کا جھانسہ دے کر پیسے کھا گیا وہ میرا سر پھاڑنے آئی تھی..... بہ مشکل دو ہزار دے کے جان چھڑائی۔ اب یہ پیسے کون دے گا؟"

"اماں تم فکر کیوں کرتی ہو میں ہوں ناں۔" اپنی دانست میں فہد میاں نے انہیں تسلی سے نوازنا چاہا تھا مگر اماں پر ان کی تمام جھوٹی دکھوکھلی تسلیوں کے اسرار عیاں تھے۔

"خوب جانتی ہوں تجھے مگر تو کچھ بھی کہہ لے پر میری بات کان کھول کر اچھی طرح سن لے میں اس کمبخت ذات بھٹیارن زبیدہ کے گھر اس کی زبان دراز آوارہ بیٹی کا رشتہ لے کر نہیں جاؤں گی۔"

"تو اماں اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے بیاہنے کا ارمان لے کر دنیا سے سدھارو گی؟"

"ہاں میرے چاند..... اور یہ تیرے کرتوتوں کے طفیل ہوگا۔" انہوں نے ہری جھنڈی دکھادی۔ اب وقت آ گیا تھا اماں پر اپنے ہنر آزمانے کا کہ سبز باغ دکھانے سے ہی کام نکلنا تھا۔

"اماں معلوم بھی ہے گلناز کے ابا کے پاس کتنا پیسہ ہے؟ نوٹوں کے بنڈلوں کے بنڈل بھرے ہیں۔ گاؤں میں ایکڑوں کی اراضی ہے اور پورے دس تولہ سونا بنا رکھا ہے گلناز کے جہیز کے لیے۔"

"مجھے کیا بتا رہا ہے کمبخت مجھے پتا ہے ان نان بائی ذات کے بھٹیاروں کے پاس پیسہ نہیں ہوگا تو کیا تیرے یا تیرے نکھٹو باپ کے پاس ہوگا؟"

"اماں سوچو تو سہی گلناز ان کی اکلوتی بیٹی ہے اس گھر کی بہو بن گئی تو عیش ہی عیش ہوں گے اور کیش ہی کیش۔"

"لاحول ولا..... کیوں بنے وہ فتنی آوارہ ناٹے قد کی ناہنجار اس گھر کی بہو۔ پیر نہ جل جائیں میرے اس گھر کی دہلیز پر پڑنے سے پہلے؟" صاف ظاہر تھا کہ اماں کسی طور آمادہ نہ تھیں فہد میاں نے پینترا بدلا۔

"اماں ذرا یہ تو سوچو کہ آپا حمیدہ کی شادی کے بعد اس گھر کا کیا بنے گا..... کیسے اس گھر کی گاڑی چلے گی؟" مگر اس بات پر اماں کا ایک اور غم تازہ ہوگیا۔ حمیدہ کی شادی کا غم۔

"ناں..... مجھے یقین ہے وہ دن میرے نصیب میں لکھا ہی نہیں ہے۔" شادی کے معاملے میں حمیدہ کی ہٹ دھرمی کے سبب وہ مایوس ہوگئی تھیں۔

"چلو نہ سہی پھر بھی کیا ساری زندگی میں بے شرم بن کر آپا کی کمائی کھاتا رہوں گا؟"

"اری تو گلناز کے ماں باپ کے ٹکڑوں پر پل کر تجھے کون سے شرم اور غیرت کے میڈل مل جائیں گے؟"

"اماں میری بات کو سمجھو معقول نوکری مجھے ملتی نہیں ہے اور ابا کے و تیرے تم جانتی ہو..... گلناز اکلوتی ہے اکلوتی..... اس کے ماں باپ کے گزر جانے کے بعد سب کچھ ہمارا..... اماں ہماری سات پشتیں بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کھائیں گی تو فکر نہ ہوگی اتنی زمینیں اور جمع جتھا ہے ان کا۔"

"ارے وہ زبیدہ نہیں مرنے والی بھینس کی بھینس ہے۔ وہ تو سالوں میری چھاتی پر مونگ دلے گی۔"

"اماں وہ خالہ زبیدہ ہیں فریج یا ٹی وی نہیں پانچ سالہ

Digitized by Google

گارنٹی شدہ تمہیں کیا پتا کہ انہیں کتنی بیماریاں ہیں اور گلناز کے ابا کو دوبار دل کا اٹیک ہوا ہے..... دوبار۔" فہد میاں کی دروغ گوئی اور لہجے کی سنسنی کا ہی کمال تھا کہ اماں گہری سوچ میں غلطاں نظر آنے لگیں۔ فہد میاں کا دکھایا گیا راستہ نامعقول سہی درست بھی تھا۔ وہ چوری چھپے چند تعویذات کالی جھنڈی والے بابا سے لے کر آئی تھیں' ایک فہد کی بگڑی روش' دوسرا حمیدہ کی اقبال کے معاملے میں ہٹ دھرمی کی خاطر..... اگر اللہ کے کرم اور کالی جھنڈی والے بابا کے طلسماتی تعویذ کی بدولت حمیدہ بالے سے شادی کے لیے مان گئی تو سمجھو وارے نیارے۔

فہد میاں کا تاک کر لگایا گیا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ اگرچہ اپنی ازلی مخالف کے سبب زبیدہ کے گھر جا کر اس کی آوارہ بیٹی کا رشتہ مانگنا کچھ ایسا آسان کام نہ تھا لیکن فہد میاں کی بگڑی زندگی کو سنوارنے کے لیے یہ سودا مہنگا نہ تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اسے اپنی زندگی باپ کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر زبانی جمع خرچ کرتے گزارنی ہے..... اور ایسے میں سب سے تاریک مستقبل خود اسی کا تھا اور اس کے مستقبل کو روشن کرنے کے لیے اس سے بہتر سودے بازی اور کیا ہو سکتی تھی۔ فہد نکھٹو سہی مگر ان کی اولاد تھا' وہ ان کے لیے بہتر ہی سوچتی تھیں۔ تادیر ان ہی سوچوں میں غلطاں رہنے کے بعد انہوں نے سر اٹھا کر ایک لمبی سانس کھینچی۔

"اے نامراد..... تجھے سارے زمانے میں ایک وہی ملی تھی؟"

"کاش دو ہوتیں۔" فہد میاں کے دانت نکل پڑے۔

"مگر کیا کریں' گلناز اکلوتی ہے اور اس کے اکلوتے پن کا فائدہ تم ہے اٹھاؤ گی اماں۔"

"ٹھیک ہی' تیری خوشی کی خاطر یوں بھی سہی مگر یاد رکھ..... اگر اس بھٹیارن زبیدہ نے اوقات دکھانے کی کوشش کی تو پھر مجھ سے بھی کوئی اچھی توقع مت رکھنا۔" فہد میاں پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اب خوابوں کی تعبیر چند قدم پر کھڑی مسکرا رہی تھی۔ ایک بار معاملہ جم جائے تو گلناز کے ہمراہ ایک خوب صورت مکان اس علاقے سے دور جہاں تنگ گلیوں میں گڑھے پڑے ہیں..... ساتھ ہی جہیز میں ایک ہنڈا کی فرمائش ہو گی' واہ واہ..... کیا کہنے..... رہی گلناز کی بگڑی روش تو امید پر دنیا قائم ہے۔

"اور سن رکھ' میرے سامنے اگر اس فتنی نے اپنی زبان تالو سے لگا کر نہ رکھی تو کاٹ کر ہتھیلی پر رکھ دوں گی۔" اماں برقع سر پر جما کر جاتے ہوئے مڑیں۔ موقع خوشی کا تھا سو سر اثبات میں ہلا دینے میں ہی عافیت تھی۔

اماں کے جانے کے بعد انتظار کی گھڑیاں طویل محسوس ہونے لگی تھیں۔ فہد میاں کو اپنا روشن مستقبل باہیں پھیلائے اپنی جانب بڑھتا نظر آ رہا تھا۔ انہیں یقین تھا ان کی حمایت میں گلناز کی کمک کافی رہے گی۔ جس کا اس نے یقین دلایا تھا' گلناز کے والدین کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑ جائیں گے۔ آخر کو گلناز ان کی اکلوتی بیٹی ہے۔ بالآخر اس نام نہاد محبت کی جیت ہو گی۔ ان کے تمام خواب پورے ہوں گے۔ وہ جہیز کی جگہ کیش طلب کریں گے' جس سے کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کر لیں گے۔ وہ آنکھیں بند کر کے اس حسین وقت کے تصور میں کھو گئے' جب آسودگی ہی آسودگی ہو گی۔

کچھ دیر گزری..... ان کے اطمینان نے بے چینی کی جگہ لے لی..... وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سیٹی بجاتے بالکونی میں آ گئے' ایک نظر گلناز کے گھر کے سال خوردہ دروازے پر ڈالی' ان کی سوچ کا رخ مڑ گیا..... کچھ شک نہیں کہ گلناز ان کی محبت میں کچھ کھا کر جان دینے کی دھمکی دے دے۔ اس کے اماں ابا کی تمام مخالفت جھاگ کی مانند بیٹھ جائے گی اور بالآخر وہی ہو گا جو فہد میاں کی منشا و رضا تھی۔ یقیناً اماں لوٹیں گی تو بامراد ہو کر مگر تاخیر کی رسی دراز ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ایک عجیب سی کیفیت نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔ وہ خود کو بے چین سا محسوس کرنے لگے کوئی گھنٹہ بعد اماں بکی جھکی لوٹی تھیں۔

"منحوس' ذات کے نان بائی..... بھٹیاری' چار پیسے کیا ہاتھ آ گئے خود کو افلاطون سمجھنے لگے ہیں۔" انہوں نے

Digitized by Google

جھلاہٹ کے عالم میں برقع اتارا۔ فہد میاں کو اندازہ تھا کہ یہ مرحلہ اماں کے لیے اتنا خوشگوار نہ ہوگا' یقیناً ان کی جھلاہٹ کا سلسلہ اور دراز ہوگا۔ اسی وقت حمیدہ آفس سے لوٹی تھی۔

"سنتی ہو حمیدہ' ان ذات کے بھٹیاریوں کی باتیں۔"

"افوہ اماں سکون کی سانس تو لینے دیا کرو..... کیا غضب ہوگیا ہے؟"

"ارے میں اس بارہ من کی دھوبن زبیدہ کی بات کررہی ہوں۔ موئے نان بائی۔ بدزبان آوارہ بیٹی اور نخرے دیکھو..... میرے بیٹے میں کیڑے چن رہی تھی۔ جیسے اپنی بیٹی تو آسمان سے اتری ہے۔ میں تو جیسے اپنی مرضی یا خوشی سے رشتہ لے کر اس کے گھر گئی تھی ناں۔ صاف کورا جواب دے دیا کہ گلناز نفیس بیگ کی ٹھیکرے کی مانگ ہے۔"

"ہائیں.....!" فہد میاں پر جیسے حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

"موئی بارہ من کی دھوبن' میرے سامنے اس نفیس بیگ کی یوں تعریفیں کررہی تھی جیسے زمانے بھر کا نکما نکھٹو ایک میرا ہی تو بیٹا ہے۔ رکھ کے سنائی ہیں میں نے کہ اپنی بیٹی کو کنٹرول میں رکھے..... میں مری نہیں جارہی اسے بہو بنانے کے لیے اور وہ نامراد گھنی' میسنی باون گز کی زبان ہے مگر منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی رہی۔ اس بے وقوف فہد کو معلوم بھی نہ ہوسکا اور گلناز کا رشتہ بھی طے ہوگیا۔" اماں حمیدہ کو نہیں اسے سنا رہی تھیں اور فہد کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں..... عادت کے مطابق گلناز ایک بار پھر کھیل گئی تھی۔ بھلا ان میں ایسی کون سی خصوصیت تھی جس کے لیے وہ نفیس بیگ جیسا رشتہ ٹھکراتی' اپنے والدین سے ٹکر لیتی۔ انہیں اپنا کر بھلا ہاتھ ہی کیا آنا تھا۔ محبت وہ بھی خالص کب تھی؟

"مگر اماں تمہیں ان کے لتے لینے کی کیا ضرورت تھی' رشتہ بھلا ایسے مانگتے ہیں؟"

"اے لو' کیسا رشتہ..... کہاں کا رشتہ؟ وہ بھٹیارن زبیدہ تو نفیس بیگ سے گلناز کے نکاح کی تاریخ پکی کیے بیٹھی ہے' جاتے ہی مبارک کے ساتھ لڈو ٹھونس دیا میرے منہ میں۔" یعنی گلناز کی انتہاؤں کو چھوتی بے نیازی کے مظاہرے بے جا نہ تھے اور اس کا دلایا گیا یقین بھی کھوکھلا تھا۔ فہد میاں کا چہرہ تاریک پڑتا چلا گیا تھا۔ حمیدہ کے دل کو ٹھیس لگی تھی۔ ان سے مشورہ تو کیا تذکرہ بھی کیے بغیر اماں برقع سنبھال کر فہد کا رشتہ لینے پہنچ گئی تھیں مگر وہ جانتی تھیں اماں اپنے ارادوں میں اٹل تھیں' جو ٹھان لیتیں کر کے چھوڑتیں۔ سو مشورے یا تذکرے کا سوال ہی نہ تھا۔ فہد کے کرتوتوں سے کون واقف نہ تھا' اس کے نکمے پن سمیت اسے بیاہنا سراسر حماقت تھی۔ ایسی صورت میں ایک اور کنبے کا بار ان کے سر آپڑتا..... وہ پہلے ہی ہلکان تھیں پھر ان کا مستقبل بس اس گھر کی گاڑی کو کھینچتا رہ جاتا اور ان کی اپنی زندگی کہیں پس پشت چلی جاتی۔

دروازہ زور زور سے پیٹا جارہا تھا۔ تخت پر فراغت سے پیر پسارے اماں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔

"ہے..... ہے..... کون نامراد ہے..... دروازہ توڑ ڈالے گا کیا؟" انہوں نے وہیں سے پکار کر کہا تو جواب میں ایک بارعب گونج دار آواز سنائی دی۔

"فہد استاد کو باہر بھیجو۔"

"ارے نہیں ہے فہد۔" اماں نے جھنجلا کر کہا۔ ان دنوں انہیں فہد پر کافی غصہ تھا۔ جس کی ضد پر انہیں زبیدہ کے گھر جا کر منہ کی کھانی پڑی تھی۔

"ابھی ابھی سج بن کر نکلا ہے' گلی کے نکڑ تک بھی نہ پہنچا ہوگا۔" انہوں نے بھنا کر بتادیا۔ اماں کے اگر فرشتوں کو بھی خبر ہوتی کہ آنے والوں کے عزائم کیا ہیں تو وہ فہد میاں کو اپنے پروں میں چھپا لیتیں۔ آخر کو لاڈلے سپوت تھے وہ اماں کے۔ قاسو قصاب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پلٹ گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا بالآخر فہد میاں کو جالیا تھا۔

"او کتھے چلے او بادشاؤ؟" فہد میاں مڑے تو قاسو قصاب کڑے تیوروں کے ساتھ اپنی دہشت ناک مونچھیں

Digitized by Google

کوتاہ دے رہا تھا۔ فہد میاں کے ہاتھوں کے طوطے قاسو قصاب کے تیور دیکھ کر اڑ گئے۔

"کیوں بے سالے تو سمجھتا تھا اپنے قاسو استاد کا مال کھانا آسان بات ہے؟" ایک چمچہ نما مخنی سا آدمی بولا۔ تب فہد میاں کو احساس ہوا کہ قاسو قصاب اکیلا نہیں ہے۔

"ہائیں' گالی بکتے ہو' فہد کو گالی بکتے ہو؟"

"کیوں اوئے تو کیا مسجد کا پیش امام ہے؟" اگلا بھاری تن وتوش رکھتا تھا اس نے بڑھ کر فہد میاں کا گریبان پکڑ لیا۔

"اے..... گگ..... گریبان چھوڑ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"کیوں بے تو نے قاسو استاد کو چکمہ دے کر ان کے انیس ہزار کھا لیے' اب وہ رقم کیا تیرا باپ دے گا؟ مارو سالے کو....." اور اس حکم کے بعد لاٹھیاں' ڈنڈے اور ہاکیاں نکل آئیں۔ تابڑ توڑ مکوں لاتوں کا ایک طویل سلسلہ جاری ہوگیا۔ وہ تعداد میں کئی تھے اور فہد میاں اکیلے۔ سو پسپائی ان کا مقدر ٹھہری۔ شاید ایسے ہی وقتوں میں بھولے کو اللہ یاد آتا ہے اور منکر کو مسجد کا رستہ مگر کبھی کبھی فہد جیسے لوگ اپنے بچھائے ہوئے جال میں پھنس ہی جاتے ہیں۔ وہ ان سب کے تشدد کے نتیجے میں بری طرح زخمی ہوگئے تھے۔ لوگوں کا جمگھٹا لگ گیا اور سب کو ہی اس معرکے کا محرک کا پتا چل گیا تھا۔ فہد میاں کی شہرت پہلے کون سی اچھی تھی۔ بالآخر ان تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ بے ہوش ہوگئے تھے۔

گلناز کی شادی ہوگئی اور یہ ان دنوں کی بات تھی جب فہد میاں زخموں سے چور بستر پر پڑے تھے۔ فہد میاں کو کئی دنوں تک اپنا ہوش نہ تھا۔ ضربیں شدید تھیں۔ حمیدہ نے اس کی خدمت گزاری میں دن رات ایک کردیے تھے۔ اماں ہر وقت ان بدنصیبوں کو کوستیں جنہوں نے ان کے لعل کی یہ حالت کی تھی۔ اگرچہ فہد میاں کی روش کے سبب وہ اس سے نہایت عاجز ونالاں تھیں مگر اس کی چالاکی ومکاری سے بھی خوب واقف تھیں۔ وہ منٹوں میں دوسروں کو بے وقوف بنا کر رقمیں اینٹھ لیا کرتا تھا اور ان کا اندازہ تھا کہ یہ حادثہ بھی اس کی کسی کارستانی کے جواب میں پیش آیا ہوگیا۔

گلناز رخصت ہوئی تو جیسے ان کی سانسیں بحال ہوئی تھیں مگر فہد میاں کے لیے یہ دوسرا حادثہ خاصا دل شکن رہا تھا' ان کی امیدوں کا سورج تو ڈوب ہی گیا تھا مگر گلناز جیسی موٹی آسامی کا ہاتھ سے نکل جانا ایک بڑا نقصان تھا جس پر وہ جتنا رنج کرتے کم تھا۔

موسم کی شدت اپنے عروج پر تھی۔ وقت جیسے گزر کر بھی نہ گزر رہا تھا۔ صبح کے نو بجے تھے اور گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ ایک دفتر میں نوکری کی امید تھی اور وہیں کسی سے ملنا تھا' حمیدہ جانے کے لیے تیار کھڑی تھی جب دروازہ بجا اور اماں پالک کے پتے چھانٹنا چھوڑ کر اسپرنگ کی طرح اچھلیں۔

"اے وہ اقبال ہوگا..... بالا..... اسے میں نے ہی بلوایا تھا۔"

"اماں..... کیا ضرورت تھی اس بے ڈھنگے سانڈ کو گھر پر بلانے کی۔" حمیدہ کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ دروازے کے اس پار کھڑا بالا بل کھا کے رہ گیا۔

"اے لڑکی..... زبان کو لگام دے..... اس بے چارے نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟" پیسے والوں کی شان میں گستاخی انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی' بالا تو پھر بھی ان کا لاڈلا تھا' جب آتا ان کی مٹھی گرم کر جاتا' انہیں بھلا اور کیا درکار تھا۔ جبکہ حمیدہ کا لوگوں کو برتنے کا اپنا ہی ایک نظریہ تھا۔ مثبت خوبیاں ان کی ترجیحات میں تھیں۔ اب ان کا نصیب کہ ان سے متفق افراد کی تعداد صفر تھی۔ خصوصاً اماں سے ان کا نظریاتی اختلاف' ان کے نجی اختلافات کا باعث بنتا تھا۔ سر میں ڈھیروں ڈھیر تیل چپڑے آنکھوں میں سرمے کی دھاریں ڈالے اور عطر کا چھڑکاؤ کیے' اقبال کے تو نام سے بھی اسے چڑ تھی۔

"خیر' اب بلوا ہی لیا ہے تو ذرا جلدی فارغ کردینا.....

Digitized by Google

کہیں گھنٹہ بھر کے لیے بیٹھ جائے مگر آئندہ بچ کے رہنا اور پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھک میں بٹھا لو کمبخت کی نظریں ہیں کہ تلوار۔" حمیدہ نے آخری بات زیر لب کہی تھی۔ گھر سے باہر بھی سامنا ہونے پر بالا بلاوجہ ہی دانت نکالنے لگتا تھا اس کے ساتھیوں نے اس سے مل کر آتے جاتے حمیدہ کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ وہ جل کر خاکستر ہو جاتی ادھر اماں بھی اپنے نام کی ایک تھیں۔ حمیدہ جانتی تھیں اماں کو ان کے ارادوں سے کون باز رکھ سکتا تھا۔ اماں کی سوچ کس نہج پر سفر کر رہی تھی حمیدہ کو اس کی رسائی تک نہ تھی اور اس وقت...... وقت کم تھا...... پان کی پیک اگل کر وہ بالے کی پذیرائی کے لیے آگے بڑھیں اور اگلے ہی پل اقبال دندناتا ہوا گھر میں داخل ہوا تھا اگرچہ اس کا رخ بیٹھک کی جانب ہی تھا ادھر حمیدہ نے رخ بدلا مگر اس کی ایک جھلک نے بھی بالے کے دل کی کلیاں مہکا دی تھیں اس کی باچھیں کھل اٹھیں وہ نااہل سہی نا امید نہ تھا حمیدہ کی ناگواری کے برعکس اماں کی دلائی گئی آس زیادہ وزن رکھتی تھی۔

حمیدہ سر جھٹک کر گھر سے نکل گئی اور بالا غڑاپ سے بیٹھک میں گھس گیا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ اماں کے سامنے بگڑ رہا تھا۔

"بس خالہ...... بہت ہوگئی...... ایک ذرا سا کام نہیں ہوتا تم سے...... بہانے سے کتنی بار رقم اینٹھ لی مگر میری شادی کے لیے ایک لڑکی تمہیں مل کے نہیں دیتی...... اب فوری طور پر کوئی لڑکی تلاش کر دیا پھر حمیدہ کا نکاح پڑھوا دو مجھ سے۔"

"اللہ کے واسطے آہستہ بول بالے اگر حمیدہ نے سن لیا تو قیامت آجائے گی قیامت۔" اماں دہل اٹھی تھیں۔

"تیرے لیے رشتہ ڈھونڈنا اتنا آسان نہیں ہے بالے۔"

"کیوں خالہ جی کیا کمی ہے مجھ میں؟ لاکھوں کا کاروبار ہے اپنے ٹرک چلتے ہیں۔" اس نے سینہ پھلا کر کہا۔

"لوگ کہتے ہیں تو کاروبار کی آڑ میں دو نمبر کام کرتا ہے۔ تیرے ٹرکوں سے جو مال دوسرے شہروں پہنچایا جاتا ہے اس میں نشے کا سامان......"

"او خالہ جی...... لوگوں کی بات کو چھوڑ...... لوگ تو سب ہی کو کچھ نہ کچھ کہتے ہیں...... تم بتاؤ تم نے اپنی آنکھوں سے کبھی کچھ دیکھا؟" موٹے بھدے بالے کی ہٹ دھرمی اس وقت انتہاؤں پر تھی۔

"تو اور کیا...... وہ جو اس روز تیرے گھر کے باہر پولیس کھڑی تھی؟"

"ان سے تو اپنی یاری ہے...... چائے پانی کے لیے آئے تھے خالہ جی پولیس والوں کو کھلائے پلائے بغیر بھی کہیں کاروبار چلتے ہیں؟"

"لاکھوں کے کاروبار چلتے ہیں اور گھر میں کتے لوٹ رہے ہیں۔ بغیر پلستر کی دیواروں پر ٹین کی چھت ٹکا رکھی ہے رشتہ ناتا لگتا ہے تو لوگ گھر بار بھی دیکھتے ہیں کہ نہیں؟"

"او خالہ جی...... گھر بنانا عورت کا کام ہوتا ہے ناں پیسے کی کمی تھوڑی ہے۔"

"تو کیا سارے کام بیاہ کے آنے والی عورت کرتی ہے؟ وہ جو تمہارے گھر میں زمانے بھر کی زبان دراز بہن ہے وہ کس مرض کی دوا ہے اپنی گناہ گار آنکھوں سے دیکھا ہے گھر کی دیواروں کے جالے زمین کو چھوتے ہیں اور وہ نگوڑ ماری دروازے سے جھولتی نظر آتی ہے۔ میری مانو تو پہلی فرصت میں چلتا کروا دے اس سے پہلے کہ وہ کوئی گل کھلائے۔"

"خالہ جی...... یہ کام بھی تم ہی نے کرنا ہے ماں باپ کے بعد میرے سوا کون ہے اسے بیاہنے والا...... کوئی اچھا بر تو ملے فوراً نہ بیاہ دوں تو نام بدل دینا۔"

"ارے تو اسے بیاہنے سے کون سی جان چھوٹ جائے گی سب جانتے ہیں تیرے گھرانے کے کرم کرتوت تو بہنوں پر سختی کرتا تھا اس لیے وہ ہاتھوں سے نکل گئی ہیں۔ بڑی نے بھاگ کے شادی رچائی اس کے بعد والی بھی آئے روز جھگڑ کر تیرے گھر بیٹھی رہتی ہے اور چھوٹی کے کرتوتوں اور زبان سے تو اللہ کی پناہ۔"

"او خالہ...... گھر آ کے بیٹھتی ہیں تو کون سا میرا کھاتی

Digitized by Google

ہیں۔ میں انہیں زیادہ منہ کب لگاتا ہوں اور ان کی بات چھوڑو تم ساری باتیں بھلا کے مجھے ایک موقع تو دو..... ذرا سوچو تو سہی۔"

"ارے ایسے کیسے سوچوں..... زمانے بھر کی زبان دراز بہنوں کے ہوتے اگر تم بیوی بیاہ ہی لاؤ گے تو چار روز نہیں ٹکنے دیں گی چٹیا پکڑ کر نکال باہر کریں گی۔"

"خالہ وہ سب میرے مسائل ہیں میں حل کرلوں گا۔ اگر تم کہو گی تو حمیدہ کے لیے الگ گھر کا بندوبست کردوں گا۔ تم ایک بار حمیدہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کے تو دیکھو۔"

"بالے..... تیرے منوں بھاری وجود پر جوتر بوز جیسا سر ہے اس میں عقل نام کو نہیں..... دو چار حروف پڑھ لیتا تو تجھے سمجھانا اتنا مشکل نہ ہوتا' میں تو تیرے لیے سو بار سوچ لوں پر حمیدہ کو کیسے مناؤں؟"

"خالہ جی..... دنیا زمانے میں پھرتی ہو..... ہزار رشتے طے کراتی ہو اور اپنی بیٹی کی عمر نکلی جارہی ہے۔ کبھی سوچا ہے لوگ کیا کیا کہتے ہیں کہ تم اس کی کمائی کھانے کے لیے اسے نہیں بیاہتی..... سوچو دو چار سال اور گزر گئے تو مجھ جیسا رشتہ بھی نہیں ملے گا حمیدہ کو۔" بالے نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس کی بات تلخ سہی مگر سچ تھی۔ اب وہ بالے سے تو کہنے سے رہیں۔ رشتوں کے معاملے میں حمیدہ سدا سے کم نصیب رہی تھی۔ وہ تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے دماغ کی مالک تھی اور جیون ساتھی کے لیے بھی ایسا ہی تصور رکھتی تھی مگر بدنصیبی سے جو آڑے ٹیڑھے رشتے آتے تو پلٹ کر نہ آتے اور اگر مڑتے تو حمیدہ کا دل ان کے لیے آمادہ نہ ہوتا..... معیار سے کم پر وہ سمجھوتا کرنے پر تیار نہ تھیں' مستزاد گھر کے افراد کی بگڑی روش اور اس پر ذمہ داریوں کا بار انہیں تقریباً مستقبل سے ناامید کر گیا تھا۔

"مجھے لگتا ہے خالہ تم حمیدہ کو جہیز دینے سے ڈرتی ہو....." بالے کی آواز نے انہیں سوچوں کے گرداب سے نکالا۔ "اتنے عرصے سے تمہیں کما کما کے دے رہی ہے۔ جہیز تو خوب جوڑ رکھا ہوگا..... بیسیاں ڈالتی ہو رشتے کراتی ہو۔"

"اے بالے..... منہ سنبھال کر بات کر گدی سے زبان کھینچ لوں گی تیری۔ ارے میری چھاتی پر چڑھ کر تو مجھ سے رشتہ لے گا۔ ارے میرے ٹکے ٹکے پر نظر رکھنے والا تو کون ہوتا ہے؟" ان کے تلوؤں سے لگی سر پر بجھی۔ بالے کو لتاڑ کے رکھ دیا تو اسے بھی بات ہاتھوں سے نکلتی نظر آئی' جھٹ ان کے قدموں میں آ بیٹھا۔

"ارے میری توبہ..... میرے باپ کی توبہ..... میں تو مذاق کررہا تھا..... آئندہ اگر جو تمہارے سامنے زبان کھولوں تو میری جوتی تمہارا سر۔"

"ہائیں....." وہ سٹ پٹا گئیں۔ "بالے تو ہوش میں تو ہے؟"

"ارے....." اسے فوراً اپنی خطا کا احساس ہوا۔ "میرا مطلب تھا' تمہاری جوتی میرا سر۔" وہ شدومد سے ان کی ٹانگیں دبانے لگا۔ "پر دیکھ خالہ اب اور دیر نہ کرنا۔" لہجے میں خوشامد و چاپلوسی در آئی تھی۔

❀.....❀.....❀

حمیدہ کو مطلوبہ جگہ تک پہنچتے پہنچتے ایک بج گیا تھا۔ پہلے وہ راستہ بھٹک گئی ناچار رکشہ کرنا پڑا۔ لفٹ خراب تھی' بلڈنگ کے پانچویں فلور تک پہنچتے ان کی حالت مزید ناگفتہ بہ ہوگئی۔ اگرچہ امید کم تھی' کسی اخبار کے دفتر کا اشتہار تھا جو قدرے تاخیر سے ان کی نظر سے گزرا تھا۔ ان کی مٹھی میں مطلوبہ پتے کی چٹ چرمرا سی گئی تھی۔ فلور کا کاریڈور عبور کرکے مطلوبہ دفتر میں داخل ہوتے ہی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا..... اے سی کی کولنگ سے یخ بستہ فضا..... عجیب خاموش' ٹھنڈا سا ماحول تھا۔ اخباری دفتر کی کوئی ہنگامہ خیزی نہ تھی' حد ہوتی ہے غیر ذمہ داری کی' کوئی بھی سیٹ پر نہ تھا۔ آراستہ و پیراستہ دفتر کسی طرح اخبار کا دفتر نہیں لگ رہا تھا۔ سارے آفس میں الو بول رہے تھے۔ شاید نماز کا وقفہ تھا کہ لنچ کا..... تمام سیٹیں خالی تھیں وہ سامنے نظر آتے کیبن میں داخل ہوئی۔

Digitized by Google

"السلام علیکم! جی مجھے تراب علی صاحب سے ملنا ہے۔ روزنامہ 'جیت' کے سنیئر ایڈیٹر انچیف....." حمیدہ کے انداز میں عجلت تھی۔

فان کلر کے ٹو پیس سوٹ میں سحر انگیز شخصیت نے کی بورڈ پر ہاتھ روک کر ذرا رخ موڑ کے اسے دیکھا تھا' انگوری رنگ کا چکن کا سوٹ' دوپٹا سر پر جمائے' گندمی رنگت پر بڑی بڑی آنکھیں جھپکتی وہ بڑی سادہ و دلکش لگ رہی تھی۔

"معاف کیجیے گا..... وہ تو....." انہوں نے کہنا چاہا مگر حمیدہ نے سرعت سے بات کاٹ دی۔

"جی..... مجھے معلوم ہے مجھے کچھ تاخیر ہوگئی ہے۔ مجھے بس اپنی سی وی انہیں دینی ہے کسی بھی مناسب جاب کے لیے۔"

"آپ تشریف رکھیے۔" بیل بجا کر ٹھنڈا پانی منگوایا۔ ایک بار دلچسپی سے اسے دیکھا جو میز کے اس پار بیٹھی ٹشو سے ماتھے کا پسینہ خشک کر رہی تھی۔ وہ ایک نظر میں بھانپ گئے لڑکی باحوصلہ مگر ضرورت مند ہے۔

"آپ کی کوالیفکیشن؟"

"میں نے بی اے کیا ہے فرسٹ ڈویژن میں۔" حمیدہ نے اپنی سی وی ان کے سامنے رکھ دی۔ وہ جب تک ٹھنڈا پانی پی کر کچھ پُرسکون ہوگئی تھی۔ وہ سی وی پر نظر دوڑاتے پیپر ویٹ گھماتے ان کے سفید نرم و ملائم ہاتھ پر حمیدہ کی نظر ٹک کر رہ گئی تھی اور پھر بے ساختہ نظریں ان کی سحر انگیز شخصیت پر جم گئیں۔ کتنا بھرپور مکمل اور وجیہہ شخصیت کا مالک تھا' وہ کھو سی گئی۔

"جاب کرنے سے پہلے باس ذرا ہینڈسم دیکھنا۔" ثمینہ کی بات یاد کر کے اس کے لبوں کو ایک مبہم سی مسکان چھو گئی۔ سعد بن مصطفیٰ نے نظریں اٹھائیں اور کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ گرمی سے بے حال' سادہ و دلکش لڑکی بلا کی پُرکشش تھی' معیوب تو لگتا تھا مگر ہر چہرے کا باریک بینی سے جائزہ ان کی فیلڈ کا تقاضا تھا۔ گندمی چہرے پر بلا کی ملاحت تھی اور اس مسکان پر جیسے کلیاں سی چٹک اٹھی تھیں۔ وہ اب قدرے پُرسکون تھی۔

"اگر تراب علی سے ملاقات ہوجاتی تو بہتر تھا۔"

"میں دو باتوں کے لیے آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ ایک تو یہ کہ 'جیت' کا دفتر پانچویں فلور پر عین اسی آفس کے اوپر ہے اور یہ چوتھی منزل ہے' دوسری یہ کہ آپ گرمی و تھکن سے اتنی نڈھال نظر آرہی تھیں کہ مجھے آپ کو الٹے پیروں لوٹانا مناسب محسوس نہ ہوا۔"

"کک..... کیا..... اوہ میرے اللہ..... میں معذرت خواہ ہوں۔"

"معذرت تو مجھے کرنی چاہیے..... میں کبھی آپ کا اتنا وقت ضائع نہ کرتا اگر صد فیصد کنفرم نہ ہوتا کہ روزنامہ جیت میں آپ کی مطلوبہ اسامی پر ہوگئی ہے۔" وہ کسی ناگوار ردعمل کی توقع کر رہے تھے مگر حمیدہ کے چہرے پر مایوسی کے تاریک سائے لہرائے تو وہ بنا کچھ کہے' بہت کچھ جانچ گئے۔ ان کے چہرے پر مایوسی ہی نہیں' شکستگی بھی در آئی تھی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اگر آپ برا نہ منائیں تو یہ سی وی میرے پاس چھوڑ جائیں۔ یقیناً میں جلد ہی کوئی اچھی خبر آپ کو سنا سکتا ہوں۔" اگرچہ حمیدہ کو امید کم تھی مگر اجنبی کا لہجہ پُریقین تھا سو اس نے حرج نہ سمجھا۔

"مجھے سعد بن مصطفیٰ ہمدانی کہتے ہیں' اس ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا آنر ہوں۔"

"حمیدہ نورالدین....." وہ کہہ کر تھکے ہوئے قدموں سے لوٹ گئی۔ اب دن تو بے مصرف ہو ہی گیا تھا' سو اس نے وہیں سے ثمینہ کے گھر جانے والی بس پکڑی..... قدرے پوش علاقہ کے اس سادہ سے گھر میں آ کر وہ ہمیشہ سکون محسوس کرتی تھیں مگر آج وہاں کا ماحول خاصا گمبھیر تھا۔ ثمینہ کی امی سبزی بناتے ہوئے اسے مسلسل سخت سست سنا رہی تھیں۔

"اوہو امی..... اب خاموش بھی ہوجائیں' بس میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔" حمیدہ پر نظر پڑتے ہی ثمینہ نے ماحول کی تلخی کم کرنا چاہی مگر اس کی امی کا رخ اب حمیدہ کی جانب ہوگیا۔

Digitized by Google

"تم ہی سمجھاؤ بیٹی..... یہ پہاڑ جیسی زندگی یوں ہی کیسے گزرے گی۔ یہ خوش قسمت ہے جو ایک آدھ بھولا بھٹکا رشتہ آجاتا ہے ورنہ آج کل اچھی بھلی کنواری لڑکیوں کو کوئی نہیں پوچھتا..... یہ تو پھر مطلقہ ہے۔ آج میں ہوں کل نہ رہی تو بھاوجیں چٹیا پکڑ کر باہر نکال دیں گی۔"

"امی آپ ہر معاملے کا برا پہلو کیوں دیکھتی ہیں۔" ثمینہ چڑ گئی۔

"میں کسی پر بوجھ نہیں ہوں..... تعلیم یافتہ ہوں اپنا بوجھ اٹھا سکتی ہوں۔"

"ارے میرے سر پر جو تیری دو کنواری بہنوں کا بوجھ ہے تیرا فرض ادا کردوں تو ان کا بھی سوچوں۔"

"میں نے ان کی شادی سے کب روکا ہے مگر میری شادی کا نام بھی نہ لیا کریں۔" ثمینہ کا لہجہ اٹل تھا اس کی امی اکتا کر سبزی سمیٹ کر اٹھ گئیں۔

"شاید اس موضوع پر چخ چخ ہر گھر میں چلتی ہے۔" حمیدہ مسکرادی۔ ثمینہ نے ایک سرد آہ بھر کر سر صوفے کی پشت سے لگالیا۔

"بس اب کسی پر اعتبار کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"امید پر دنیا قائم ہے۔ کسی ایک مرد کی نااہلی پر ہر مرد کو ناقابل اعتبار قرار دے دینا ناانصافی ہے۔"

"بس شروع ہوگئی نصیحتیں....." ثمینہ نے اسے گھورا۔

"یہ بتاؤ کہاں سے آرہی ہو؟" جواباً حمیدہ نے آج کی روداد اسے سنائی تو وہ ہنس دی۔

"یہ اشتہارات وغیرہ تو سب ڈھکوسلہ ہوتے ہیں اچھی نوکری کے لیے سفارش کام آتی ہے یا پیسہ۔"

"ہاں اور بدقسمتی سے یہ دونوں چیزیں میرے پاس نہیں ہیں۔" حمیدہ پل بھر کو آزردہ ہوئی پھر سعد بن مصطفیٰ ہمدانی کی چھا جانے والی شخصیت کی تعریف کرنے لگی۔

"میں نے اپنی زندگی میں کسی مرد کے اتنے خوب صورت ہاتھ نہیں دیکھے۔"

"سچ تو یہ ہے کہ تم نے زندگی میں مرد ہی نہیں دیکھے۔"

"ہاں اتنے غور سے تو واقعی نہیں دیکھے سنا ہے ایسے ہاتھوں کو اللہ بہت نوازتا ہے مگر ان ہاتھوں میں ٹھہرتا کچھ نہیں ہے۔"

"تمہیں نوکری دے دی یا دلادی تو روز دیکھنا وہ ہاتھ۔" ثمینہ نے مذاقاً کہا مگر وہ اداس ہوگئی۔

"گھر سے نکل کر نوکری کرنا میرا مقصد کبھی نہیں رہا نہ ہی میں نے اس لیے تعلیم حاصل کی تھی لیکن اگر میں اپنے خوابوں کی طرف دیکھوں تو اس گھر کا شیرازہ بکھر جائے گا۔"

"ناپسندیدہ اور مشکل حالات میں گزارا کرنا صبر ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

"سنا تھا وقت کیسا بھی ہو بدلتا ضرور ہے مگر اس مقام پر آکر جیسے زندگی ٹھہر سی گئی ہے۔"

"زندگی ٹھہر گئی ہے تو تم ہی حرکت میں آجاؤ۔"

"ہاں دل تو بہت چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے کہیں دور چلی جاؤں..... زندگی نے اتنا دوڑایا نہیں جتنا تھکا دیا ہے۔ اب دل شدت سے کسی سکھ کی چھاؤں کا طلب گار ہے۔"

"جس طرح انسان کے باہر ایک دنیا ہوتی ہے اسی طرح اس کے اندر ایک دنیا ہوتی ہے وہ دنیا اس کی من پسند ہوتی ہے جہاں بس اس کے خواب ہوتے ہیں اور خواہشیں..... اس اندر کی دنیا کو وہ اپنی مرضی سے آباد کرتا ہے اور میرے اندر کی دنیا میں۔" حمیدہ مسکرائی اور آنکھیں موند لیں۔ "میرا من چاہا جیون ساتھی ایک چھوٹا سا گھر ایک پُرسکون زندگی جس میں یہ روزگار کے جھمیلے بک بک جھک جھک نہ ہو بس میں ہوں وہ ہو اور....." جیسے کسی دلکش خواب کا طلسم ٹوٹا تھا۔

"تمہارا بھی وہی حال ہے انڈے بچوں گی چوزے نکلیں گے....."

"ہاں..... سچ کہتی ہو..... میرے خواب مجھے زندگی سے بھٹکا دیتے ہیں۔ پتا نہیں کیوں دل کسی ڈرائیور ہیڈ ماسٹر یا کریانے والے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا..... اگرچہ ان حالات میں یہ بھی غنیمت ہے اماں کہتی ہیں یہ چار

حروف پڑھنے کا حساس ہے۔ پتا نہیں کیوں مگر مجھے ہمیشہ سے لگتا ہے کہیں کوئی ہے جو میرا من پسند اور صرف میرے لیے ہے..... میں شادی کے نام پر کسی کو بھی اپنالوں..... پھر اسے اپنے آئیڈیل کے سانچے میں ڈھالوں..... اس سے بہتر ہے کہ میں اپنا آئیڈیل ہی تلاش کروں۔ سعد بن مصطفیٰ جیسے میرے خوابوں کا عکس تھے میں لوٹ تو آئی مگر لگتا ہے اپنا آپ وہیں بھول آئی ہوں۔"

"جانے بھی دو یہ مرد باہر سے جتنے خوش وضع اور مہذب نظر آتے ہیں اندر سے اتنے ہی دھوکے باز ہوتے ہیں۔"

"پھر وہی باتیں.....؟" حمیدہ نے گھورا۔

"اگر کوئی اچھا رشتہ ہے تو اس پر غور ضرور کرو..... تمہاری امی کی باتیں تلخ سہی مگر سچ ہی ہیں۔"

"کاش کہ میں تمہیں اپنا دل کھول کر دکھا سکتی۔ ابھی پرانا گھاؤ نہیں بھرا..... کسی نئے زخم کے لیے دل آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ کہتا تھا وہ سب سنبھال لے گا کتنے وعدے کیے تھے جو وقت آنے پر بھربھری ریت ثابت ہوئے۔ بزدلوں کی طرح طلاق کا پرچا حق مہر کے چیک کے ساتھ بھیج دیا کہ مجھ میں اپنی فیملی سے ٹکرانے کی ہمت نہیں ہے ایسے لوگوں کو محبت کا دعویٰ کرنا ہی نہیں چاہیے۔"

"جانے بھی دو..... گئے وقتوں کی راکھ کریدنے سے بھلا کیا حاصل..... مستقبل کے بارے میں سوچو..... خالہ کی فکریں بجا ہیں۔"

"انہیں کسی ادھیڑ عمر رنڈوے کا رشتہ میسر آ گیا ہے۔" وہ تلخی سے ہنس دی۔ "طلاق کے لیبل نے میری قیمت کو اور گرا دیا ہے امی کہتی ہیں کہ جو ملے بس غنیمت ہے۔"

"وہ کچھ غلط تو نہیں کہتیں کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہوتا ہے۔"

"اور اپنے دل کا کیا کروں جو کسی طرح آمادہ نہیں۔"

"یہ صرف تمہارے اندر کی کثافت ہے تم ہر کسی کو ایک ہی نظر سے دیکھنے لگی ہو سچ پوچھو تو غلطی تمہاری بھی تھی۔ ایک شادی شدہ بال بچے دار آدمی سے رشتہ جوڑ بیٹھیں۔"

"یہ محبت کا خواب بڑا پُرفریب ہوتا ہے جب آنکھ کھلتی ہے تو سب کچھ لٹ گیا ہوتا ہے۔"

"تو اپنی غلطی کی سزا دوسروں کو کیوں دے رہی ہو اس طرح کسی کا کیا جاتا ہے نقصان تو تمہارا اپنا ہے ناں۔"

"سب سمجھتی ہوں مگر وہ وقت آنکھوں میں پھرتا ہے جب محبت کے سہارے کچھ دن گزارے تھے اس کی قربت کے کچھ دن..... یہ شادی شدہ مردوں کا ایک فریب ہوتا ہے اپنی مجبوریوں کے رونے رو کر..... ہم جیسی سادہ دل لڑکیوں پر جال ڈالنا جہاں زیب نے شادی تو کر لی مگر نبھا نہیں پایا..... اولاد والے مردوں پر بیویاں حاوی ہوتی ہیں..... مجھے یہ تب ہی سمجھ لینا چاہیے تھا..... خیر جانے دو۔" ثمینہ کے زخم ادھڑ گئے تھے سو حمیدہ نے بھی بات بدل دی تھی۔

❀.....❀.....❀

"حمیدہ..... آ گئی تو..... ذرا میری سوئی میں دھاگا تو ڈال دے۔"

"افوہ اماں..... ایک تو تم جہاں میری شکل دیکھی اور کام میرے ہاتھ میں پکڑایا اپنے ہاتھ کا کام چھوڑ دیا۔ ذرا سانس تو لینے دو۔"

"اچھا..... تو یہ بتا پھر کیا بنا تیرے کام کا؟"

"مجھ سے غلطی ہو گئی میں نچلے فلور چلی گئی جانا اوپر تھا۔ انہوں نے بتایا آسامی پڑھ گئی ہے خیر وعدہ تو کیا ہے میرے لیے کوئی جاب ڈھونڈ دیں گے دیکھتے ہیں وعدہ وفا ہوتا ہے کہ نہیں؟"

"کیا پتا سچ ہی کہہ رہا ہو..... سچ مچ کوئی کام ڈھونڈ دے تجھے۔" ان کی آنکھوں میں امید کے جگنو جھلملانے لگے۔

"اماں ایسے آسرے تو سب ہی دیتے ہیں بھلا کون یاد رکھتا ہے ہم غریبوں کو۔ ان پر تکیہ کر کے بیٹھ جانا بے وقوفی ہی ہے۔ لو یہ چپل پھر ٹوٹ گئی گلی میں چپل جوڑنے والا آئے تو ذرا جڑوا دینا۔"

"اے حمیدہ..... کتنی بار مرمت کروائے گی اری

Digitized by Google

پھینک ان منحوس جوتیوں کو نئی خرید لے۔"

"اماں..... چار پانچ سو سے کیا کم میں آئے گی ہر مہینے سوچتی ہوں سب کچھ ہو جاتا ہے چپل رہ جاتی ہے ابھی کتنے خرچے باقی ہیں۔"

"حمیدہ تو کب تک اس گھر کے لیے پستی رہے گی تجھے بخار ہو جائے تو ڈاکٹر کے پاس نہیں جاتی دو روپے کی گولی لے کے کھالیتی ہے۔ ارے اپنی زندگی کے بارے میں سوچ شادی کر گھر بسا تب ہی تیرے باپ بھائی سدھریں گے۔"

"ارے کیا دیوار سے کرلوں شادی..... تم جو شادی شادی کی رٹ لگائے رکھتی ہو کبھی سوچا اس گھر کا کیا بنے گا؟"

"ہمارا اللہ مالک ہے حمیدہ..... اب بھی وقت ہے سوچ لے عمر نکل گئی تو سر پر ہاتھ رکھ کر روئے گی۔ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا۔" اماں چاہتی تھیں اسے بالے کی طرف لے کر آئیں مگر وہ چڑ گئی۔

"اور اس گھر کی گاڑی کیسے چلے گی؟ یہ تو بتاؤ....."

"تیرے ابا اور بھائی پر جب پڑے گی تو کرلیں گے کچھ نہ کچھ۔"

"یہ پڑی پر کرنے والے ہوتے تو اب بھی کچھ..... اچھا نہیں ہو رہا..... انہوں نے اب تک کچھ کیا ہے جو اب کریں گے سوائے باتیں بنانے کے آتا ہی کیا ہے؟"

"لگی مفت کے لقمے لگے ہیں اور میرا کیا ہے میری بی سی کھل جائے..... آدھا مکان کر کے ایک پورشن کرائے پر اٹھا دوں گی میرے لیے کافی ہے۔"

"ہاں اور ابا اور فہد تمہیں سکون سے کھانے دیں گے..... بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا جائیں گے تمہاری۔"

"کہتی تو تو ٹھیک ہے حمیدہ۔ پر دیکھ اپنے گھر کی گاڑی چلانے کو میں تجھے ساری زندگی تو نہیں بٹھا سکتی ناں۔"

"اف اماں..... تم نے بھی آتے ہی کان کھانے شروع کر دیے۔ اف گرمی سے برا حال ہو گیا..... کسی نے پانی تک کو نہ پوچھا۔" گلی میں قلفی والے کی گھنٹی بج رہی تھی۔

"ارے ہاں..... کولر میں برف تو ہے نہیں۔ ٹھہر میں تجھے قلفی منگوا کے دیتی ہوں۔" اماں نے پلو سے پیسے نکال کر دروازے کا رخ کیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

اس دن علی اصبح بالے کی بڑی بہن نفیسہ چلی آئیں اخلاقیات سے تو عاری تھیں لہٰذا آتے ہی مدعا عرض کر دیا۔

"حمیدہ سے بیٹی کے داخلہ فارم بھروانے ہیں میں نے سوچا ابھی تو گھر میں ہوگی۔" وہ پھیل کر اماں کے پاس تخت پر بیٹھ گئیں۔

حمیدہ کچن میں تھی..... ایک ناپسندیدہ نظر بھاری تن و توش پر کسے ہوئے لباس اور بے تحاشا گرمی میں غازہ سے اٹے چہرے پر ڈالی۔

"کیوں نہیں نفیسہ..... ضرور بھر دے گی۔" حمیدہ کے بجائے اماں نے جواب دیا خلاف مزاج ان کے لہجے میں مٹھاس گھل گئی تھی۔

"انگریزی کے فارم ہیں ناں خالہ..... کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ ہزاروں روپے خرچ ہوتے ہیں شہر کے بڑے کالج میں داخلہ دلوایا ہے۔"

"تو بی بی تمہیں سوجھی بھی کیا اپنے علاقے میں اسکول کالج نہیں ہیں کیا؟"

"توبہ کریں خالہ توبہ..... ہمارے علاقے کے گھٹیا کالج کوئی پڑھنے کے لیے کھلے ہیں؟ موئی ساری آوارہ بدکردار لڑکیاں پڑھتی ہیں یہاں۔" انہوں نے غرور و تفاخر سے گردن اکڑا اکڑا کر نازیبا و بے تکی بات کہی کہ حمیدہ تلملا کر کچن سے نکل آئی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا..... علاقے کے کالجوں میں پڑھنے والی لڑکیاں گھٹیا کردار کی ہیں؟"

"اے تو اور کیا..... اپنی گناہ گار آنکھوں سے دیکھتی ہوں ان کالج کی لڑکیوں کو کالج کے بہانے ادھر ادھر تفریح کرتے۔ ملاقاتوں کے لیے جاتے ہوئے۔"

"آپا نفیسہ کردار کالج سے مشروط نہیں ہو سکتا اچھے برے لوگ تو کسی بھی جگہ ہو سکتے ہیں۔" حمیدہ نے خون

Digitized by Google

کے گھونٹ بھر کے کہا۔ مروت نہ ہوتی تو اتنا ضرور جتاتیں کہ انہوں نے کون سی کالج کی شکل دیکھی ہے جو یہ دعویٰ کررہی ہیں..... سارے علاقے میں تینوں بہنیں اپنی بد زبانیوں بدمزاجی اور اوچھے وتیروں کے سبب مشہور تھیں اور یہ نفیسہ آپا بھی کون سی کھرے کردار کی تھیں' چودہ پندرہ برس کی عمر میں گھر کی عزت کو بٹا لگا کر کسی کے ساتھ فرار ہوگئی تھیں۔ جب سالوں بعد لوٹیں تو شوہر کے مظالم' پھر بے وفائی کا غم اور تین بچے ان کے ہمراہ تھے' اپنے اوپر توڑے گئے ظلم وستم کی کہانیاں گھر گھر سناتی پھرتی تھیں۔

"اے بی بی..... جاؤ جاؤ..... میرا منہ نہ کھلواؤ' زمانہ خراب ہے' مجھے کیا پتا نہیں کہ کالج کے سامنے مرد کھڑے رہتے ہیں' تم مجھے جانتی نہیں' میں اپنی بات سے ہٹنے والی عورت نہیں ہوں۔"

"آپ سراسر غلط بات کررہی ہیں' کالج کے سامنے کھڑے مرد لڑکیوں کے باپ بھائی بھی ہوسکتے ہیں۔" نفیسہ آپا کی تعلیم صفر تھی' دماغ میں بھوسا بھرا ہوا تھا جو کہہ دیتیں اس پر اڑ جاتیں۔ اماں نے جو معاملہ گمبھیر ہوتا پایا تو حمیدہ کو تنبیہی نظروں سے گھورا پھر بات کا رخ پلٹ دیا۔

"جانے بھی دو نفیسہ' تم اپنے گھر کی سناؤ اپنے بالے کی شادی کب تک کرنے کا ارادہ ہے؟" اماں کی گھورتی نظروں پر حمیدہ پلٹ گئی۔

"ارے خالہ..... بالے کو بیٹی دے گا کون؟" اس نے اپنے بھائی کا خود ہی مضحکہ اڑایا۔ "آمدنی لاکھوں کی ہے مگر گھر میں ڈھنگ کا برتن تک نہیں۔ دیواریں بغیر پلستر کی..... سارے گھر پر ہماری اس کنواری بہن کا راج چلتا ہے جسے عقل تمیز نام کو نہیں' زبان گز بھر کی ہے۔" اپنی اس بہن سے نفیسہ بھی خار کھاتی تھیں' اسی کی بدولت میکہ میں ان کے پیر نہ جم پاتے' بہانے بنا کر باہر کھڑا کردیتی۔

"یہ تو تم ٹھیک کہتی ہو..... صورت نہ شکل اور مزاج ایسے کہ کبھی بھولے بھٹکے چلے ہی جاؤ تو اسے سلام دعا تک نصیب نہیں ہوتا' مجھے دیکھ کے کسی کونے کھانچے میں چھپ جاتی ہے پتا نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے؟"

naeyufaq.com

مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ نئے افق کراچی

لفظ لفظ ہنگامے سطر سطر تجسس سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی

مغربی ادب سے انتخاب
جرم وسزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت ترجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں (03008264242)
Info@naeyufaq.com
(021)35620771/2
0300-8264242

"سچ کہتی ہو خالہ دماغ بڑے اونچے پائے ہیں کسی کو خاطر میں نہیں لاتی۔"

"ایسے کوئی سرخاب کے پر لگے نظر تو نہیں آتے میں تو کہتی ہوں اب اس کی بھی شادی ہو ہی جانی چاہیے تاکہ دوسروں کی بھی باری آئے۔" وہ سہولت سے اسے مطلب تک لائیں۔

"اس کے معیار پر کوئی پورا اترے تب ناں اور اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو اس کے مزاج اور بدزبانی کی وجہ سے کوئی رشتہ پھٹکتا بھی کب ہے۔ اس کے ہوتے بھاوج آ گئی تو چار دن میں چٹیا پکڑ کر باہر نکال دے گی۔ خیر جانے دو اس لڑکی کا رشتہ کروا دو منہ مانگا معاوضہ ملے گا ایک کا باپ دل کا مریض ہے جانے کب مر جائے۔ بڑھیا جہیز دیں گے..... لڑکی کے نام پورا چھ لاکھ بینک میں جمع ہے۔" اماں کے منہ میں پانی بھر آیا جب چھ لاکھ جہیز کا رکھا ہے تو رشتہ کرانے والی کو تو دوگنا معاوضہ دیں گے..... سمجھو وارے نیارے۔ وہ اسی وقت نفیسہ کے ساتھ چلنے کو راضی ہو گئیں مگر ابھی حمیدہ موجود تھی، جنہیں اماں کے یہ دھندے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ رشتوں کی جوڑ توڑ میں اکثر ہیرا پھیری کر جاتیں۔ انہوں نے اب بھی نفیسہ کو خاموشی کا اشارہ کیا اور پان بنانے لگیں۔ اندرونی کمرے میں حمیدہ دفتر جانے کی تیاری کر رہی تھی، اماں ادھر ادھر کی باتیں کر کے وقت گزارنے لگیں۔

"میری مانو تو اب بالے کی شادی کر ہی دو..... کوئی اچھی لڑکی آئے گی تو گھر کا بگڑا نظام سدھر جائے گا۔ گھر بنانا اور چلانا عورت کا ہی کام ہوتا ہے۔" انہوں نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"نا خالہ..... جو سچ پوچھو تو ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے..... بالے کی آمدنی پر پورا گھر چلتا ہے اگر بیوی آ گئی تو سب کچھ اپنے ہاتھ میں لے لے گی پھر دوسروں کا کیا بنے گا؟ اور بالے کے کرتوت ایسے کب ہیں جو کوئی اسے رشتہ دے۔"

"اے بی بی! ذرا سوچ سمجھ کے بولا کرو..... بھائی ہے آخر تمہارا۔"

"جانے بھی دو خالہ جیسا میکہ ہے ناں میرا اس سے تو میں لاوارث بھلی۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔ نفیسہ کے سدھارتے ہی اماں حمیدہ پر چڑھ دوڑیں۔

"کیا ضرورت تھی تجھے بالے کی بہن سے زبان چلانے کی، یہی تو مزاج ہیں تیرے چار حرف پڑھ کر دماغ آسمان کو پہنچ گئے ہیں تب ہی تو کوئی منہ نہیں لگاتا، آسمان سے شہزادہ اترے گا تیرے لیے؟ آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنی شکل دیکھ۔ گال لٹک رہے ہیں، صورت پر پھٹکار....." انہیں بالے کی بہن کے سامنے منہ کھولنے کا رنج تھا، وہ بے حسی سے سنتی رہی۔ ان کی سوچ، جس نہج پر سفر کر رہی تھی، وہاں حمیدہ کا گمان تک نہ پہنچ سکتا تھا۔

اس دن حمیدہ گھر کو لوٹیں تو ایک نیا تماشا اس کا منتظر تھا، گھر میں کسی کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"اے بی بی تم تو میری آنکھوں میں گھسی چلی آ رہی ہو، میں کسی کے دل میں تو نہیں چھپی بیٹھی تھی۔ کسی کے اندر کی مجھے کیا خبر؟" اماں آنکھیں پھیرنے میں طوطے کو مات کیے دے رہی تھیں اور برقع پوش ادھیڑ عمر عورت لڑنے مرنے پر آمادہ تھی۔

"تمہیں سب خبر تھی، رشتہ طے کرواتے وقت تو بڑی تعریفیں کی تھیں کہ بچپن سے دیکھ رہی ہو تمہارے پرانے واقف کاروں کا بیٹا ہے..... تو تمہیں کیا کرتوت نہیں معلوم تھے؟ جان بوجھ کر میری بچی کو اندھے کنویں میں دھکیل دیا۔"

"اے بی بی..... ایسے کوئی جہنم نہیں بھگت رہی تمہاری بیٹی۔ گھروں میں تھوڑی بہت ناچاقیاں ہو ہی جاتی ہیں۔"

"تمہاری اپنی بیٹی کو بھگتنا پڑے تو پوچھوں..... وہ چرسی آوارہ ندیم بات بات پر میری بچی کو دھنک کے رکھ دیتا ہے۔" ان کا لہجہ گلوگیر ہوا۔

"تو یہ اس کے مقدر..... میں اپنی بیٹی کا کروں تو میں

Digitized by Google

نے اس کے مقدر نہیں پڑھ رکھے۔"

"تو کردیتیں ناں اپنی بیٹی کا..... کاہے کو گھٹنے سے لگا کر بٹھا رکھا ہے۔"

"اے لو..... کوئی میری بیٹی کو مانگے تو میں سوچوں..... مجھے رشتہ کرنے کو کہا..... میں نے کرا دیا۔" انہوں نے چشم پوشی کی انتہا کردی۔

"ہونہہ..... یوں کہو کمائی کھانے کے لیے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ بیٹی کی عمر نکلی جارہی ہے تمہیں خبر ہی نہیں' یوں کہو اپنا بڑھاپا کاٹنے کو تم حمیدہ کے سر میں دھوپ بھر رہی ہو۔" وہ طنز و تمسخر سے کہتی گھر سے نکلیں تو ان کا ٹکراؤ گھر میں گھستی حمیدہ سے ہوگیا' مگر وہ نکلتی چلی گئیں۔

"یہ کیسا شور تھا اماں؟" اور چونکہ حمیدہ کے اصول اماں کے مزاج سے میل نہیں کھاتے تھے سو وہ اپنے معاملات کی ہوا بھی انہیں نہ لگنے دیتی تھیں مگر بات حمیدہ کے کانوں میں پڑ ہی گئی تھی ناچار انہیں کہنا پڑا۔

"جانے بھی دو حمیدہ..... اس موئے کم بخت ندیم پر ان کا بس نہ چلا تو مجھ غریب کے کان اینٹھنے پہنچ گئیں۔ مجھے کیا پتا تھا وہ نامراد شادی کے بعد اور بگڑ جائے گا۔"

"ہائیں..... اس نکھٹو آوارہ چرسی ندیم کی شادی تم نے کروائی تھی اماں.....؟"

"اے بی بی آدمی برا ہو تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ اس کی شادی ہی نہ ہو بہت سے لوگ شادی کے بعد سدھر بھی جاتے ہیں۔"

"اماں..... اللہ سے ڈرو..... کیوں لوگوں کی بددعائیں سمیٹتی ہو۔ ندیم جیسے لوگوں کے اوصاف اگر کھل جائیں تو کون انہیں منہ لگائے۔"

"ارے رہنے دو..... اس وقت تو یہ بڑی اتاولی ہو رہی تھیں میرے ہاتھ پیر جوڑ رہی تھیں کہ کسی طرح ان کی بیٹی کا رشتہ طے کرادوں' ارے اگر وہ نشئی ہے تو ان کی بیٹی کون سا آسمان سے اتری حور ہے' ہونہہ بکری جیسی شکل کی۔ میری بیٹی کا طعنہ دیتی ہے' ایسا بڑھیا رشتہ دروازے پر موجود ہے اگر آج کہوں تو کل میرے دروازے پر بارات آجائے۔" انہوں نے موقع غنیمت جان کر بات حمیدہ کے کانوں میں انڈیلی مگر حمیدہ کی پیشانی پُرشکن ہوتی چلی گئی تھی۔

"ایسا کون سا اعلیٰ بڑھیا بر ہمارے دروازے تک آن پہنچا اور مجھے کانوں کان خبر نہیں۔"

"ارے وہ اپنا بالا اور کون؟" انہوں نے تخت پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے پاندان اپنی طرف کھسکایا۔ توقع کے عین مطابق حمیدہ بدک اٹھیں۔

"اماں..... سوچ سمجھ کے بولا کرو..... دماغ تو ٹھکانے پر ہے تمہارا۔" خشمگیں لہجے میں کہتے اس نے اپنی بھرپور ناراضی کا اظہار کیا۔

"اے لو بی بی..... اس میں اتنی لال پیلی ہونے والی کیا بات ہے..... بھلا اقبال کے رشتے میں کیا خرابی ہے؟" وہ یوں بولیں جیسے اس سے اعلیٰ بر تو حمیدہ کو مل ہی نہیں سکتا۔

"اماں..... میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی..... بس آئندہ میرے سامنے اس کا نام بھی مت لینا۔" وہ قطعیت سے کہہ کر اپنی چادر تہہ کرنے لگی مگر اماں آج دو دو ہاتھ کے موڈ میں تھیں۔

"یوں کہو..... چار پیسے کمانے کی وجہ سے تم ہم پر حاوی ہو اس لیے ہماری چلنے نہ دو گی۔" اماں ہواؤں سے لڑتی تھیں تو وہ تو پھر حمیدہ تھی۔

"یہ فضول باتیں سننے کا میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"تمہیں وقت کب نصیب ہوتا ہے؟ صاف کہو تمہیں کمائی کی مشین بنا رکھا ہے میں نے..... ساری زندگی سر پر بٹھا کر میں دنیا کے طعنے سمیٹتی رہوں کہ پیسے کے لالچ میں تمہارے سر میں دھوپ اتار دی میں نے۔"

"اماں..... دنیا کی پروا نہ کیا کرو۔" ان کے ٹوٹتے لہجے میں اپنی شکست کا اعتراف تھا۔

"تو کیا کروں..... کانوں میں روئی ٹھونس لوں..... دنیا قبر کا حال نہیں دیکھتی..... اپنی ہی کہتی ہے' کس کس سے کہوں کہ مدت ہوئی تیرے لیے کوئی رشتہ آئے ہوئے

Digitized by Google

اور اگر آ بھی جائے تو کس بل بوتے پر سر کاؤں گی تیرا پہاڑ جیسا بوجھ، ہر کوئی حسین، کم عمر لڑکی کی تلاش کرتا ہے اور ساتھ میں من بھر جہیز کی تمنا، اپنے ہاتھوں سے دس رشتے کرواتی ہوں مگر تیرے نصیب پر لگی مہر نہیں توڑ سکتی، حمیدہ اب بھی سوچ لے ایسے موقعے بار بار نہیں ملتے، اقبال کا رشتہ قبول کر لے ورنہ باقی زندگی سر پکڑ کر روئے گی۔"

"اماں...... جب رونا ہی مقدر ٹھہرا تو ایک ہی غم پال کر کیوں نہ رو لیا جائے۔" حمیدہ قائل ضرور ہوئی مگر آمادہ نہ ہو سکی۔ "اور پھر تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ گھر میں دھیلا بھی نہیں پھر کیسے بیاہو گی مجھے؟"

"لے ہے...... تو ہامی تو بھر، بالا شادی کا سارا خرچا اٹھا لے گا اور منہ مانگا مہر بھی لکھ کر دینے کو تیار ہے۔" جذبات میں ان کے منہ سے سچ نکل گیا۔

"اور تمہارا کیا خیال ہے اس کے بعد میں سر اٹھا کے جی سکوں گی؟" یہیں آ کر تو حمیدہ کے اصول دوسروں سے ٹکرا جاتے...... اماں جھلا اٹھیں۔

"ارے تو کہاں سے آئے گا تمہارے لیے نادر و نایاب بر...... تیری عمر گزر رہی ہے، شکل و صورت پر بھی بڑھاپا برسنے لگے گا۔ دو چار برس اور گزر گئے تو کون بیاہے گا؟" اماں نے بے حسی کی انتہا کر دی، ماں ہو کر بھی بیٹی کی دل آزاری کا خیال نہ کیا۔

"تو بیاہنا کوئی زندہ رہنے کی شرط تو نہیں ہے۔ بہت سے لوگ بن بیاہے بھی جیتے ہیں۔" حمیدہ دل پر بوجھ لے کر کچن میں گھس گئیں، ہمیشہ کی طرح کچن بکھرا پڑا تھا اور گھر کی حالت ابتر تھی۔

"اور اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گی میں؟ کبھی یہ بھی سوچا ہے۔"

"اللہ اپنے بندوں کی مجبوریوں سے غافل تو نہیں ہے اماں۔" حمیدہ کا یہ ٹھوس یقین انہیں ہمیشہ لاجواب کر دیا کرتا تھا اب بھی وہ کھولتی ہوئی پاندان میں سٹر پٹر کرنے لگیں۔

"آج کل اچھے رشتے مقدر سے ملتے ہیں انسان کو اپنا معیار کم تر رکھنا چاہیے...... بالے کے لیے سوچنا ضرور حمیدہ، سونے میں تول دے گا، اس کے ٹرک چلتے ہیں ٹرک۔"

"ہواؤں پر چلتے ہیں کیا؟ ہر وقت تو وہ یہاں وہاں تاش کی بازیاں لگائے نظر آتا ہے۔"

"اے تو کام کریں اس کے دشمن...... ملازموں کی فوج ہے فوج۔"

"اور وہ جو آئے روز جیل کی ہوا کھایا کرتا ہے؟"

"صرف ہوا کھائی ہے ناں...... کبھی کوئی جرم ثابت تو نہیں ہوا اس پر۔ دیکھ حمیدہ اس جہاں میں مکمل کوئی بھی نہیں ہوتا...... پیسہ بہت سے عیب ڈھانپ لیتا ہے، آدمی کو بدلنا عورت کا کام ہے اور بہت سے مرد شادی کے بعد سدھر بھی جاتے ہیں۔"

"تم کچھ بھی کہو اماں، میں ہرگز اس بے ڈھنگے سانڈ سے شادی نہیں کروں گی۔" حمیدہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے برتن پٹخنے شروع کر دیے۔

"ساری دنیا میں میرے لیے ایک وہی بچا تھا، نکما، آوارہ، چرسی نہ ہو تو...... اوپر سے شکل ایسی کہ میں کبھی تھوکوں بھی نہیں۔ کان کھول کر سن لو آئندہ اس خبیث مردود کا نام بھی نہ لینا...... کتے کی نسل......" اس کا پارہ ہمیشہ کی طرح آسمان پر پہنچ گیا مگر نہ یہ اماں جانتی تھیں نہ حمیدہ کہ دروازے کے اس پار اقبال عرف بالے نے حمیدہ کی ساری شعلہ بیانی من و عن سن لی تھی اور اب تک کی آس و امید پر ایک نیا جذبہ حاوی ہوتا چلا گیا...... انتقام کا جذبہ۔

......❀......❀......

حمیدہ کو خوب اندازہ تھا اچھی نوکری کا حصول اتنا سہل نہیں۔ دعوے وعدے تو سب ہی کر لیا کرتے ہیں، اس اجنبی سے بھلا کون سا ایسا رشتہ تھا۔ سو اس نے زیادہ امید نہ رکھی، مزید اشتہارات کے لیے آئندہ اتوار کا انتظار کرنے لگیں مگر ایک تصور بار بار ان کے سامنے آن کھڑا ہوتا اور وہ بار بار سر جھٹک دیتی۔ وہی تصور پھر ان کے خواب و خیال پر حاوی ہونے لگتا۔ سعد بن مصطفیٰ ہمدانی، شخصیت اتنی ہی سحر انگیز تھی۔ میچیور مہذب وہ لاکھ بھلانے پر بھی نہ بھول

Digitized by Google

پار ہی تھیں اور پھر ان کی کال حمیدہ کی توقعات سے بھی پہلے آ گئی۔ کسی دفتر میں لیڈی آفس کلرک کی اسامی تھی۔ معقول مشاہرہ تھا دیگر سہولیات تھیں انہیں اور کیا درکار تھا سو وہ اگلے ہی دن پہنچ گئی۔ اس کے اندر دھکڑ پکڑ چل رہی تھی مگر لگتا تھا سارے معاملات بالا ہی بالا طے کیے گئے ہیں۔ سعد بن مصطفیٰ کے دوست کا آفس تھا' سفارش مضبوط تھی جلد ہی حمیدہ کو تقرر نامہ مل گیا تھا۔

شاید تقدیر جب دو انسانوں کی راہ ایک کرتی ہے تو حیلوں بہانوں سے انہیں ٹکرا بھی دیتی ہے' حمیدہ نے کب سوچا تھا کہ ان کی معمولی سی غلطی ان کی آئندہ زندگی کی خوشگواریت کا پیش خیمہ بن جائے گی اور اسے پہلی بار دیکھ کر سعد بن مصطفیٰ کے بھی وہم و گمان میں کب تھا کہ بظاہر عام سی نظر آنے والی لڑکی ان کی زندگی کا ڈھب بدل دے گی۔ حمیدہ نے جوائن کرتے ہی سعد بن مصطفیٰ کو شکریہ کی کال کی اور انہوں نے سہولت سے کہا۔

"ہر کام اللہ کے حکم سے ہوتا ہے' انسان تو بس وسیلہ ہے۔" وسیلے کے لیے بھی وہ اپنے پسندیدہ بندوں کو چنتا ہے۔" حمیدہ نے نرمی سے کہا۔ "جو بندے کا شکر گزار نہ ہو وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔" سعد لاجواب سے ہو گئے۔ کتنا توکل' صبر و شکر تھا اس لڑکی کے لہجے میں پھر انہیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ ایک اجنبی سی اپنائیت و مٹھاس تھی حمیدہ کے لہجے و لفظوں میں۔ انہیں لگا ان کے اندر دھیرے دھیرے کچھ پگھل رہا ہے' بیلنس ختم ہونے کی سپ ہوئی تو حمیدہ چونکیں۔

"معذرت چاہوں گی' کافی وقت لیا آپ کا۔"

"ارے نہیں..... آپ تو بہت دل کو چھو جانے والی شخصیت ہیں..... سچ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔" وہ بے اختیار کہہ گئے۔

"جی.....!" حمیدہ حیران رہ گئیں' سعد بن مصطفیٰ جیسے بھرپور وجیہہ اور چھا جانے والے مرد کی جانب سے تعریفی جملہ سن کر اس کے اندر دھکڑ پکڑ سی مچ گئی تھی۔

"جی ہاں..... آپ کو صرف ایک بار دیکھ کر بھی میں آپ کو بھول نہیں پایا' آپ کی شخصیت ہی ایسی دل کو چھو جانے والی ہے۔" کال ڈراپ کر دینے کے بعد بھی وہی جملہ حمیدہ کے آس پاس گونجتا رہا تھا۔

"آپ کی شخصیت ہی ایسی دل کو چھو جانے والی ہے۔"

اگلے روز آفس جاتے ہوئے حمیدہ نے آئینہ میں اپنا بھرپور جائزہ لیا تھا۔ کوئی ایسی خاص دلکشی' جاذبیت تو نہ تھی' اس کے چہرے یا سراپے میں۔ گندمی رنگت' عام سے خدوخال مناسب جسامت..... بس کسی کے کہنے پر کچھ توجہ کے سبب نکھار ضرور آ گیا تھا۔ آفس جاب کا تقاضا بھی تھا۔ اس نے کچھ جوڑے نئے سلوا لیے تھے۔ شاید ثمینہ ٹھیک ہی کہتی ہے' یہ دنیا گھر سے باہر نکلنے والی لڑکیوں کو کیش کرنے پر تلی رہتی ہے۔ شاید ہم جیسی لڑکیوں کو صرف وقت گزاری کا مصرف سمجھتے ہیں۔ اس نے سوچا اور پھر سر جھٹک کر رہ گئی مگر اندر کوئی اس سوچ سے انکاری تھا۔ بس ایک جملہ جیسے آس پاس گونج رہا تھا۔

"آپ تو بہت دل کو چھو جانے والی شخصیت ہیں....."

اس نے ایک بار پھر سر جھٹک دیا۔ بھلا اس کی زندگی میں خود اپنے لیے گنجائش کہاں تھی مگر حمیدہ نہیں جانتی تھی' کچھ جذبے خودرو ہوتے ہیں' بنا آبیاری کے ہی پلتے پنپتے چلے جاتے ہیں۔

حمیدہ اور سعد بن مصطفیٰ ہمدانی کے معاملہ میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

www.naeyufaq.com

Digitized by Google

ذرا سی بات

مہتاب خان

یہ دن اس کی زندگی کا ایک اہم دن تھا اور یقیناً اس کے لیے بھی ہوگا۔ اس نے سوچا تھا...... وہ دن جب دو افراد شعوری طور پر ایک نئی دنیا میں قدم رکھتے ہیں یعنی شادی کا دن ویسے یہ شادی بھی نہیں تھی صرف نکاح تھا لیکن پھر بھی ایک بڑی تبدیلی ان کی زندگی میں آنے والی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ایک اٹوٹ بندھن میں بندھنے والے تھے۔

وہ علیزہ احمد سے علیزہ اسد ہونے والی تھی۔ کتنی بڑی تبدیلی اس کی سیدھی سادی اور خوش و خرم زندگی میں اچانک آنے والی تھی یا اسے زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ کہنے کو تو وہ اس کا چچازاد تھا مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے اسد کو صرف بچپن میں دیکھا تھا، اس کی ایک وجہ اس کے چچا کی دوسرے شہر میں رہائش تھی۔ چند سال پہلے جب وہ اپنی فیملی کے ساتھ چچا کے گھر گئی تھی تو اسد اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک سے باہر گیا ہوا تھا پھر پاکستان آنے کے بعد ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہوگیا تھا۔ جب اس کے والدین نے اس کی شادی کا فیصلہ کیا تو خاندان بھر میں کھلبلی مچ گئی تھی کہ دیکھیں قرعہ فال کس کے نام نکلتا ہے۔

چچا جان نے جب اسد سے اس کی مرضی معلوم کی تو اس نے ساری ذمہ داری ماں باپ پر ہی ڈال دی اور یہ کہہ کر اپنی جان چھڑالی کہ آپ جو بہتر سمجھیں کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں اور یوں قرعہ فال علیزہ کے نام نکلا تھا جو اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ خاندان بھر میں سب سے چھوٹی تھی اور حال ہی میں انٹر کے امتحانات سے فارغ ہوئی تھی۔ جیسے ہی اسے پتا چلا اس نے ایک واویلا مچا دیا تھا کہ مجھے ابھی آگے پڑھنا ہے شادی نہیں کرنی مگر کسی نے اس کی ایک نہیں سنی لیکن وہ اس بات پر تیار ہوگئے تھے کہ فی الحال نکاح کر دیا جائے اور رخصتی کے لیے دو سال کا وقت لے لیا جائے۔ یوں بھی علیزہ کی بڑی بہن کی شادی حال ہی میں ہوئی تھی یوں اتنا خرچ فوری طور پر کرنا اس گھرانے کے لیے ممکن نہیں تھا۔ بہرحال بڑوں میں صلح مشورے کے بعد یہ طے پا گیا تھا کہ فی الحال نکاح کر دیا جائے، اس نے اسد کی تصویر دیکھی ضرور تھی اور اس کی تعریفیں بھی بہت سنی تھیں مگر اسد کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے وہ نہیں جان پائی تھی۔ ویسے تو خاندان بھر میں علیزہ کی خوب صورتی کے چرچے تھے، بچپن کی کچھ دھندلی یادیں تھیں اور بس گفتگو اور ملاقات تو دور کی بات ہے اس زمانے میں یہ ایک انوکھی شادی تھی جس میں ان دونوں نے بڑے ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں تھا۔

نکاح کا سنہرا جوڑا جو بے حد بھاری کام سے سجا ہوا تھا، اس کے دودھیا رنگ اور نازک وجود پر جچ رہا تھا۔ جھل مل کرتے لباس اور زیورات میں وہ آسمان سے اتری کوئی پری لگ رہی تھی۔ سنہرے روپہلے سینڈل پہن کر جب وہ بیوٹی پارلر سے نکلی اسی وقت اسے احساس ہوا کہ سینڈل اسے تنگ کرے گی، اس نے دبی آواز میں عاشی باجی سے کہا تو انہوں نے جھٹ کہا۔

"تمہیں کون سا پیدل چلنا ہے، یہاں سے شادی ہال تک گاڑی میں جاؤ گی اور وہاں بھی بیٹھنا ہی ہوگا تھوڑا برداشت کرلو۔" اسی لیے وہ چپ ہوگئی تھی۔

گاڑی سے شادی ہال تک تو خیر رہی مگر جب نکاح کے بعد اسے اسٹیج تک کا اچھا خاصا فاصلہ طے کرنا پڑا تو سینڈل نے اپنے جوہر دکھانے شروع کر دیے تھے۔

"بہت تکلیف ہو رہی ہے اس سینڈل سے۔" اس نے اپنی کزن سے جو اس کے ساتھ چل رہی تھی کہا تو

Digitized by Google

اس نے کچھ ایسی نظروں سے اسے گھورا کہ اسے چپ ہونا پڑا' اسٹیج تک پہنچتے پہنچتے اس کے پیروں کا برا حال ہوگیا تھا اور تکلیف کی شدت سے اس کے لب بھنچ گئے تھے۔ اسد کو چھوڑ چھاڑ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی آگے بڑھی اور صوفے پر جا کر بیٹھ گئی' ندا نے بدحواس ہوکر اسے دیکھا اسد بھی اسے دیکھتا رہ گیا..... وہ اس کے نزدیک بیٹھی اسے سخت سست سنا رہی تھی۔

''جتنی تکلیف اس وقت میں سہہ رہی ہوں اتنی تمہیں ہوتی تو پوچھتی..... مگر یہاں کسی کو کیا احساس۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ اسی وقت اسد بھی اس کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا' ندا نے اسے اتنی زور سے چٹکی کاٹی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بھی اس نے پی لیے' بیٹھتے ہی اس کی پہلی کوشش یہی تھی کہ ان منحوس سینڈلوں سے جان چھڑا لے مگر اسی وقت مودی بننا شروع ہوگئی۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے ایک تکلیف دہ احساس کے ساتھ انتہائی بے زار صورت بنائے بیٹھی رہی۔ وہ جوں ہی ہاتھ نیچے لے جا کر سینڈل اتارنے کی کوشش کرتی مودی بنانے والا فوراً بول پڑتا۔

''پلیز اپنے ہاتھ اوپر رکھیے اپنے پرس کے اوپر۔'' اس کے کہتے ہی دولہا سمیت سب اس کی طرف متوجہ ہوجاتے۔ وہ جو اس کے پہلو میں بیٹھا تھا اسے دیکھنے کا اسے کتنا ارمان تھا مگر تکلیف کی شدت سے وہ اسے بھی یکسر بھلا بیٹھی تھی۔ اس کے خیرہ کن حسن سے مبہوت رہ گیا تھا اور کن اکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیسا گوتم بدھ بنا بیٹھا ہے۔'' اس نے بے حد ہینڈسم اسد کو ایک نظر دیکھ کر سوچا تھا اس کے ساتھ زندگی گزارنا نہ جانے کیسا تجربہ ہوگا۔

''بہنا کسی خوش فہمی میں نہ رہنا..... بظاہر کم گو نظر آنے والے بندے اندر سے بڑے گھنے ہوتے ہیں۔ تہہ در تہہ لپٹے ہوئے' تمہیں کھولتے جاؤ پتا ہی نہیں چلتا کہ اصل بندہ کس تہہ میں سے نکلے گا۔'' رات وہ سونے کے لیے لیٹی تھی تو ندا نے تکیے سے ٹیک لگائے اظہار خیال کیا۔ علیزہ کے چہرے پر خوف کے سائے لہرائے۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا..... تم تو اس سے پہلے بھی مل چکی تھیں ناں؟''

''اگر میں تمہیں پہلے بتا دیتی تو کیا تم انکار کردیتیں۔ اس وقت تو بھاگی جارہی تھیں اس کے ساتھ بیٹھنے کے لیے۔''

''میری مجبوری کا مذاق مت اڑاؤ..... بہت بری ہو تم۔'' علیزہ نے تکیہ اسے دے مارا جسے ندا نے کیچ کرلیا۔

''میں نے تمہارے لیے کیا نہیں کیا' مہینے بھر سے یہاں رہ رہی ہوں' بازار کے چکر لگا لگا کر پاگل ہوگئی ہوں۔''

''تو سینڈل بھی تم نے خریدی تھی جس نے میرا یہ حال کردیا۔'' اس نے اپنے زخمی پیر آگے بڑھائے۔

Digitized by Google

''توبہ ہے جو تمہاری رخصتی پر کچھ کروں..... کمینگی کی انتہا ہے۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

اسد اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا جب ارسل اس کے کمرے میں آیا۔

''اسد بھائی کیا کر رہے ہیں؟'' ارسل نے اسد کے کمرے میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں خیریت؟'' وہ اٹھ بیٹھا۔

''امی بلا رہی ہیں..... نکاح کی مووی آ گئی ہے سب دیکھ رہے ہیں۔''

''اچھا تم چلو میں آتا ہوں۔'' تھوڑی ہی دیر میں سب لاؤنج میں جمع ہو گئے تھے' اس کی بہن یمنیٰ چائے لے آئی تھی۔

''علیزہ بھابی کس قدر خوب صورت لگ رہی ہیں۔''

''میرا بیٹا بھی تو شہزادہ لگ رہا ہے۔'' اس کی امی نے کہا۔

''مگر بھابی کے چہرے کے تاثرات عجیب لگ رہے ہیں..... جیسے انہیں مار کر وہاں بٹھایا گیا ہو زبردستی.....'' ارسل نے کہا تو وہ بھی چونکا۔ اس نے بھی یہ بات نوٹ کی تھی۔ علیزہ کے چہرے کے تاثرات سے واقعی یہی لگ رہا تھا جیسے وہ بڑے ضبط کے ساتھ بیٹھی ہے۔

''امی کیا کسی نے اس شادی میں علیزہ کی مرضی معلوم کی تھی؟'' ارسل کی زبان پھسلی تو اسد صوفے پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو..... ماں باپ کا گھر چھوڑنے کے تصور سے لڑکیاں جذباتی ہو ہی جاتی ہیں..... دیکھو کس قدر پیاری لگ رہی ہے۔'' انہوں نے ارسل کو ڈانٹا اور پیار بھری نظروں سے علیزہ کو دیکھا کیمرے کی آنکھ اس وقت اسے کلوز اپ میں دکھا رہی تھی۔

''پیاری سے کب انکار ہے' بس تھوڑی بے چین سی لگ رہی ہیں..... کیوں بھائی جان کہیں آپ نے انہیں کچھ کہہ تو نہیں دیا تھا؟'' اس نے مدھم آواز میں اسد سے پوچھا۔ اسد نے نفی میں گردن ہلائی۔ علیزہ کی بے چینی کو اس دن اس نے بھی محسوس کیا تھا مگر اس پر زیادہ غور نہیں کیا مگر اب جو تاثرات اس نے علیزہ کے چہرے پر رقم دیکھے تو وہ شرم یا جھجک کے تو نہیں تھے بلکہ ایک عجیب سی بے قراری' الجھن اور بے چینی تھی۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہی تھی..... آخر کیوں؟ ایک یہی سوچ اس کے ذہن میں اٹک گئی تھی..... پھر وہ چپ چاپ بے دلی سے اٹھا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ کیا اس کے والدین نے زبردستی اس کا نکاح کروایا تھا اور اس کی رائے نہیں لی تھی؟ ہزاروں سوال اور وسوسے اس کے اندر سر اٹھانے لگے تھے۔

پھر دن گزرتے چلے گئے علیزہ نے گریجویشن کر لیا اور یمنیٰ کی بھی منگنی ہو گئی۔ اس دوران کئی مواقع آئے علیزہ سے بات کرنے کے مگر اسد نے بات نہیں کی اور سب کچھ حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا کہ جن الجھنوں کا حل فوری طور پر نہیں ملتا انہیں وقت بڑی اچھی طرح سلجھا دیتا ہے اور پھر جب اس کی بہن یمنیٰ کی منگنی پر علیزہ کی سب سے قریبی دوست ندا آئی تو اسد نے اس سے ڈھیروں باتیں کی تھیں۔ مختلف موضوعات پر اور پھر گھما پھرا کر اصل موضوع پر بھی مگر کہیں سے کوئی سرا اس کے ہاتھ نہیں آیا تھا اور بے چاری ندا کو کیا خبر تھی کہ بظاہر کم گو اور لیے دیے رہنے والا پُرتکلف سا اسد اس سے کیوں اتنا بے تکلف ہو رہا ہے۔ وہ تو اس بات پر خوش ہوتی رہی کہ اسد اندر سے بڑا نرم خو' ملنسار اور دلچسپ ہے۔ وہ اور خاندان کے دیگر افراد اسد کو ایک مغرور شخص سمجھتے تھے جو چیز ہمیں جیسی نظر آتی ہے حقیقت میں ویسی نہیں ہوتی اور انسان کو سمجھنا تو اور مشکل بھی ہے۔ مزاج بھی تو

Digitized by Google

موسموں کی طرح بدلتے ہیں۔ بہرحال اسد کے بارے میں ندا کی رائے بڑی حد تک بدل گئی تھی۔ واپس آتے ہی جب علیزہ سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے اسد کی تعریفوں کے پل باندھ دیے تھے۔

''پہلے تم نے کہا تھا وہ گھنے ہیں پھر کہا مغرور ہیں اور اب کہہ رہی ہو بہت خوش اخلاق اور مہذب ہیں۔ یہ تینوں رائے بہت متضاد ہیں' آخر کس پر اعتبار کیا جائے؟''

''اس بار وہ اپنی اصل شخصیت سے بہت مختلف نظر آئے..... کسی بھی انسان کے بارے میں جاننے کے لیے اس سے ملاقات ضروری کرنی چاہیے ورنہ بغیر کچھ رائے قائم نہیں کرنی چاہیے۔''

''تم بھی بس..... تمہیں اب کیا کہوں..... خیر یہ بتاؤ منگنی کا فنکشن کیسا رہا؟'' اس نے موضوع بدلا۔

''اچھا بلکہ بہت ہی اچھا اور ہاں وہاں بڑے تایا کی بیٹی عائلہ بھی آئی تھی۔ بڑی پٹاخہ قسم کی ہے' ساری محفل میں ایک وہی جگمگا رہی تھی۔ اسد بھائی کے اردگرد بھی گھومتی رہی تھی۔ انہیں بچا کر رکھنا اس سے بڑی حسن کی بجلیاں گراتی ہے ان پر۔''

''وہ جانیں.....'' اس نے بڑے حوصلے سے کہا۔

''ایسی ہی حسین ہے تو اس کا انتخاب کرتے..... بہرحال جو کچھ میری تقدیر میں ہے وہ مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔'' اس نے بڑے یقین سے کہا۔

''ہاں یہ ہوئی ناں بات.....'' اس نے محبت سے علیزہ کا ہاتھ تھام لیا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو' حسن کسی بھی شخص کی ایک اضافی خوبی ہوتا ہے مگر کامیاب زندگی کی ضمانت نہیں کیونکہ حسن پائیدار نہیں ہوتا۔ یہ اچھی سیرت ہی ہے جو رشتے نبھانے میں اصل کردار ادا کرتی ہے۔ میاں بیوی کے رشتے میں احترام' اعتماد اور محبت ہی کامیابی کی چابی ہے..... میں نے تمہیں بہت سی کام کی باتیں بتادی ہیں..... چلو اب میرے لیے اچھی سی چائے لے آؤ۔'' وہ کہتے ہوئے صوفے پر دراز ہوگئی۔

''علیزہ' ارسل کا فون ہے..... موبائل اپنے پاس رکھا کرو۔'' اس کے بھائی جواد نے لاؤنج میں آتے ہوئے کہا۔ اسے ارسلان کے فون کا کتنا انتظار تھا۔ اس نے جھپٹ کر فون اس سے لیا۔

''ہیلو ارسل کے بچے کہاں مرے ہوئے تھے تم؟'' کہتی ہوئی لاؤنج سے نکل گئی اور لاؤنج کا دروازہ بند کردیا۔

انہی دنوں اسد کو اپنے آفس کے کام سے کراچی برانچ جانا پڑا تھا۔ اگرچہ دفتر کی جانب سے ہوٹل میں قیام کا انتظام تھا مگر ہوٹل کا سوچ کر وہ بے دل ہورہا تھا۔

''امی مجھے دفتر کے کام سے کل کراچی جانا ہے۔'' اسد نے آفس سے واپسی پر امی سے کہا۔

''اچھا کتنے دنوں کے لیے جاؤ گے؟'' امی نے پوچھا۔

''ایک ہفتے مجھے وہاں رہنا ہوگا۔'' اس نے ٹائی کی گرہ کھولتے ہوئے کہا۔

''رہو گے کہاں؟'' ریحان صاحب جو قریب ہی بیٹھے تھے بولے۔

''ہوٹل میں ڈیڈی۔'' اس نے اکتا کر جواب دیا۔

''نہیں..... یہ ٹھیک نہیں' رضوان کو پتا چلا تو اسے اچھا نہیں لگے گا' تم انہی کے گھر ٹھہرنا.....'' اس نے ماں کی طرف دیکھا۔

''ہاں تو اس میں حرج ہی کیا ہے' وہ تمہارا سسرال ہے اور علیزہ تمہاری بیوی ہے اور پھر وہ پہلے تمہارے چچا ہیں پھر باقی رشتے۔'' ریحان صاحب نے جلدی سے کہا۔

''کیوں امی آپ کا کیا خیال ہے؟'' اس نے متذبذب ہوکر ماں سے پوچھا گو کہ دل اب بے چین ہوا تھا۔

''مجھے کیا اعتراض ہوگا بھلا..... اس سے اچھی کیا

Digitized by Google

بات ہے۔"

"میں ابھی رضوان سے بات کرتا ہوں۔" ریحان صاحب نے سیل فون اٹھایا۔

"ابو آپ ان سے بات کرلیں پھر مجھے بتا دیجیے گا..... امی یمنیٰ سے کہہ کر چائے میرے کمرے میں بھجوا دیجیے گا پلیز۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ علیزہ کو دیکھنے اور اس سے ملنے کی خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

"تمہارے ابو نے رضوان بھائی سے بات کرلی ہے وہ بہت خوش ہوئے سن کر کہنے لگے کوئی حرج نہیں ہے اسد میرا داماد بعد میں ہے بھتیجا پہلے..... میں اس کے لیے کمرہ ٹھیک کروا دیتا ہوں۔" دوسرے دن اس کی امی نے ناشتے پر بتایا تو اس کے دل میں پھلجھڑیاں سی پھوٹنے لگی تھیں۔

اسے کراچی آئے آج تیسرا دن تھا۔ وہ کتنے ارمان دل میں چھپائے آیا تھا اور سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ علیزہ اس کے سامنے نہیں آئے گی۔ کھانا اگرچہ وہ سب کے ساتھ کھاتا تھا اور دیر تک چچا جان اور دیگر افراد کے ساتھ گپ شپ کرتا تھا مگر اسے ابھی تک اس لڑکی کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی تھی کہ جس کے لیے وہ یہاں آ کر ٹھہرا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے دیکھتے ہی وہ اپنے کمرے میں قید ہو جاتی ہو۔ اسے اب کوفت سی ہونے لگی تھی۔ جتنا تجسس اور جوش اسے یہاں آنے سے پہلے تھا سب دم توڑنے لگا تھا' کئی بار جی میں آیا کہ اس کی بہن سے کہہ دے کہ اس سے ملاقات کی کوئی سبیل بنا دے۔ ایک بار انہوں نے بھی اسے اشاروں کنایوں میں پیشکش کی تھی مگر ملاقات کا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا۔

.....✿.....✿.....

وہ اس صبح بھی کمرے میں بیٹھا یہی سوچ رہا تھا' آج آفس جانے کا بھی اس کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ بے زاری سے اٹھا اور کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ اس کھڑکی کا رخ گھر کے پچھلے گیٹ کی جانب تھا جو بہت کم استعمال ہوتا تھا۔ جبکہ مین گیٹ سڑک کی جانب تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا جب کسی نے گیٹ پر ہلکی سی دستک دی اور کوئی لڑکی تیزی سے شیڈ سے نکل کر گیٹ کی جانب بڑھی جیسے وہ پہلے سے آنے والے کی منتظر ہو۔ اس کے لمبے اور گھنے بال اس کی پشت پر لہرا رہے تھے۔ ہلکے گلابی رنگ کے سادہ سے لباس میں گلابی رنگت والی وہ لڑکی کوئی اور نہیں علیزہ تھی۔ اس کے ہاتھ میں کوئی گفٹ پیک تھا۔ اس نے دروازہ کھولا سامنے ایک اسمارٹ سا نوجوان کھڑا تھا۔ علیزہ نے پیکٹ اسے تھمایا اور بولی۔

"ابھی تم جاؤ..... کچھ دیر بعد میں تمہیں فون کروں گی۔" اس نے جلدی سے کہا اور گیٹ بند کر دیا تھا۔

یہ کیا تھا؟ اسد پریشان ہو گیا' وہ اجنبی نوجوان کون تھا' وہ سوچنے لگا اور یوں چوری چھپے پچھلے گیٹ پر کیوں آیا تھا؟ اسد کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ یونہی تو اس کا دل بے چین نہیں تھا۔ کوئی نہ کوئی بات تو ضرور تھی اگر وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے تو اس نے شادی کیوں کی؟ کیا چچا جان نے اسے مجبور کیا تھا۔ اف اللہ..... وہ مٹھیاں بھینچ کر کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگانے لگا۔ اسے خیانت سے شدید نفرت تھی۔ خود ساری زندگی اس نے ضبط نفس میں اپنے کردار پر آنچ نہیں آنے دی تھی اور نہ کسی پر بری نظر ڈالی تھی پھر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا تھا؟ جب سے اس کی امی نے اس سے یہ کہا تھا کہ وہ علیزہ کو اس کے لیے منتخب کر چکے ہیں تو اس نے بھی خاموشی سے رضامندی دے دی تھی اور ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی تھی۔ اس کے پندار کو اس وقت بڑی ٹھیس لگی تھی۔ اس لڑکی کے لیے اس نے خود کو ضبط کی بھٹی سے گزارا تھا۔ اس نے طیش میں آ کر راستے میں رکھی کرسی کو ٹھوکر ماری..... اس زور دار ٹھوکر سے کرسی دور جا گری۔ وہ نہ صرف ماں باپ کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی تھی بلکہ اسے بھی

Digitized by Google

دھوکہ دے رہی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ آنکھیں بند کیے بیڈ پر لیٹا غصے کو ضبط کرتا رہا پھر اس نے اسی وقت واپس جانے کا فیصلہ کرلیا۔ جلدی جلدی سامان پیک کیا اور بیگ اٹھا کر نیچے آ گیا..... سیڑھیوں کے پاس ہی اسے چچی جان مل گئیں۔

''ارے بیٹا میں اوپر ہی آ رہی تھی تمہارا پتا کرنے..... تم ناشتے کے لیے نہیں آئے میں نے سوچا خود پتا کرآؤں۔'' اسے دیکھتے ہی انہوں نے کہا۔

''بس آنٹی سامان پیک کرنے میں ٹائم لگ گیا۔'' اسے اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''ہیں..... یہ کیا.....؟ تم نے کہا تھا ہفتہ دس دن کا ٹرپ ہے۔'' ان کی نظر ابھی بیگ پر پڑی تھی۔ وہ حیرانی سے بولیں۔

''بس چچی جان..... آفس کا کام ختم ہوگیا اسی لیے.....''

''نہیں یہ تو اچھی بات نہیں..... تمہارے چچا آئیں گے تو خفا ہوں گے۔ کم از کم ان سے مل کر جاتا۔'' وہ اصرار کرنے لگیں۔

''نہیں مجھے آج ہی جانا ہوگا' پھر آفس جا کر رپورٹ دینی ہے۔ آپ چچا جان کو بتا دیجیے گا اور انہیں میرا اسلام بھی کہہ دیجیے گا۔'' وہ عجلت ظاہر کرنے لگا جیسے ابھی نہیں گیا تو آفس کو نقصان ہوگا۔

''اچھا ناشتہ تو کرلو..... پہلے ہی اتنی دیر ہوگئی ہے۔''

''یقین کریں بالکل بھوک نہیں ہے۔''

''حد کرتے ہو اسد..... بھوک کیوں نہیں..... خالی پیٹ تو میں تمہیں جانے نہیں دوں گی..... چلو میرے ساتھ۔'' وہ ذرا خفگی سے بولیں تو وہ شکستہ قدموں سے ان کے پیچھے چل دیا۔

❀.....❀.....❀

''کچھ محسوس کیا آپ نے۔ اسد جب سے کراچی سے آیا ہے چپ چپ سا ہے۔'' اس شام اسد کی امی نے اس کے ابو سے کہا۔ وہ کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ بیگم کی بات پر انہوں نے چونک کر سر اٹھایا اور ان کی طرف دیکھا۔

''پتا نہیں کیا بات ہے وہ کچھ کھویا کھویا سا ہے۔''

''بھئی دیکھو..... جوان جہان لڑکا ہے پھر بہو سے مل کر آیا ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

''ہاں ہوسکتا ہے..... ایک تو یہ لڑکا اپنے دل کی بات کسی سے نہیں کہتا۔''

''شادی کے بعد ٹھیک ہوجائے گا سب..... بڑے بڑے بول پڑتے ہیں۔'' انہوں نے کھل کر ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں شادی سے یاد آیا یمنی کی ساس کا فون آیا تھا وہ شادی کا کہہ رہی تھیں..... میں نے کہہ دیا کہ آپ سے پوچھ کر بتاؤں گی۔''

''میرا خیال ہے کردیتے ہیں اور ساتھ ہی اسد کی بھی۔''

''بہت نیک خیال ہے اور یوں بھی اسد کے نکاح کو کافی عرصہ ہوگیا ہے۔ اب رخصتی کروا ہی لینی چاہیے..... آپ ذرا رضوان بھائی سے بات کریں تو پھر میں یمنی کی ساس سے بات کروں۔'' ابھی وہ دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اسد بھی آ گیا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔ کہاں تھے صاحب زادے..... یہ وقت ہے گھر آنے کا؟'' ریحان صاحب نے گھڑی کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ایک دوست کی طرف چلا گیا تھا اسی لیے دیر ہوگئی ڈیڈی۔'' اس نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

''کھانا لگاؤں تمہارے لیے؟''

''نہیں میں کھا کر آیا ہوں۔'' وہ تھکے ہوئے انداز میں بولا۔

Digitized by Google

"کیا بات ہے اسد کچھ پریشان لگ رہے ہو؟" ماں نے اولاد کی پریشانی بھانپ لی تھی۔

"نہیں تو۔۔۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیا۔

"ہم۔۔۔" ریحان صاحب نے ہنکارا بھرا اور بیوی کی طرف دیکھا۔

"اسد یمنیٰ کی ساس کا فون آیا تھا وہ شادی کے لیے کہہ رہی تھیں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔" وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے بولا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں۔"

"امی میرا ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔" وہ بولا تو ریحان صاحب جیسے بھڑک گئے۔

"کیوں۔۔۔ ایسی کیا بات ہے؟ نکاح کو کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ تم برسرروزگار ہو اور علیزہ کی بھی تعلیم مکمل ہو گئی ہے۔ رضوان بھائی کو اتنا ہی وقت چاہیے تھا سو انہیں مل گیا۔ ہم اب دیر نہیں کر سکتے۔" انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور کوئی عذر نہیں چھوڑا۔

"اصل میں میرا ٹرانسفر اسلام آباد ہو رہا ہے' اس لیے فوری طور پر شادی نہیں کر سکتا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"ٹرانسفر تو ہوتے رہتے ہیں۔۔۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ضروری کام التوا میں ڈال دیں۔"

"تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں' یہاں ہم سب ہیں سنبھالنے کے لیے اگر تمہارا ٹرانسفر ہو بھی جاتا ہے تو جب تک وہاں رہائش کا انتظام نہیں ہو جاتا علیزہ یہاں آرام سے رہے گی۔"

"مگر۔۔۔" اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔۔۔" انہوں نے غصیلے انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں رضوان سے بات کرتا ہوں اور تم یمنیٰ کی ساس سے مل کر معاملات طے کر لو۔ اب یہ فرض جتنی جلدی ادا ہو جائے بہتر ہے۔" وہ اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر اٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔ اسد نے ماں کی طرف دیکھا تو وہ بھی اس سے نظریں چراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اس نے شادی رکوانے کے لیے بہت ہاتھ پیر مارے مگر اس کی سنوائی نہیں ہوئی پھر اتنی جلد تاریخ رکھی گئی کہ وہ مزید کچھ نہیں کر پایا تھا۔

اسد کا ٹرانسفر اسلام آباد ہو گیا تھا اور وہ شادی سے پہلے ہی اسلام آباد چلا گیا تھا۔ ریحان صاحب نے اسے تنبیہ کی تھی کہ اگر شادی سے دو دن پہلے وہ گھر نہیں آیا تو وہ خود وہاں پہنچ جائیں گے پھر جس طرح اسے لے کر آئیں گے اس کی شکایت نہ کرے اور اسد جانتا تھا کہ وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔۔۔ اسی وجہ سے وہ شادی سے دو دن پہلے آ گیا تھا۔ گھر میں شادی کے ہنگامے جاری تھے اس کی ناراضی اور بے زاری اس کے ہر عمل سے ظاہر تھی مگر کسی نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ باپ بیٹے کے درمیان بیگانگی اور اجنبیت شدت اختیار کر رہی تھی اور ماں کئی بار اس سے پیار سے تو کبھی غصے سے پوچھتی رہی تھیں کہ وہ شادی سے انکار کیوں کر رہا ہے مگر وہاں ایک چپ تھی۔

"آخر کیا بات ہے' تمہارا نکاح تمہاری خوشی اور رضامندی سے ہوا تھا تو اب کیا ہوا؟"

"میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا بس۔۔۔" وہ غصے سے بولا۔

"اب نہیں ہوئی تو کچھ عرصے بعد ہو گی۔۔۔ آخر تمہارا نکاح ہو گیا ہے علیزہ سے پھر اتنا غصہ کیوں دکھا رہے ہو؟" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔ "کیا علیزہ تمہیں پسند نہیں ہے۔ ایسی بات تھی تو نکاح سے پہلے بتا دیتے اب عین وقت پر تمہاری حرکتیں میرے ہاتھ پاؤں پھلا رہی ہیں' مجھ سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہو رہا۔" وہ پریشانی سے بولیں۔

"میں آپ کو کب پریشان کرنا چاہتا ہوں کسی نے میری بات نہیں سنی' میں کچھ وقت مزید چاہتا ہوں بس۔" اس کے روٹھے روٹھے انداز سے ماں کا دل پسیج گیا۔ اس کے لہجے پر وہ چونکیں' وہ بلاوجہ ضد نہیں کرتا تھا کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی۔

"میرے بچے وجہ بتادے ---- میں کچھ بھی کرکے یہ شادی رکوادوں گی' جو میرے بس میں ہوگا کروں گی۔" وہ شاکی نظروں سے انہیں دیکھ کر رہ گیا مگر بولا کچھ نہیں۔ وہ ان کے سامنے کیسے وجہ بتادیتا' نہ جانے کتنے لوگوں کی عزتیں داؤ پر لگی تھیں آگے کانٹوں بھرا راستہ تھا جس پر اسے تنہا چلنا تھا۔ اسد نے اپنوں کی محبتوں اور عزتوں کا بھرم رکھ کر یہ کانٹوں بھرا راستہ چن لیا تھا۔

❀ ❀ ❀

"ہائے علیزہ تمہارے ہاتھ کتنے ٹھنڈے ہورہے ہیں۔" اسد کی کزن رمشا جو اسے کمرے میں لائی تھی نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ بیڈ پر بٹھا کر وہ چاہت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایسے کیا گھور رہی ہو؟" آخر اس سے رہا نہیں گیا تو رمشا اس کی بھی تو کزن تھی۔

"کتنی خوب صورت لگ رہی ہو..... سیدھی دل میں اتری جارہی ہو۔" وہ مسخرے پن سے بولی۔

"یہ کام جس کا ہے اس کے لیے رہنے دو اور اپنا بوریا بستر گول کرو یہاں سے۔" اسد کا بھائی جو نہ جانے کب وہاں آیا تھا بول پڑا۔

"تمہیں کیا..... تمہاری دلہن کو تو نہیں اتار رہی دل میں۔" وہ خفا لہجے میں بولی۔

"ایسی کوشش بھی نہیں کرنا..... یہ نیک کام میں خود ہی کرلوں گا۔"

"بس بھئی آپ سب نکلو کمرے سے۔" اسد کی امی کمرے میں آتے ہی بولیں۔ "رمشا تم علیزہ کا میک اپ ٹھیک کردو' میں اسد کو بھیجتی ہوں اور تم اپنے ابو کو باہر سے بلالاؤ' آرام کرلیں' صبح سے کاموں میں مصروف تھے بہت تھک گئے ہوں گے۔" وہ باہر نکل گئی اور وہ خود علیزہ کے پاس کھڑی ہوگئیں۔

"ماشاء اللہ' نظر بددور ---- " انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔ "سدا خوش اور آباد رہو۔" وہ کچھ دیر کے لیے پیار بھری نظروں سے دیکھتی رہیں پھر باہر نکل گئیں۔

"ویسے تو تمہارا میک اپ ٹھیک ہے۔" رمشا نے کچھ قاتلانہ سی نخ دیتے ہوئے کہا۔

"رک جاؤ رمشا ---- " اسے جاتا دیکھ کر علیزہ نے کہا۔ "دیکھو میرا دل کتنا تیز دھڑک رہا ہے۔"

"دل کا کام ہی دھڑکنا ہے ---- ہاں یہ تیز دھڑکے تو تشویش کی بات ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "اچھا میں چلتی ہوں اور اسد کو بھیجتی ہوں۔ آل دی بیسٹ شب بخیر۔" اس نے جھک کر اس کے ماتھے پر پیار کیا اور باہر نکل گئی۔

اس نے گردن اٹھا کر کمرے کا جائزہ لیا' جسے نہایت خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ اسی وقت اسے دروازے کے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکا اور ہتھیلیاں پسینے سے تر ہوگئیں۔ وہ گردن جھکا کر سٹ سی گئی۔ کسی نے اندر آکر دروازہ بند کیا۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھا آنے والا اندر آکر کچھ دیر بیڈ سے ذرا فاصلے پر کھڑا رہا پھر بیڈ کے کنارے کو زور سے ٹھوکر ماری اور الماری کی طرف بڑھ گیا۔ مارے خوف کے اس کا دل بیٹھنے لگا پھر اس نے الماری سے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں گھس گیا۔ وہ دم سادھے بیٹھی رہی کچھ دیر بعد وہ باہر آیا تو بولا۔

"میں بہت تھکا ہوا ہوں اور آرام کرنا چاہتا ہوں....." لہجے میں بیزاری اور تیزی تھی۔ پھر اس نے بیڈ سے تکیہ اٹھایا' صوفے پر پٹخا اور منہ صوفے کی پشت کی جانب کرکے لیٹ گیا' وہ کچھ دیر یونہی

Digitized by Google

ساکت بیٹھی رہی اور بے یقینی کے عالم میں اسے سوتا دیکھتی رہی اس کی حیرانی کا عجب عالم تھا۔ اسد نے شاید ایک نظر بھی اسے نہیں دیکھا تھا' وہ حیران و پریشان زیور اتارنے لگی۔ رمشا اس سے کہہ گئی تھی کہ اس کے کپڑے واش روم میں لٹکے ہوئے ہیں۔ دوپٹا سنبھالتے وہ دھیرے سے نیچے اتری اور باتھ روم کی طرف بڑھ گئی' دیوار پر لگے بڑے سے آئینے میں کچھ دیر اپنی صورت تکتی رہی' اس کا خوب صورت چہرہ خود اس کا مذاق اڑاتا محسوس ہوا۔ اس نے کپڑے بدلے اور رگڑ رگڑ کر منہ دھویا' آئینہ دیکھا تو آنسو نکل آئے۔ جنہیں اس نے بے دردی سے صاف کیا اور باہر نکل آئی۔ وہ بیڈ پر لیٹا غالباً سو رہا تھا یا سونے کی اداکاری کر رہا تھا۔ اس کی طرف پیٹھ ہونے کی وجہ سے وہ جان نہ سکی۔

وہ بستر پر تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی کہ پھر آنسو امڈ آئے۔ ایسا کیا ہوا تھا؟ اسد کے اس رویے کی وجہ کیا تھی؟ ہزاروں سوال تھے جو اندر ہی اندر اسے گھائل کر رہے تھے پھر کئی دن گزر گئے۔ ان کے درمیان پہلی رات کا سرد مہری کا جو گلیشیر بنا تھا وہ پگھلنے میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے نہ کوئی احتجاج کیا نا روئی دھوئی اور تو اور اس کی بے رخی کا تذکرہ تک اس نے کسی سے نہیں کیا تھا مگر وہ اس بے رخی کی وجہ ضرور جاننا چاہتی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس شادی سے خوش نہیں تھا تو کیا تایا جان نے زبردستی اسے شادی کے لیے مجبور کیا تھا۔

❀.....❀.....❀

سب اسد کو روکتے رہے مگر اس نے ایک ہفتے بعد ہی رخت سفر باندھ لیا تھا اور اس سے کچھ کہے سنے بغیر چلا گیا تھا۔ علیزہ نے چند ہی دنوں میں سب کے دل جیت لیے تھے مگر ایک وہی بے درد تھا جس نے اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

''بھئی کیا بنا تمہارے گھر کا؟'' اس روز ریحان صاحب نے اسد سے پوچھ ہی لیا۔

''گھر مل گیا ہے ابو۔''

''بہت اچھی بات ہے' اب تم علیزہ کو اپنے ساتھ لے جانا' سامان وغیرہ میں بعد میں پہنچوا دوں گا۔'' انہوں نے کہا۔

''نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر تم اکیلے ہی چل پڑے' وہ کیا سوچتی ہوگی۔'' اس کی امی نے کہا۔

''امی علیزہ یہاں خوش ہے پھر آپ سب لوگ ہیں یہاں اس کا خیال رکھنے والے۔ وہاں اکیلی وہ بور ہو جائے گی' میں تو پورا دن آفس میں ہوں گا۔''

''ہاں یہ بات تو ہے..... مگر اسے یہاں چھوڑنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔''

''اچھا امی میں سونے جا رہا ہوں بہت نیند آ رہی ہے..... کل صبح مجھے روانہ ہونا ہے۔'' وہ بحث کو طول پکڑتے دیکھ کر بولا۔

''ارے لڑکے ابھی تو آئے ہو اور اتنی جلدی جا رہے ہو۔'' امی نے چونک کر کہا۔

''بس چند ہی دن کی چھٹی ملی تھی۔'' کہتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ تو جیسے اسے یہاں لا کر بھول ہی گیا تھا' ایک چپ کی دیوار تھی جو ان دونوں کے درمیان حائل تھی۔ اس کی بے تعلقی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ اسے احساس تک نہیں تھا کہ ایک اور فرد بھی اس کے کمرے میں موجود ہے۔ اسد نے اس کی ذات کی بالکل نفی کر دی تھی۔ علیزہ کے اندر جیسے ایک الاؤ بھڑک رہا تھا۔

''کیوں میں یہ سب برداشت کر رہی ہوں' کس امید پر؟ اگر یہ سزا ہے تو کس جرم کی اور اگر امتحان ہے تو کتنا لمبا؟'' اسے کہیں اپنا قصور نظر نہیں آیا تھا۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ روتے روتے اس کا سانس رکنے لگا' اسے لگا کہ اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ اسی وقت وہ دشمن جاں کمرے میں آیا اور وہ سنبھل کر بیٹھ گئی' جلدی سے آنسو صاف کیے..... اسد نے تکیہ

Digitized by Google

اٹھایا اور حسب معمول صوفے پر دراز ہوگیا۔ اسی وقت علیزہ کے موبائل فون کی گھنٹی بجی' اس کی امی کا فون تھا۔

''کیسی ہو علیزے..... خوش تو ہو نا؟'' ان کی محبت بھری بے قرار آواز سن کر سارے دکھ پگھل پگھل کر آنکھوں کے راستے بہنے لگے جسے اس نے تیزی سے صاف کیا۔

''ٹھیک ہوں امی۔'' اس کی بھیگی بھیگی آواز سن کر وہ چونکیں۔

''کیا بات ہے بیٹا..... اداس لگ رہی ہو؟ ایسا کرو کچھ دنوں کے لیے یہاں آجاؤ..... تمہارے ابو بھی تمہیں بہت یاد کررہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے امی۔'' وہ خود بھی اس ماحول سے گھبرا رہی تھی اور یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔

''اچھا لو ندا آئی ہوئی ہے اس سے بات کرو۔'' انہوں نے فون ندا کو تھمایا۔ ندا کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی پھر بولی۔

''علیزہ..... تمہارے ارسل صاحب آئے ہوئے ہیں' انہیں تمہاری شادی میں شرکت نہ کرنے کا بہت افسوس ہے۔''

''اوہ کب.....؟'' وہ جوش سے بولی۔ ''ارسل کب آیا؟'' ارسل کے نام پر اسد چونکا۔

''وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''میں کیسے آسکتی ہوں..... میرا وہاں آنا مشکل ہے..... بہرحال میں کوشش کروں گی..... اس سے کہنا مجھے فون کرے..... ابو کو میرا سلام کہنا اور تمہاری تو شکل دیکھنے کو ترس گئی ہوں میں۔'' اس نے دکھی لہجے میں کہا۔

''تم تو پتا نہیں کس کس کی شکل دیکھنے کو ترس گئی ہو۔'' اسد نے تلخی سے سوچا اور ایک نظر اس کی طرف دیکھا جو اس سے بے خبر باتوں میں مصروف تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کال منقطع کی کمرے میں گمبھیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ جسے اسد کی آواز نے توڑا تو وہ بری طرح چونکی۔

''تم کراچی جانا چاہتی ہو؟'' اتنے دنوں میں اس نے پہلی بار اسے مخاطب کیا تھا۔ علیزہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔

''بولو..... میں نے کچھ پوچھا ہے؟'' علیزہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے پھر..... تیاری کرلو ہم صبح جارہے ہیں۔ میں تمہیں کراچی چھوڑ کر خود اسلام آباد چلا جاؤں گا۔ سامان پیک کرلو۔''

''تائی جان.....'' وہ کچھ کہتے ہوئے رکی۔

''امی ابو کو میں خود بتادوں گا۔'' اسد نے جلدی سے کہا تو اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

❀.....❀.....❀

علیزہ کو اپنے والدین کے گھر آئے دو ماہ گزر گئے تھے۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ واپس سسرال نہیں جائے گی..... ماں باپ کے گھر آکر اس نے سارے گلے شکوے دل میں دفن کردیے تھے۔ وہ اذیت آمیز لمحے وہ چاہتی بھی تو کسی کو نہیں بتاسکتی تھی پھر دن پر دن گزرتے چلے گئے..... تایا جان اور تائی کے فون پر فون آرہے تھے' امی اور ابو بھی پوچھ پوچھ کر تھک گئے تھے مگر اس بے درد نے پلٹ کر اس کی خبر نہیں لی تھی۔ آخر ایک دن تایا جان اسے لینے آگئے مگر اس نے ان کے ساتھ جانے سے صاف انکار کردیا تھا۔ سب اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے' سارے خاندان میں سرگوشیاں ہورہی تھیں۔ سب کے دباؤ ڈالنے پر اور اپنی جان چھڑانے کے لیے علیزہ نے کہہ دیا تھا کہ جب تک اسد اسے لینے نہیں آئے گا وہ نہیں جائے گی۔ آخر سب نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

❀.....❀.....❀

ارسل کے گھرانے سے علیزہ کے گھر والوں کا تعلق بہت پرانا اور گہرا تھا۔ وہ پڑوسی تھے اور ایک

Digitized by Google

دوسرے کے دکھ درد میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوتے تھے۔ ان کے گھر میں دو بہن بھائی کی علاوہ تھا بھی کون..... ارسل کی والدہ کا بہت پہلے انتقال ہو چکا تھا پھر والدہ کے انتقال کے بعد علیزہ کی امی نے ان بن ماں باپ کے بچوں کا بہت خیال رکھا تھا۔ علیزہ اور ارسل دونوں ہم عمر تھے۔ علیزہ کا بچپن ارسل کے ساتھ کھیلتے گزرا تھا دونوں ایک دوسرے کے بے تکلف دوست تھے۔ دونوں نے اسکول سے لے کر کالج تک ساتھ ہی پڑھا تھا۔ یہ دوستی بڑی پرانی اور گہری تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے۔ اس بار بھی علیزہ نے اسد کے رویے کے بارے میں ارسل کو سب کچھ بتا دیا تھا اور ارسل نے اسے دلاسا دیا تھا کہ اس کا صبر رائیگاں نہیں جائے گا۔

❀.....❀.....❀

علیزہ کو گئے چھ ماہ بیت گئے تھے اس کے بغیر گھر بڑا سونا سونا لگتا تھا مگر جب جب اسد کو ارسل کا خیال آتا' اس کا خون کھولنے لگتا..... ادھر اس کے والدین اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ علیزہ کو لے کر آئے۔ وہ کافی عرصے سے انہیں ٹال رہا تھا' ایک زخم تھا جو اسے اندر ہی اندر گھائل کر رہا تھا۔ اس دن ندا سے فون پر بات کرتے ہوئے ارسل کے نام پر علیزہ کی بے قراری یاد آتے ہی وہ کانٹوں پر لوٹنے لگتا۔ بہرحال والدین کے بے حد اصرار پر اور علیزہ کے حسین چہرے کے پیچھے چھپا مکروہ چہرہ سامنے لانے اور اس قصے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی خاطر اس نے کراچی جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

چچی جان برآمدے میں بچھے تخت پر آنکھیں موندیں لیٹی تھیں' جب اسد کے سلام کی آواز پر وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھیں۔ کتنی ہی دیر تو انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا پھر اسے گلے لگا کر رونے لگیں۔ اسے دکھ ہوا کہ اس کی وجہ سے کتنے پیارے رشتوں کے دل دکھے تھے۔ وہ چچی جان کے پاس وہیں تخت پر بیٹھ گیا مگر وہ نظر نہیں آئی جس کا تصور ان چھ ماہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے دل و دماغ سے دور نہ ہو سکا تھا۔ اس کی ساری ضد اور انا اس کے تصور کے آگے ڈھیر ہو جایا کرتی تھی۔ اسی وقت علیزہ کی بہن حرا بھی وہاں آ گئی وہ بھی اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھی۔

''جاؤ حرا تم علیزہ کو بلا لاؤ۔'' علیزہ کی امی نے کہا۔

''علیزہ کہاں ہے؟'' اسد نے دل کڑا کر کے پوچھا۔

''ارسل کے گھر..... ابھی آتی ہے۔'' وہ جلدی سے بولیں۔ حرا جانے کے لیے پلٹی تو اسد نے کہا۔

''ٹھہرو حرا میں بھی چلتا ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آج یہ معمہ حل ہو ہی جائے کہ آخر یہ کون ہے جس سے علیزہ اتنے دھڑلے سے ملتی ہے۔

''اوہو اسد بھائی..... اب اتنا بھی صبر نہیں ہو رہا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''اچھا چلیں۔'' اس نے دوپٹا پھیلا کر سر پر جمایا۔ باہر جانے کے لیے اس نے وہی پچھلے گیٹ کا راستہ اختیار کیا۔ یہ ایک کشادہ گلی تھی۔ دونوں باتیں کرتے آگے بڑھے تھے' دو تین مکان چھوڑ کر وہ سفید گیٹ والا ایک وسیع و عریض مکان تھا۔ حرا نے بیل بجائی تو ایک فربہ مائل عورت نے دروازہ کھولا۔

''اوہو حرا تم..... بڑے دنوں بعد آئیں۔'' انہوں نے خوش دلی سے بڑھ کر حرا کو گلے لگایا۔

''صفیہ باجی' میرے ساتھ علیزہ کے شوہر بھی ہیں۔'' انہوں نے چونک کر اس کے پیچھے دیکھا جہاں کچھ فاصلے پر اسد کھڑا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی اسد نے سلام کیا۔

''ارے آپ باہر کیوں رک گئے..... آیئے آیئے اندر آیئے۔'' پھر وہ دونوں ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئے جسے بڑے نفاست سے سجایا گیا تھا۔

Digitized by Google

''میں علیزہ کو بلا لاؤں۔'' کہتی ہوئی وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔ چند لمحے گزرے تھے جب دروازے پر سرگوشیوں کی آواز آئی۔

''دیکھا میں نے کہا تھا ناں کہ وہ کچے دھاگے سے بندھے چلے آئیں گے۔'' ایک مردانہ آواز ابھری۔

''میں نہیں جاؤں گی۔'' علیزہ کی دبی دبی آواز آئی۔

''افوہ..... تمہیں سمجھایا بھی تھا مگر تم سنتی بھی ہو کسی کی؟ اچھا چلو میرا تعارف تو کروا دو کم از کم۔''

''ابھی تک میرا تعارف نہیں ہوا تمہارا کیا کرواؤں گی۔'' علیزہ نے تلخی سے کہا پھر کچھ ہی دیر میں وہ اندر آ گئے تھے۔

اسد کے لیے زمین و آسمان کی گردش جیسے لمحہ بھر کے لیے تھم گئی تھی۔ وہ اور اس کے ساتھ وہی اسمارٹ سا ہنستا مسکراتا وجود نمودار ہوا تھا جس کا نام ارسل تھا۔ وہ اس کے قریب آئی' دھیرے سے سلام کیا اور اس کے مقابل رکھے صوفے پر بیٹھ گئی اور ارسل اسد کے قریب بیٹھ گیا۔

''میرا خیال ہے یہ تو تعارف کروائے گی نہیں' میں خود ہی کروا دوں..... میرا نام ارسلان ہے' میں اور علیزہ یوں سمجھیے کہ پکی والی سہیلیاں ہیں' آپ کی شادی کے موقع پر مصروفیات کی وجہ سے آپ سے میرا تعارف نہیں ہو سکا تھا۔'' اسی وقت ایک خوب صورت سی لڑکی چائے اور دیگر لوازمات سے بھری ٹرالی دھکیلتی اندر آئی اور سب کو سلام کیا۔

''یہ میری بیوی رخسار ہے..... بھئی مجھے اور رخسار کو ملانے میں علیزہ نے میرا بڑا ساتھ دیا اور دوستی کا حق ادا کر دیا..... ورنہ رخسار مجھے کبھی نہ ملتی۔'' ارسل نے تشکر آمیز نظروں سے علیزہ کو دیکھا اور علیزہ کی مسکراتی نظریں رخسار کے چہرے پر تھیں۔

ارسل بہت باتونی اور خوش مزاج نوجوان تھا اور جب باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ کیسے علیزہ نے رخسار کی سالگرہ کے موقع پر گفٹ خرید کر ارسل کے ہاتھ اسے بھیجا تھا تو اسد چونکا۔ اسے بے اختیار وہ وقت یاد آیا تو ساری بات صاف ہو گئی اور اسد کے دل سے منوں بوجھ سرک گیا تھا۔ فضا ایک دم سے خوشگوار ہو گئی تھی اور ہر منظر صاف نظر آ رہا تھا پھر چائے پیتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ تینوں واپس جا رہے تھے' علیزہ ان سے دو قدم پیچھے تھی' اسد نے مڑ کر دیکھا تو وہ سینڈل ہاتھ میں پکڑے ننگے پاؤں چل رہی تھی۔ حرا نے جو اسے اس حلیے میں دیکھا تو بے ساختہ ہنس دی۔

''یہ اس کا پرانا مسئلہ ہے اسد بھائی..... نئی سینڈل اسے بہت کاٹتی ہے۔ آپ نے نکاح والے دن اس کی شکل نہیں دیکھی تھی بعد میں مووی دیکھ کر ہم سب نے اس کی روتی شکل کا بہت مذاق اڑایا تھا۔'' اور وہ تھا کہ شرمندہ ہوا جا رہا تھا اپنی غلط فہمی کو نہیں بلکہ حماقتوں کو کوس رہا تھا۔ ذرا سی بات نے کیسا ظلم ڈھایا تھا۔ کتنے مہینوں کی بھینٹ لی تھی۔

''لاؤ میں پکڑ لیتا ہوں۔'' وہ علیزہ کے قریب گیا اور اس کے ہاتھ سے سینڈل لی اور دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا جسے چھڑانے کی اس نے ناکام کوشش کی کیونکہ اسد کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ اس نے غصے سے اسد کی طرف دیکھا۔

''یہ ہاتھ چھڑانے کے لیے نہیں پکڑا..... آج سے ہم نئی زندگی شروع کریں گے علیزہ..... جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری نئی زندگی کا یہ سفر بہت خوشگوار ہوگا۔'' علیزہ نے پہلے تا سمجھی سے پھر مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھنے لگی تھی۔

www.naeyufaq.com

Digitized by Google

میری تنہائی

یمنیٰ نور

''ایک اور پھینکوں.....'' میں اور میشا برابر والے گھر کی دیوار پہ لٹکیں کیریاں توڑ رہی تھیں۔ یہ جون کا مہینہ تھا۔ تمام تعلیمی اداروں میں گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔ میشا میری پھوپو زاد تھی۔ چھٹیوں میں عاقب جو کہ میشا کا بڑا بھائی تھا حیدرآباد سے ہمارے ہاں لاہور آجاتا تھا۔

میں بی اے فائنل ائیر کی طالبہ تھی۔ میشا میری ہم جماعت تھی۔ دوپہر میں جب سب گھر والوں کے سونے کا یقین ہوجاتا تو میں اور میشا چپکے سے کھسک جاتیں اور لان کی دائیں دیوار جس کے دوسری جانب امرود' انار' جامن' شہتوت' فالسہ اور آم کے پیڑ تھے جن پہ چڑھ کر پھل توڑتے۔ پکڑے جانے پر خوب لعن طعن ہوتی مگر ہم بھی پکے ڈھیٹ تھے۔ اتنی جلدی کہاں باز آتے۔

میں دوسری جماعت میں تھی جب ابا نے یہ گھر بنوایا تھا۔ میرے بچپن اور لڑکپن کی تمام شرارتوں میں میشا کے ساتھ ساتھ اس گھر کے در و دیوار بھی شامل تھے۔

''اچھا تو چوری ہورہی ہے۔ ابھی جاکر ماموں کو بتاتا ہوں۔'' عاقب نجانے کہاں سے آٹپکا تھا۔

''ایکسیوزمی..... یہ چوری نہیں ہے۔ ہم بس کیریاں توڑ رہے ہیں۔'' میں نے تیوری چڑھا کر اسے جواب دیا۔

''تو محترمہ کسی کے درخت سے چھپ کر کیریاں توڑنا چوری میں ہی شمار ہوتا ہے۔'' وہ بھی دیوار پہ چڑھ کر بیٹھ گیا۔

''اللہ کی بنائی ہوئی چیز پر ہر انسان کا حق ہوتا ہے۔ میری تیری تو بس انسانوں نے خود ہی کرلی ہے۔'' میں نے ایک موٹی کیری کو ابھی ہاتھ میں لیا ہی تھا کہ مالی بابا کی گرج دار آواز سنائی دی۔ عاقب تو چھلانگ لگا کر بچ نکلا مگر میں اور میشا بچاریاں پھنس گئیں۔ شام میں ابا تک بھی شکایت پہنچا گئی اور پروفیسر صاحب کی عدالت میں ہمیں پیش کردیا گیا۔ پروفیسر صاحب جن کا پیدائشی نام تو احمد رضا تھا مگر سب انہیں پروفیسر صاحب کے نام سے ہی پکارتے تھے۔ دو سال قبل اس گھر میں شفٹ ہوئے تھے۔ اکیلے ہی رہتے تھے۔ ابا کے بقول چند سال قبل ان کے والدین کا انتقال ہوگیا تھا اور وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ پروفیسر صاحب نہایت خشک مزاج آدمی تھے۔ آنکھوں پہ چشمہ لگائے سنجیدہ سے پروفیسر صاحب بتیس سال کی عمر میں ہی بیالیس کے لگتے تھے اور ابھی بھی کنوارے تھے۔ ہم دونوں لان میں سر جھکائے کھڑے اپنی سزا کی منتظر تھیں۔ انہوں نے ہمیں کچھ ایسی نظروں سے دیکھا جیسے ہم عادی مجرم ہوں اور ہر تیسرے دن تھانے میں ہماری حاضری لگنا لازم ہو۔ قریب ہی ابا چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے جانے کون سے قصے چھیڑے بیٹھے تھے۔ پروفیسر صاحب ایک اچٹتی نگاہ ہم دونوں پہ ڈالتے اور پھر سے ابا کی جانب متوجہ ہوجاتے۔

''پروفیسر صاحب آپ کے مجرم آپ کے سامنے ہیں جو چاہیں سزا دیں۔'' آخر ابا کو خیال آ ہی گیا کہ ان کے علاوہ دو اور نفوس بھی موجود ہیں جن پر خوامخواہ فرد جرم عائد کی جارہی ہے۔ یہ میرا صرف ہمارے خیال تھا۔

''جناب سزا کیا دینی ہے بس سمجھا دیں کہ آئندہ ایسا نہ ہو۔'' پروفیسر صاحب نے پہلے کی طرح ابا کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے ہمیں سخت الفاظ میں ڈانٹنے سے پرہیز کیا۔

پروفیسر صاحب سے پہلے اس گھر میں مرزا صاحب رہتے تھے جنہیں کیریوں سے شدید محبت تھی۔ اکثر

Digitized by Google

کیریاں چوری کرنے پر ہمیں پورے پانچ منٹ تک دھوپ میں مرغیاں بننا پڑتا۔ ہم مگر پھر بھی باز نہ آتے۔ اس لحاظ سے پروفیسر صاحب قدرے نرم دل واقع ہوئے تھے بس گھورنے پر ہی اکتفا کر لیتے تھے۔

"سڑیل پروفیسر..... خود کے سینے میں تو دل نہیں دوسروں کو بھی کہتے ہیں کہ جینا چھوڑ دیں۔" ہمیشہ کی طرح گھر آکر میں نے اور میشا نے خوب بڑھاس نکالی۔ قریب ہی بیٹھا عاقب ہماری توڑی ہوئی کیریوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ابا نے سزا کے طور پر ہمارے کیریاں کھانے پر پابندی لگا دی تھی۔

"ویسے زرناب ایک بات تو بتاؤ۔" میشا نے منہ میرے کان کے قریب کرتے ہوئے سرگوشی کی۔

"کیا....." میں نے بھی سرگوشی میں ہی جواب دیا۔

"یہ جو ہمارے محترم پروفیسر صاحب ہیں۔ کیا ان سے بھی کسی کو محبت ہو سکتی ہے؟" میشا کے سوال پر میں نے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔

"ہرگز نہیں....." میری جگہ عاقب نے جواب دیا۔ جو کیریوں پہ ہاتھ صاف کرنے کے بعد لسی کے جگ کو منہ لگانے جا رہا تھا۔

"جتنے کھڑوس ہمارے پروفیسر جی ہیں ناں۔ کم از کم اس صدی میں کوئی لڑکی جو واقعی لڑکی ہو ان سے محبت نہیں کر سکتی۔"

"ہاں واقع ہی یہ تو تم نے صحیح کہا۔ اتنا خراب ٹیسٹ اس صدی کی لڑکی کا نہیں ہو سکتا۔ انہیں دیکھ کر انیسویں صدی کا گمان ہوتا ہے۔" میشا نے زندگی میں شاید چوتھی دفعہ عاقب کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

"تب ہی تو ابھی تک کنوارے ہیں۔" ہم دونوں کو نجانے کیوں تاسف ہو رہا تھا۔

❀.....❀.....❀

اردو کا شمار بچپن سے ہی میرے ناپسندیدہ مضامین میں رہا تھا۔ مجھے انگریزی پسند تھی مگر ابا کو اردو۔ لہٰذا ابا نے بی اے میں مجھے اردو ادب لیے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں خوب روئی، احتجاج میں بھوک ہڑتال کی مگر ابا نے بھی گویا مجھے ادب پڑھوانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ آخر ابا جیتے میں ہاری اور میں نے اردو ادب بطور مضمون اختیار کر لیا لیکن جب میرا نتیجہ آیا اور دو عدد سپلیوں کی صورت میں میری اردو سے محبت کا ثبوت ابا کو ملا تو انہیں فکر لاحق ہوئی کہ کہیں ان کی اکلوتی بیٹی تا عمر بی اے فیل نہ رہ جائے۔ میشا جس کے بھی ابا نے اپنی پسند کے مضامین منتخب کیے تھے کے حالات مجھ سے مختلف نہ تھے۔ سو یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہماری اردو کی بہتری کے لیے پروفیسر احمد رضا کی خدمات لی جائیں گی جو گورنمنٹ کالج میں شعبہ اردو کے پروفیسر تھے۔ ہمیں ہر روز شام چار بجے سے سات بجے پورے تین گھنٹے تک پروفیسر صاحب سے ٹیوشن لینا تھی۔ میری اور میشا کی تو جان پہ بن آئی تھی۔ ابا سے لاکھ منتیں کی، قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ اس دفعہ کوئی سپلی

Digitized by Google

نہیں آئے گی مگر ابا بھی اپنی ضد کے پکے تھے ہمیں پروفیسر صاحب کے پاس بھیج کر ہی دم لیا۔

شعر مجھے کبھی بھی یاد نہیں رہتے تھے۔ ہمیشہ پیپر دے کر کتاب کھولنے پر پتا چلتا کہ ایک مصرعہ غالب کا اور دوسرا میر کا لکھ آئی ہوں۔ پروفیسر صاحب کے سامنے اس مسئلے کو پیش کیا گیا تو انہوں نے ہماری مشکل فوراً حل کردی۔ اب ہر روز صبح منہ نہار سروں کی شکل میں شعر یاد کرنا ہمارا معمول بن گیا تھا۔ شام میں' میں اور میشا پروفیسر صاحب کے ہاں بمعہ کتابیں پیش ہوئیں۔ مالی بابا ہم دونوں کو لاؤنج میں بٹھا کر چلے گئے۔ پروفیسر صاحب خاصے سلیقہ مند واقع ہوئے تھے۔ ان کے گھر میں کوئی خاتون نہیں تھیں یہ بات ابا جی سے ہمیں معلوم ہوگئی تھی۔ پورا گھر صاف ستھرا تھا۔ ہر شے ترتیب سے رکھی ہوئی تھی۔ میں اور میشا داد دیے بغیر نہ رہ سکیں۔ کچھ دیر بعد پروفیسر صاحب تشریف لیے آئے۔ ہم دونوں نے نہایت مؤدبانہ انداز میں انہیں سلام پیش کیا اور پھر کتابوں پہ یوں جھک گئیں گویا علامہ اقبال کا نام ہم ہی نے روشن کرنا ہے۔

❁.....❁.....❁

''سنو یار..... اگر پروفیسر صاحب کی شادی ہوجائے تو کتنا اچھا ہوگا۔ پروفیسر صاحب کا دل بھی لگ جائے گا اور ہم بھی بور نہیں ہوں گے۔'' شام کے وقت میں' میشا اور عاقب چوک والے مشہور بابا جی کے ٹھیلے سے فروٹ چاٹ پہ ہاتھ صاف کررہے تھے جب میشا نے مشورہ دیا۔

''ہوں..... آئیڈیا اچھا ہے لیکن اس شادی کے لیے ایک عدد لڑکی کی بھی ضرورت ہے۔'' عاقب جو اپنی چاٹ ختم کرنے کے بعد اب میشا کی پلیٹ پہ نظر جمائے بیٹھا تھا فوراً اس کی تائید میں بولا۔

''اس کی تم فکر نہ کرو' لڑکیاں بہت ہیں۔'' میں نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی میشا کو اشارے سے عاقب کی ندیدی نظروں سے بچنے کا بھی اشارہ کیا۔

''اچھا تمہاری نظر میں کوئی لڑکی ہے؟'' میشا اور عاقب دونوں اشتیاق سے میری طرف متوجہ ہوئے۔

''میرے کالج میں بہت سی اچھی اور مناسب لڑکیاں ہیں۔ بس وہیں سے کوئی دیکھ لیتے ہیں لیکن ایک مسئلہ ہے۔''

''وہ کیا؟'' وہ دونوں الجھ کر مجھے دیکھنے لگے۔

''پروفیسر صاحب سے کون پوچھے گا۔ آخر شادی تو انہوں نے کرنی ہے۔'' میں نے اپنی دانست میں بڑی عقل مندی کی بات کی تھی۔ عاقب اور میشا بھی سوچ میں پڑ گئے۔

''ایک کام کرتے ہیں۔ پہلے رشتہ ڈھونڈ لیتے ہیں پھر ابا اور امی سے کہہ کر پروفیسر صاحب کو بھی منا لیں گے۔'' عاقب نے مشورہ دیا۔ ہم دونوں بھی اس پر متفق ہوگئے۔

''بس پھر ٹھیک ہے۔ آج ہی سے یہ کام شروع کرتے ہیں۔'' میشا ایسے خوش ہوئی گویا کل ہی پروفیسر صاحب کا نکاح ہو۔

رات کو میں' میشا اور عاقب میری کالج کی تمام تصویریں نکال کر بیٹھ گئے۔ بہت غور و فکر کے بعد بھی ہمیں پروفیسر صاحب کے لیے کوئی لڑکی مناسب نہ لگی۔

''یار زناب ہمارے کالج میں کوئی تو پروفیسر یا لڑکی ہوگی جو پروفیسر احمد رضا کے لیے پرفیکٹ ہو۔'' میشا نے جمائی لیتے ہوئے اکتا کر کہا۔

''پروفیسر.....'' میں نے ذہن پہ کچھ زور دیا تو مجھے اچانک سے اپنے کالج کی ایک بہترین پروفیسر کا خیال آگیا۔

''ہاں میڈم عظمیٰ۔ ہماری انگریزی کی پروفیسر ہیں۔

Digitized by Google

وہ پروفیسر احمد رضا کے لیے پرفیکٹ رہیں گی۔ عمر تھوڑی زیادہ ہے مگر ابھی تک کنواری ہیں۔ دونوں ایک ساتھ بہت اچھے لگیں گے۔"

"بس تو ٹھیک ہے پھر ایسا کرتے ہیں کل ہی ان کے گھر چلتے ہیں۔" عاقب جوش سے بولا۔

"ہاں...... مگر سنو ہمارے اس مشن کے بارے میں فی الحال گھر میں کسی کو بھنک تک نہیں پڑنی چاہیے۔" عاقب نے ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے ہمیں تلقین کی کیونکہ اکثر بے خیالی میں امی کے سامنے میرے منہ سے راز نکل جاتے تھے۔

"اوکے ڈن۔" ہم تینوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا تھا۔

❁......❁......❁

اگلے روز صبح ہی صبح پلان کے مطابق میں، یشا اور عاقب میڈم عظمیٰ کے گھر جا پہنچے۔ میڈم عظمیٰ مجھے اپنے گھر یوں اچانک دیکھ کر کچھ حیران ہوئیں۔

"میم وہ مجھے آپ کی مدد چاہیے تھی۔" میں نے فوراً ان کے سامنے کتابیں رکھ دیں۔

"اوکے......" وہ مجھے اپنے ڈرائنگ روم کی طرف لیے گئیں۔ میں نے عاقب اور یشا کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کارروائی شروع کرنے کا اشارہ کیا اور خود میڈم عظمیٰ کے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

پلان کے مطابق مجھے میڈم کو کالج کے کام کے بہانے اپنے ساتھ مصروف رکھنا تھا۔ اس دوران عاقب اور یشا جنہوں نے خود کو پروفیسر احمد رضا کے چھوٹے بہن بھائیوں کی حیثیت سے میڈم عظمیٰ کی فیملی سے متعارف کروایا تھا، میڈم کی والدہ کو پروفیسر صاحب کے ہاں آنے پر راضی کرنا تھا۔ دو گھنٹے بعد جب مجھے تسلی ہوگئی کہ یشا اور عاقب اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے ہیں تو میں نے بھی میڈم سے اجازت لی۔ عاقب اور یشا نے میڈم کی والدہ کے سامنے پروفیسر صاحب کی خوب تعریفیں کیں اور ساتھ ہی عاقب نے آتے ہوئے پروفیسر صاحب کی ایک عدد تصویر جسے ہم نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر پروفیسر صاحب کے کمرے سے چرائی تھی اٹھا لائے اور میڈم عظمیٰ کی والدہ کو دکھائی۔

ہمارا مشن سو فیصد کامیاب رہا تھا۔ میڈم عظمیٰ کی والدہ کو ہم نے اس رشتے کے لیے راضی کر لیا تھا اور پھر ٹھیک تین دن بعد میڈم عظمیٰ کی والدہ اور ان کی کوئی رشتے دار خاتون پروفیسر صاحب کا گھر دیکھنے اور ان سے ملنے آ پہنچیں۔ عاقب نے احتیاط کے طور پر ٹھیک شام پانچ بجے آنے کا کہا تھا کیونکہ یہ ہماری ٹیوشن کا وقت ہوتا تھا۔ یشا، میں اور عاقب پروفیسر صاحب کے لان میں بیٹھے تھے۔ پروفیسر صاحب مالی بابا سے پودوں کا کام کروا رہے تھے۔ ہمیں گیٹ سے دونوں خواتین آتی دکھائی دیں۔ میں، یشا اور عاقب الرٹ ہو کر بیٹھ گئے۔ خواتین پروفیسر صاحب سے نہایت جوش اور محبت سے ملیں اور ساتھ ہی گھر کا بھی جائزہ لینے لگی۔ پروفیسر صاحب بچارے حیران پریشان کھڑے دونوں خواتین کو دیکھ رہے تھے اور یہی سمجھ رہے تھے کہ کسی اور کے ہاں مہمان آئی ہیں اور غلطی سے ادھر آ گئی ہیں۔ مالی بابا دونوں خواتین کو لاؤنج میں لے گئے۔ پروفیسر صاحب بچارے بھی اخلاقیات نبھانے کی خاطر ان کے پاس بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد ہم نے دونوں خواتین کو لاؤنج سے خوش خوش جاتے اور پروفیسر صاحب کو الجھے الجھے ہماری طرف آتے دیکھا۔ میں نے اور یشا نے خود کو کام میں مگن ظاہر کیا جبکہ عاقب فوراً کھسک گیا تھا۔

"عجیب سی عورتیں تھیں۔" ہم نے سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھتے پروفیسر صاحب کی بڑبڑاہٹ سنی اور اپنی مسکراہٹ چھپانے کی خاطر کتابوں میں سر دے دیا تھا۔

❁......❁......❁

Digitized by Google

"اندازہ ہے تم لوگوں کو۔ کیا کیا ہے تم نے' تھوڑی سی بھی شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔" پروفیسر صاحب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں خون اترا آیا تھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہمارے ٹکڑے ٹکڑے کردیں۔ میں عاقب اور عیشا مجرموں کی طرح نظریں جھکائے نادم کھڑے تھے۔ ہوا کچھ یوں تھا کہ ان دونوں خواتین کے جانے کے بعد اگلے روز ہی صبح صبح میڈم عظمیٰ کڑے تیوروں کے ساتھ پروفیسر صاحب کے ہاں پہنچ گئی تھیں۔

"مجھے آپ سے اس قسم کی گھٹیا حرکت کی ہرگز امید نہیں تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں اور سہیل ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہیں آپ نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو رشتے کے لیے بھیج دیا۔ آپ تو سہیل کے کولیگ اور دوست ہیں پھر بھی آپ کو شرم نہ آئی۔ آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں۔" میڈم عظمیٰ غصہ سے چلا رہی تھیں اور سامنے کھڑے پروفیسر صاحب حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"مس عظمیٰ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" میڈم عظمیٰ کے الفاظ نے انہیں پریشان کردیا تھا۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے آپ کو کسی بات کی خبر ہی نہیں۔ کیا آپ نے میرے گھر اپنے چھوٹے بھائی اور بہن کو رشتہ کے سلسلے میں نہیں بھیجا تھا۔" پروفیسر صاحب کی لاعلمی نے انہیں مشتعل کردیا تھا۔

"مس عظمیٰ پہلی بات یہ ہے کہ میرا کوئی بہن بھائی نہیں ہے اور دوسری بات میں نے کسی کو آپ کے ہاں رشتے کے لیے نہیں بھیجا۔" پروفیسر صاحب کو اب بات کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی تھی۔ میڈم عظمیٰ کا غصہ بھی کچھ ٹھنڈا ہوگیا تھا۔ انہیں بھی کچھ کچھ بات سمجھ میں آگئی تھی۔

"یقیناً کسی نے آپ کے اور میرے ساتھ شرارت کی ہے۔ جس نے بھی کی ہے اسے تو میں دیکھ لوں گا۔ آپ سے میں معذرت چاہتا ہوں۔ سہیل میرے بھائیوں جیسا ہے۔" پروفیسر صاحب کے جواب نے میڈم عظمیٰ کو مطمئن کردیا اور وہ چلی گئیں مگر ہماری شامت آگئی تھی۔

"کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ نے یہ حرکت کس مقصد کے تحت کی؟" پروفیسر صاحب کی گرج دار آواز سے ہمارے ساتھ ساتھ گھر کے در و دیوار بھی لرز گئے تھے۔

"و..... وہ سر..... ہم نے..... تو بس آپ کی تنہائی کا سوچا تھا۔" میری زبان سے بامشکل اتنا ہی نکلا تھا کہ پروفیسر صاحب ایک دفعہ پھر طیش کے عالم میں چلائے۔

"ہوتے کون ہو تم لوگ میری ذاتی زندگی میں مداخلت کرنے والے؟ تمہاری وجہ سے' صرف اور صرف تمہاری وجہ سے آج میں ذلیل ہوکر رہ گیا ہوں۔ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے اور آئندہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔" وہ غصے سے چیختے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ہم تینوں سر جھکائے باہر نکل آئے۔ گیٹ کے قریب مالی بابا کیاریوں کی صفائی کررہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر تاسف سے سر ہلایا اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئے تھے۔

آنے والے دن بہت اداس تھے۔ ماحول پہ عجیب سی خاموشی چھا گئی تھی۔ اس دن کے بعد سے ہم تینوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ پروفیسر صاحب کے سامنے جاتے۔ پروفیسر صاحب نے ہمارے گھر کے کسی فرد سے ہماری کوئی شکایت نہ کی تھی۔ خلاف توقع مالی بابا نے بھی خاموشی کی چادر اوڑھے رکھی۔ چھٹیاں ختم ہونے والی

Digitized by Google

تھیں۔

عاقب واپسی کی تیاری میں مصروف تھا اور پھر جانے سے ایک دن پہلے میں' میشا اور عاقب پروفیسر صاحب کے ہاں ان سے معافی مانگنے کے لیے پہنچ گئے۔ لان میں کوئی نہیں تھا۔ درختوں کی شاخیں ویران تھیں۔ گھر کی ہر شے اداس تھی۔ ہم لاؤنج میں آگئے وہ بھی خالی تھا۔

پروفیسر صاحب کی اسٹڈیز کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ ہم اس جانب چل دیے۔ اندر پروفیسر صاحب گھٹنوں کے بل بیٹھے بچوں کی طرح رو رہے تھے۔ ہاتھ میں کسی کی تصویر تھام رکھی تھی۔ سب سے آگے میں اور میرے عقب میں میشا و عاقب کھڑے تھے۔ ہم تینوں اندر کا منظر دیکھ رہے تھے۔ ہمارے دل غم سے کٹ گئے۔ ہماری وجہ سے پروفیسر صاحب کا دل بری طرح دکھا تھا۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر ہماری ہمت نہ ہوئی کہ ان کا سامنا کرسکیں لیکن کچھ تھا جو ہمیں وہاں روکے ہوئے تھا۔

"سر....." میں نے ہی ہمت کرکے انہیں مخاطب کیا۔ انہوں نے سر ضرور اٹھایا پر ہماری طرف نہیں دیکھا۔

"سر ہم آپ سے بہت شرمندہ ہیں۔ اپنی غلطی پر آپ سے معافی....."

"غلطی تم لوگوں سے نہیں مجھ سے ہوئی ہے۔ کاش میں محبت کا بھرم رکھ لیتا اور تم لوگوں کو اپنے بارے میں کچھ بتا دیتا تو شاید آج میں اتنا نہ پچھتاتا۔" انہوں نے کہہ کر تصویر ہمارے سامنے کی اور ہم سب چونک کر رہ گئے تھے۔

"میڈم عظمیٰ....." میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں..... مگر یہ کسی اور کو پسند کرتی ہیں اور عنقریب ان کی شادی ہونے والی ہے' میری یک طرفہ محبت کمزور تھی۔ شاید اس لیے میں تنہا رہ گیا اور اب تنہا ہی یہاں سے جا رہا ہوں۔"

"پر کہاں سر.....؟" میں نے فوراً پوچھا۔

"ملتان....." وہ آہستہ سے بولے اور ہمیں حیران چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ ہم تینوں بوجھل قدموں سے لوٹ آئے اور پھر اگلے روز صبح آٹھ بجے کی ٹرین سے عاقب اداس دل کے ساتھ واپس حیدرآباد لوٹ گیا تھا۔

❀.....❀.....❀

میں نے کھڑکی کے پردے سرکا کر نم آنکھوں سے باہر کا منظر دیکھا۔ وہ جا رہے تھے۔ ہمارا دیا ہوا زخم اٹھا کر وہ ہمیشہ کے لیے لاہور کو چھوڑ کر جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنا ٹرانسفر ملتان کروالیا تھا۔ شام کے اداس سائے پھیل رہے تھے۔ ہر شے ان کے جانے پہ اداس تھی۔

"پروفیسر صاحب سے بھی کبھی کسی کو محبت ہوسکتی ہے۔" بہت دنوں پہلے میشا کا مذاق میں کیا گیا سوال مجھے یاد آیا۔ میں نے کھڑکی کے پار دیکھا۔

پروفیسر احمد رضا صاحب اپنا سوٹ کیس اٹھائے گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے پروفیسر صاحب نے نظر اٹھا کر اس کھڑکی کی جانب دیکھا جس کے پردے کے پیچھے میں کھڑی تھی اور گاڑی میں بیٹھ کر ہمیشہ کے لیے میری نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ اس بات سے بے خبر کہ ان کے پیچھے کھڑی اکیس سالہ لڑکی پر اس لمحے محبت کا جان لیوا انکشاف ہوا تھا لیکن پروفیسر صاحب کی طرح اب یہ تنہائی میرا مقدر تھی۔

❀

www.naeyufaq.com

Digitized by Google

جزوِ بدن

نورین معشوق چوہان

مختصر بتاؤں!
بہت مختصر ہوں تمہارے بن

وہ کب سے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کررہا تھا مگر ہر بار اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر لب بھینچ کر رہ جاتا۔ وہ اسے مکمل نظرانداز کیے اس کا سامان پیک کرنے میں مصروف تھی یا شاید اپنا سارا غصہ اس کے بے ضرر سامان پر نکال رہی تھی۔ وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کا سامان بھی پیک نہ کرتی اگر یہ اماں جان کا حکم نہ ہوتا۔ شہریار نے سر جھٹک کر اس کے سرخ تپتے چہرے پر نظر ڈالی اور مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ صنوبر نے غصے سے باقی ماندہ کپڑے بیگ میں ٹھونسے اور قدم کمرے سے باہر کی طرف بڑھادیے۔

"کہاں؟" شہریار نے اس کی کلائی تھام کر سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"بھاڑ میں...... چلو گے؟" جواباً غصے سے ہاتھ چھڑواتے ہوئے وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔ شہریار نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپائی۔

"ارادے تو بہتر ہیں محترمہ میں تمہارے ساتھ جہنم کی سیر کو بھی جاسکتا ہوں۔ پر وہ کیا ہے کہ اس دفعہ میں جنت کی سیر کے لیے جارہا ہوں۔ سو ڈیئر تم اکیلی ہی چلی جاؤ۔" آنکھوں میں شرارت کا جہان آباد کیے وہ صنوبر کو مزید تپا گیا۔

"ہاں تمہیں کیا ضرورت ہے۔ میرے ساتھ کہیں جانے کی میں یتیم بے سہارا جو ہوں۔ جیسے تمہاری مرضی ویسا ہی سلوک کرو۔ ہے کون پوچھنے والا لاوارث جو ٹھہری۔" صنوبر نے بہ مشکل بات مکمل کی اور پھپک پھپک کر رو دی۔ شہریار کو حقیقتاً لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔" صنوبر کے ہاتھ جھٹکنے کے باوجود وہ اس کا رخ اپنی طرف موڑ گیا۔

"کس نے کہا تم سے کہ تمہارا کوئی نہیں...... میں، اماں جان کیا ہم تمہارے کچھ نہیں لگتے۔ کیا ہم نے تمہیں کبھی کسی بھی رشتے کی کمی محسوس ہونے دی؟ میں جانتا ہوں ماں باپ کی کمی کوئی پوری نہیں کرسکتا۔ اسی لیے اماں جان مجھ سے زیادہ تمہارا خیال رکھتی ہیں اور جہاں تک بات میری ہے......" شہریار نے ایک نظر اس کے جھکے مگر شرمندہ سے چہرے پر ڈالی اور سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

"میں نے ہمیشہ تمہیں اپنا سب کچھ مانا ہے۔ تم میری زندگی کا لازمی حصہ ہو اور جہاں تک بات ہے میری نوکری کی تو یہ میری کوئی ضرورت یا مجبوری نہیں بلکہ یہ میرا جنون ہے۔ جو عشق بن کر میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔" کچھ ٹھہر کر صنوبر کو بغور دیکھا پھر اسے لیے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"سامنے دیکھو صنوبر کیا میں تم دونوں کے بغیر مکمل ہوسکتا ہوں؟" صنوبر نے ذرا سی نظر آئینے میں فل آرمی یونیفارم میں ملبوس شہریار کے خوبرو عکس پر ڈالی۔

"آئم سوری۔" صنوبر نے شرمندگی سے اعتراف کیا۔

شہریار دھیرے سے مسکرایا۔ اس کے نہ جانے کتنے سوری وہ ہمیشہ اپنے سامان میں لے کر جاتا تھا۔ جب کہ وہ اسے مسکراتا دیکھ کر ایک بار پھر اس کی دوری کا سوچ کر رو دی۔ شہریار بے چین ہوا اسے بیڈ پر بٹھا کر خود پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ کر اس کے آنسو پوروں پر چننے لگا اور افسردگی سے گویا ہوا۔

"تم جانتی ہو صنوبر تمہارے یہ آنسو میرے دل پر گرتے ہیں اور جب بھی ایسا ہوتا ہے میرا وجود ایک سیپ کی شکل اختیار کرکے قطرہ قطرہ انہیں کسی قیمتی موتیوں کی طرح اپنے اندر جمع کرلیتا ہے۔ اس لیے ایک گزارش ہے صرف اتنا ہی رویا کرو جتنا میرا وجود ان موتیوں کا بوجھ اٹھا سکے۔ ایسا نہ ہو صنوبر کہیں ان کے بوجھ سے میرا دم گھٹ جائے اور میں سانس بھی نہ......"

Digitized by Google

"پلیز شیری....." صنوبر نے تڑپ کر اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ شہریار نے افسردگی سے مسکراتے اس کا وہی ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیا اور گہرا سانس بھرتا ہوا جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو پھر طے ہوا تم مجھے مسکرا کر ڈھیروں دعاؤں کے سائے میں رخصت کرو گی۔" وہ ایک ہاتھ میں اس کا نازک ہاتھ تھامے اور دوسرے سے سفری بیگ پکڑے دروازے کی سمت بڑھا۔ صنوبر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے حسرت سے اس کے ہاتھ میں مقید اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

"کاش..... شیری تم کہیں نہ جاؤ اور ہم یونہی ہاتھ پکڑے پکڑے عمر تمام کردیں۔" صنوبر کے دل نے خواہش کی اور وہ مسکرا کر اس کی طرف الوداعی نظروں سے دیکھتا اماں جان کی طرف بڑھ گیا۔

شہریار اماں جان سے مل کر جیپ میں جا بیٹھا۔ جیپ دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

نہ کوئی ساتھ تھا میرے نہ کوئی پاس ہے میرے
میں تنہا تھا میں تنہا ہوں مجھے تنہا ہی رہنے دو
میری یہ ذات بھی مٹی میری اوقات بھی مٹی
میں مٹی تھا میں مٹی ہوں مجھے مٹی ہی رہنے دو

تاحد نگاہ پھیلے پہاڑوں پر برف کی سفید چادر بچھی تھی۔ سبزہ زار بھی برف سے ڈھکے الگ ہی چھب دکھا رہے تھے۔ بے حد سردی تھی۔ ایسے موسم میں جب ہر ذی روح اپنے اپنے ٹھکانوں میں چھپا بیٹھا تھا ایک ہیلی کوپٹر دھند کا پردہ چیرتا ہوا اپنے سینے پر سبز ہلالی پرچم لیے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

"آئی ایم سوری گائیز..... میں اس سے آگے اور اونچائی پر ہیلی کوپٹر کو نہیں لے جاسکتا۔" پائلٹ نے سامنے دیکھتے ہوئے بے بسی سے کہا۔ کیپٹن شہریار نے ایک نظر باہر موسم پر ڈالی۔ ہر طرف اڑتے سفید روئی کے گالے خراب موسم کی گواہی دے رہے تھے۔

"ہوں..... آگے مزید کتنا سفر ہے؟" کچھ توقف سے کیپٹن شہریار کی گمبھیر آواز گونجی۔

"تقریباً چالیس منٹ کا مزید سفر ہے۔" پائلٹ احسن نے بھی اسی سنجیدگی سے جواب دیا۔ کیپٹن شہریار نے ایک نظر اپنے دونوں ساتھیوں لیفٹیننٹ کمانڈر راحم اکرام اور سپاہی ذکریا خان کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے ہم کسی پاسبل جگہ پر اتریں گے اور آگے پیدل مارچ کریں گے۔ آئی ایم کلیئر گائز۔" انہوں نے اپنے ساتھیوں سے تائید چاہی۔ جواباً دونوں ہی یک زبان یس سر بولے۔

"بٹ کیپٹن....." پائلٹ احسن نے مطلع کیا۔

"میری ڈکشنری میں ڈینجرس ورڈ کہیں نہیں ہے۔ آئی جسٹ بلیو ڈو اینڈ ڈائی۔" کیپٹن شہریار ہنوز سنجیدگی سے گویا ہوا۔

سینے میں دل موجود بھی ہے ہیں گولیاں اور بارود بھی ہیں
جو تیرے نام پہ لہرائے پرچم کی گواہی ہے
ہم تیرے سپاہی ہیں ہم تیرے سپاہی ہیں

Digitized by Google

وہ تینوں ہیلی روپ کی مدد سے نیچے اترے اور پیدل آگے بڑھنے لگے۔ راستہ ان کی توقع سے بڑھ کر دشوار تھا مگر وہ پاک سرزمین کے شیر دل بیٹے تھے۔ ایسی دشواریوں کو تو لہو گرمانے کا سبب گردانتے تھے۔

"کیا یہی لوکیشن ہے؟" کیپٹن شہریار کی پکار پر سپاہی ذکریا خان نے جوش سے بھرپور آواز میں "یس سر کہا۔"

ان تینوں کو صرف پندرہ منٹ لگے تھے۔ اس شاہی شدہ جوڑے کو برف سے نکالنے میں جنہوں نے ہنی مون کی غرض سے آزاد کشمیر کا رخ کیا تھا اور اچانک موسم خراب ہونے اور راستوں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے خود کو برف میں پھنسا بیٹھے تھے۔ وہ دونوں زندہ تھے بس خوف کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے۔

محبت جھوٹی نہیں تم سے
گواہ ہے ہر نماز کی دعا!

"جیتے رہو میرے شیر..... ہمیشہ کی طرح ایک ناممکن کام تم نے ممکن کر دکھایا۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔" میجر اسد نے مشن کی کامیابی پر تعریفی کلمات ادا کرتے ہوئے اسے سیلیوٹ پیش کیا۔ شہریار دھیرے سے مسکرایا اور جوابی سیلیوٹ پیش کیا۔

دونوں مسکراتے ہوئے ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ وہ دونوں کالج کے زمانے سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ اسی لیے عہدوں میں فرق ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بے تکلفی حد سے سوا تھی۔

"چل اب جلدی سے مجھے کسی اچھی سی جگہ پر ٹریٹ دے۔"

"وہ کیوں بھلا؟" میجر اسد کے کہنے پر کیپٹن شہریار نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

"سالے تازہ تازہ شہیدوں میں نام لکھوا کر آیا ہے۔ مجھے دیکھ تیرا بیسٹ فرینڈ تجھ سے سینئر بھی ہوں مگر ابھی تک کسی حسینہ کی مجھ پر نظر کرم نہ ہوئی۔" مصنوعی سنجیدگی سے کہتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھری۔ اشارہ شہریار کی حال میں ہوئی منگنی کی طرف تھا۔

"افسوس ان گلوں پہ جو بن کھلے ہی مرجھا گئے۔" شہریار کا قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا۔

"یہ جو تم اتنا مسکرا رہے ہو لگتا ہے منگیتر نے کافی ہیوی ڈوز دے کر روانہ کیا ہے۔" میجر اسد شوخ ہوا۔

"کہاں یار..... ہمارے ایسے نصیب کہاں۔" شہریار نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"کیوں؟" وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کینٹین میں پہنچ گئے تھے۔ کرسی سنبھالتے ہوئے اسد نے سوال کیا۔

"وہ اس لیے کہ محترمہ کو میرا آرمی جوائن کرنا بالکل پسند نہیں۔"

"حیرت ہے ورنہ لڑکیاں تو مرتی ہیں سولجرز پر۔ تم نے پوچھا نہیں کہ وہ ایسا کیوں چاہتی ہے؟" اسد نے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کھانا آرڈر کیا۔ البتہ شہریار فرصت سے اس کے سوالوں کے جواب دینے کے لیے تیار تھا۔

"خالو احسان قریشی ایک فرض شناس فوجی تھے۔ صنوبر پانچ سال کی تھی جب وہ شہید ہو گئے تھے۔ یہ وقت صنوبر اور رفعت خالہ کے لیے بہت کڑا تھا۔ احسان انکل اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ سو معاشی لحاظ سے کوئی بھی سہارا نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایسے میں خالہ نے خود آگے بڑھ کر حالات کا سخت مقابلہ کیا۔ امی جان چونکہ دوسرے شہر میں آباد تھیں تو اس لیے بہن کے حالات سے واقفیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ ایک دن خالہ بھی حالات سے لڑتے لڑتے اس دنیا سے چلی گئیں۔ اس طرح بارہ سال کی صنوبر ہمارے گھر آ گئی۔ پورے گھر میں ہم دونوں واحد بچے تھے تو ایجمنٹ ہونا فطری بات تھی۔ میرا بچپن کا خواب تھا سولجر بننا..... صنوبر سمیت سب ہی گھر والے واقف تھے۔ سو کسی کو بھی کوئی اختلاف نہ تھا مگر بابا کی اچانک ڈیتھ کے بعد صنوبر کے رویے میں اچانک بہت بڑی تبدیلی آئی۔ جس دن میں آرمی کا یونیفارم پہن کر اس کے سامنے آیا وہ مجھ سے شدید ناراض ہوئی اور چھوٹے موٹے جھگڑے کے بعد خود

Digitized by Google

ہی نارمل ہوگئی۔ مجھے لگا کہ شاید اس نے حقیقت کو تسلیم کرلیا ہے پر حقیقت میں وہ آج بھی میرے پروفیشن کے سخت مخالف ہے۔ مختصر یہ کہ اپنے پیاروں کو کھونے کے بعد صنوبر اپنا واحد قیمتی رشتہ یعنی مجھے نہیں کھونا چاہتی۔'' شہریار نے ساری بات اسد کے گوش گزار کرکے ٹھنڈی کولڈرنک کا گھونٹ لیا۔

''مگر تمہیں اس فیز سے نکلنے میں صنوبر کی مدد کرنی چاہیے۔ اسے یقین دلاؤ کہ تم اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔'' میجر اسد نے ساری بات سننے کے بعد اپنا خیال ظاہر کیا۔ شہریار نے چند لمحے میجر اسد کا چہرہ دیکھا۔

''تم جانتے ہو اسد ہم ان سرحدوں کے رکھوالے ہیں، موت ہر لمحہ ہمارے تعاقب میں رہتی ہے۔ جس بات کا مجھے خود یقین نہیں اس کا وعدہ میں صنوبر سے کیسے کرسکتا ہوں۔''

''ہوں......'' میجر اسد نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

''اور اگر تمہیں کچھ ہوگیا تو وہ حالات کا مقابلہ کیسے کرے گی؟ جیسے کہ ابھی تم نے بتایا، وہ تمہارے لیے بہت پوزیسو ہے۔ تو ایسے میں اسے کافی مشکلات کا سامان کرنا پڑے گا۔ جب کہ وہ تمہارے ساتھ ایک نئے رشتے میں بھی بندھ گئی ہے۔'' میجر اسد نے ایک نیا نقطہ اٹھایا۔

''جانتا ہوں...... اسی لیے میں چاہتا ہوں وہ مجھ سے زیادہ امیدیں نہ رکھے اور جہاں تک بات اس نئے رشتے کی ہے تو ڈیئر یہ خالصتاً اماں جان کا فیصلہ ہے۔''

''تو کیا تم صنوبر سے محبت نہیں کرتے؟'' میجر اسد الجھا۔

''کرتا ہوں...... بے پناہ کرتا ہوں اور اسی لیے چاہتا ہوں وہ ہمیشہ خوش رہے۔''

''اور ایسا کیسے ہوگا؟'' اس نے پوچھا تو شہریار نے چکن رول منہ میں رکھتے ہوئے اسد کو مسکرا کر دیکھا۔

''جب وہ میرے بنا جینا سیکھ لے گی۔''

''کیا یہ ممکن ہے؟'' اسد نے ایک بار پھر سوال کیا۔

''اس کی زندگی کا سب سے بڑا ڈر میں ہوں اور اگر میں ہی نہ رہا تو شاید مشکل سے ہی صحیح مگر وہ ضرور کسی اور کا ہاتھ تھام کر زندگی کی شاہراہ پر قدم ضرور رکھے گی۔''

''حیرت ہے لوگ تو اپنی محبت کے لیے مرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں اور تم خود اس کا ہاتھ کسی اور کے ہاتھ میں تھمانا چاہتے ہو۔'' میجر اسد شہریار کے خیالات جان کر حیران ہوا تھا۔ جواباً کیپٹن شہریار نے شانے اچکائے اور اپنی ساری توجہ کھانے کی طرف مبذول کردی تھی۔

بن بلائے جاتا ہے سوال نہیں کرتا
کیوں تیرا خیال آخر میرا خیال نہیں کرتا

''شیری پلیز لوٹ آؤ......''

''آنکھیں بند کرو۔ تمہارے آنکھیں کھولنے تک یہ ناچیز تمہارے سامنے ہوگا۔'' فون کے دوسری طرف موجود کیپٹن شہریار شرارت سے بولا۔

''پلیز شیری میں کسی مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' وہ ٹھنکی۔

''تو میں نے کب کہا یہ مذاق ہے۔ آئی پرامس تمہارا یقین ٹوٹنے نہیں دوں گا۔'' دوسری طرف وہ مان بھرے لہجے میں بولا۔ صنوبر نے دھڑکتے دل کے ساتھ آنکھیں بند کرلیں۔

''اب کھولو۔'' آواز فون کے بجائے قریب سے آئی تو صنوبر نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے وہ چہرے پر شرارتی مسکان لیے صنوبر کی حالت سے محظوظ ہورہا تھا۔ صنوبر کچھ پل بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ یقین ہونے پر دوڑ کر اس کے سینے سے آلگی۔

''ارے...... اتنی بے قراری، مجھے پہلے پتا ہوتا کہ کوئی ہمارے لیے اتنا بے چین ہے تو میں کب سے حاضر ہوجاتا۔'' وہ اس کے سر پر تھپکی دیتے ہوئے شرارت سے بولا۔ البتہ صنوبر اس کے فراخ سینے میں منہ چھپائے رونے میں مصروف تھی۔

''بس کردو پگلی اب رلائے گی کیا۔'' شہریار اسے خود

Digitized by Google

سے دور کرتا ہوا صوفے پر بیٹھا پھر اس کی رونی صورت دیکھی تو ہنس دیا۔

"ویسے یار کمال ہے..... میں جاؤں تو رونا میں آؤں تو رونا سچ سچ بتاؤ لڑکی آخر تم چاہتی کیا ہو؟" شہریار ہنوز غیر سنجیدہ تھا۔ صنوبر اب بھی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی جو تین ماہ بعد لوٹا تھا۔ پہلے سے بھی زیادہ خوش دکھائی دے رہا تھا۔

"ارے ہیلو..... اب ایسے ہی دیکھتی رہوگی یا کھانے پینے کو بھی کچھ ملے گا۔" شہریار چٹکی بجا کر صنوبر کو جیسے ہوش میں لایا اور صنوبر اپنی عقل پر ماتم کرتی کچن کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ شہریار نے شوز اتارے اور سلیپر پہن کر اماں جان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جانتا تھا صنوبر کھانا وہیں لے آئے گی۔

وہ اماں جان سے بیٹھا باتیں کررہا تھا کہ صنوبر کھانے کی ٹرے اٹھائے چلی آئی۔ کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو نے شہریار کی بھوک کو چمکایا۔

"ارے واہ....." اپنا پسندیدہ کھانا دیکھ کر شہریار خوش ہوا۔

"ویسے تمہیں کیسے پتا چلا میں آنے والا ہوں جو تم نے سارا کھانا میری پسند کا پکایا؟" کھانے سے انصاف کرتے ہوئے وہ سرسری لہجے میں بولا۔

"وہ اس لیے بیٹا کہ گھر میں تم موجود ہو یا نہ ہو یہ جھلی تیری ہی پسند کا کھانا پکاتی ہے۔" صنوبر کے بجائے اماں جان نے جواب دیا۔

شہریار کی بھوک یک لخت غائب ہوئی اس نے مزید ایک نوالہ لیے بنا اپنا ہاتھ کھانے سے کھینچ لیا تھا۔ "اتنی دیوانگی" وہ حقیقتاً پہلی مرتبہ صنوبر کے لیے بے حد پریشان ہوا تھا۔

اس شخص سے فقط اتنا سا تعلق ہے فراز
وہ پریشان ہو تو ہمیں نیند نہیں آتی

شہریار کی چھٹیاں ختم ہوئیں تو وہ واپس چلا گیا۔ صنوبر کو ایک دفعہ پھر سے تنہائی کا احساس ہوا مگر اماں جان نے شادی کی تاریخ تین ماہ بعد کی رکھی تھی اس لیے صنوبر آنے والے خوش آئند دنوں کا سوچ کر پرسکون ہوگئی مگر قسمت نے شاید اس دفعہ کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا۔

"او مائی گاڈ..... یہ بھارت کی کوئی خفیہ چوکی ہے۔ یہ آج سے پہلے ہمیں نظر کیوں نہ آئی؟ یہ لوگ یہاں کیا کررہے ہیں؟" کیپٹن شہریار نے حیرت سے پہاڑوں کے درمیان بنی اس خفیہ چوکی پر حملے کی تیاری میں مصروف دشمن کو دیکھ کر طیش سے اپنی مٹھیاں بھینچیں۔

"شاید حال ہی میں بنائی ہے۔ سر اب دشمن ہم پر حملے کی تیاری میں مصروف ہے۔" لیفٹیننٹ احمد اکرام پریشانی سے گویا ہوا۔

"اگر ایسا ہے تو ہمیں ہیڈ کوارٹر خبر کرنا ہوگی۔" کیپٹن شہریار نے جیپ کے پاس آکر مختصراً ہیڈ کوارٹر میں اطلاع دی اور احمد کے ساتھ محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگا۔

کیپٹن شہریار معمول کے مطابق اپنے ساتھی کے ساتھ علاقے کی گشت پر نکلا تو پہاڑوں کے درمیان ہوتی ہلچل نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ جیپ وہیں چھوڑ کر آگے بڑھے تھے۔ سامنے دشمن گھات لگائے بیٹھا تھا۔ اپنی سرزمین پر دشمن کے ناپاک قدموں کو دیکھ کر ان کا خون کھول اٹھا تھا۔ کیپٹن شہریار اپنے ساتھی کے ساتھ نہایت محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ گھوم پھر کر وہ اس مقام کا جائزہ لے رہے تھے۔ اونچے پہاڑ اور جھاڑیوں کی وجہ سے وہ اب تک کسی کی نگاہ میں نہ آئے تھے۔ وہ لوگ گنتی میں پانچ تھے۔ دستی بم اور جدید اسلحہ ان کے پاس وافر مقدار میں موجود تھا۔ وقت کافی گزر گیا تھا۔ کیپٹن شہریار اب مزید دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ مزید دیر کیے بغیر لیفٹیننٹ احمد اکرم کو وہیں چھوڑ کر خود آگے بڑھ گیا تھا۔

"شش..... شہریار..... شیری..... میری بات سنو کہاں جارہے ہو۔ رکو پلیز تمہیں پتا ہے ناں میں تمہاری ناراضی برداشت نہیں کرسکتی۔" وہ روہانسی ہوئی۔ "میں وعدہ کرتی

URDU TUBE
Digitized by Google

ہوں شیری اب تم سے کبھی جھگڑا نہیں کروں گی۔ پلیز رک جاؤ۔" وہ اس کے تیز قدموں سے قدم ملانے کی کوشش میں ہلکان ہوتی اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ اس کے رونے اور چلانے کا شہریار پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی رفتار سے آگے بڑھتا رہا۔ بالآخر بھاگ کر اس نے شہریار کی کلائی پکڑی اور اس کا رخ اپنی جانب کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ڈر کر اس اجنبی سے دور ہوئی۔

"کون ہو تم اور شہریار کہاں ہے؟" اور مقابل کو خوف زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ سامنے کھڑے قطعی اجنبی شخص نے اس کی پشت کی جانب اشارہ کیا۔ وہ ایک جھٹکے سے پلٹی زمین پر سفید لبادے میں لپٹا ایک وجود پڑا تھا۔ صنوبر نے کانپتے ہاتھ سے کپڑا ہٹایا۔

"نن..... نہیں....." وہ ہیجانی انداز میں چیختے ہوئے دو قدم پیچھے جا گری۔ سفید لباس میں خون سے لت پت وہ شہریار ہی تھا۔ سارا جنگل صنوبر کی دلخراش چیخوں سے گونج اٹھا تھا۔

دشمن پوری تیاری میں تھا۔ وہ کسی بھی وقت حملہ کر سکتا تھا۔ ایک بات جو کیپٹن شہریار کے حق میں بہتر ثابت ہوئی۔ وہ دشمن کی ذات سے بے خبری تھی۔ دشمن اپنی طرف سے مکمل اوٹ میں چھپا یہ اطمینان کیے بیٹھا تھا کہ اسے دیکھ لیا جانا ناممکن ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ نہ صرف اسے دیکھ لیا گیا ہے بلکہ موت اس کے تعاقب میں چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہے۔ کیپٹن شہریار جھاڑیوں کی اوٹ سے ہوتا ہوا دشمن کے قریب پہنچ گیا تھا۔ ایک نظر ان دشمنوں پر ڈالی۔ وہ تعداد میں پانچ تھے۔ شہریار نے مسکرا کر ان کے پاس پڑے دستی بموں کو دیکھا۔ کچھ سوچ کر چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ آئی۔ اس سے پہلے وہ کوئی ایکشن لیتا اپنی خاکی وردی کی سائڈ پاکٹ سے اپنا والٹ نکالا۔ کھولنے پر ایک دلکش چہرہ نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

"آئی لو یو مائے لائف....." کہتے ہی تصویر پر لب رکھ دیے۔

ہزاروں جانیں بھی ہوں تو قربان تیرے لیے
اے وطن تو مجھے اپنی جان سے بھی پیارا ہے

مسکراتے ہوئے والٹ کو واپس اس کی جگہ پر رکھا اور اپنی رائفل کا رخ دشمن کی طرف کر دیا۔ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیے وہ دشمن کے پرخچے اڑا گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فضا زوردار دھماکوں کی آواز سے گونج اٹھی۔ دشمن اپنے تمام تر غلط ارادوں سمیت نیست و نابود ہو گیا تھا۔ دھماکوں کی زد میں آ کر کیپٹن شہریار کا وجود کئی فٹ دور جا گرا۔ خون میں لت پت جو آخری منظر اس پاک وطن کے جانباز سپاہی نے دیکھا وہ دشمن کی چوکی کا تباہ ہونا تھا۔

انگلیاں کاٹ کر ہیں بنائے قلم
لوح خالی رہے اب یہ ممکن نہیں

لبوں پر جاری کلمہ اور نگاہوں میں متبسم چمک لیے کیپٹن شہریار کا سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا۔ جب تک میجر اسد اپنی ٹیم کے ساتھ وہاں پہنچے کیپٹن شہریار دشمنوں کو ان کے منطقی انجام تک پہنچا کر جام شہادت نوش کر گئے تھے۔ میجر اسد نے آگے بڑھ کر ان کی آنکھوں کو بند کیا۔ جو مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں جو عہد کیا تھا وہ ہم نبھا گئے۔

"سر یہ کیپٹن شہریار آپ کے لیے دے گئے تھے۔" لیفٹیننٹ احمد اکرام نے ایک انگوٹھی میجر اسد کی جانب بڑھائی۔

"آئی ایم پراؤڈ آف یو میرے یار۔" میجر اسد نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور کیپٹن شہریار کے جسد خاکی کو سلیوٹ پیش کیا۔ انہیں دیکھ کر باقی سب نے بھی ان کی تقلید کی اور سب نے پیشانی پر ہاتھ لے جا کر کیپٹن شہریار شہید کو سلیوٹ پیش کیا تھا۔

وحشت زدہ چہرہ نم آنکھیں بکھرے بال اور اجڑا ہوا حلیہ شانے پر جھولتا ڈوپٹا جو اس کے غم میں برابر کا شریک تھا۔ وہاں موجود لوگوں نے تعجب و ملال سے اس دیوانی کو دیکھا تھا۔ جو غم کی مکمل تفسیر بنی وہاں پہنچی تھی۔ لوگوں نے ایک طرف ہو کر اسے راستہ دیا۔ جواب بھی بے یقین تھی مگر

Digitized by Google

سامنے سبز ہلالی پرچم میں لپٹا وجود چیخ چیخ کر اسے حقیقت بتا رہا تھا کہ جو دل کی دھڑکن تھا۔ وہ اپنے ابدی سفر پر روانہ ہوگیا ہے۔ وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پیچھے ہٹی اور پھر تیورا کر زمین پر گری اور ہوش خرد سے بیگانہ ہوگئی۔ جب تک صنوبر کو ہوش آیا کیپٹن شہریار شہید کو پوری شان و شوکت کے ساتھ سپرد خاک کردیا گیا تھا۔

......

ہر حال میں ہر دور میں تابندہ رہوں گا
میں زندہ جاوید ہوں پائندہ رہوں گا
تاریخ میرے نام کی تعظیم کرے گی
تاریخ کے اوراق میں آئندہ رہوں گا

''کیپٹن شہریار...... نو دسمبر دو ہزار انیس کو تعیناتی کے دوران دشمن فورس کی خفیہ چوکی کو تباہ کرنے کے دوران شہید ہوئے۔ وہ قوم پاکستان کا ایک عظیم سرمایہ تھے۔ انہیں جس بھی محاذ پر بھیجا گیا۔ ہمیشہ ملک کا نام بلند کرتے ہوئے سرخرو لوٹے۔ انہوں نے اپنی سروس کے تین سال نہایت ہی جانفشانی سے بہادری اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دم آخر دشمن کو شکست دی بلکہ دشمن کے ایک اہم منصوبے کو نیست و نابود کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ ملک و قوم کو اپنے اس عظیم بیٹے پر ہمیشہ فخر رہے گا۔ بات صرف کیپٹن شہریار شہید کی نہیں ہے۔ ہمارے ملک' اس عظیم مملکت پاکستان میں آئے روز ایسے بے شمار بہادر بیٹے جنم لیتے ہیں اور جام شہادت نوش فرماتے ہیں۔ آج دشمن ہم سے خائف ہے تو یقیناً صحیح خائف ہے۔ کیونکہ ہمارے ان بہادر نوجوانوں نے نہ صرف اپنی سرحدوں پر کھڑے ہو کر دشمنوں کو شکست دی ہے بلکہ ضرورت پڑنے پر دشمن کے گھر میں گھس کر اور اسے شکست سے دوچار کیا ہے۔ آج ایک بار پھر یہ ثابت ہوا کہ ہم ایک بار نہیں' بار بار دشمن کو شکست دیں گے۔ جب بھی وہ میلی آنکھ سے ہماری پاک سرزمین کی طرف دیکھے گا' ہمارے یہ جانباز شاہین اس کی وہ آنکھیں ہی نوچ ڈالیں گے۔''

لوگوں کی لمبی قطار میں متانت و سادگی کا پیکر بنی وہ بڑی آنکھوں سے شہریار کے اعزاز میں کہے گئے ان الفاظ کو سن رہی تھی۔ میزبان کے خاموش ہوتے ہی نہ رکنے والی تالیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ وہ اکیلی نہیں تھی بلکہ اس جیسے کئی اور لوگ بھی یہاں موجود تھے۔ جنہوں نے اپنے پیاروں کو اس ملک پر قربان کیا تھا۔ اپنے نام کی پکار پر وہ خاموشی سے اٹھ کر مائیک کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''شیری...... شہریار......'' اس کا نام لیتے ہی آنسو موتیوں کی طرح گالوں پر بہنے لگے۔ ''کسی بھی بچے سے پوچھا جائے کہ وہ بڑا ہو کر کیا بننا چاہتا ہے۔ تو شاید نہیں یقیناً اس کا ایک ہی جواب ہوگا فوجی' ایسا ہی جواب ہمیشہ اس کی زبان پر رہتا تھا۔ کہتے ہیں لگن اگر سچی ہو تو راستے خود بخود بنتے چلے جاتے ہیں۔ شہریار کی بھی لگن سچی تھی اسی لیے وہ ہر رکاوٹ کو عبور کرتا ہوا اپنے خوابوں کی سرزمین پر جا پہنچا۔ ایسے میں اگر کوئی مخالف تھا تو صرف میں تھی۔ ہر عام عورت کی طرح میں بھی چاہتی تھی کہ رات ہوتے ہی میرا شوہر گھر واپس لوٹ آئے مگر وہ جس نگری کا باسی تھا' وہاں ایسا ہونا ناممکن تھا۔ اسی لیے ہمارے کئی جھگڑے بھی ہوئے۔ آپ سب شاید اسے میری خود غرضی کہیں مگر میں نے یتیمی کی زندگی گزاری تھی۔ اپنی ماں کو مشقت کی چکی میں پستے دیکھا تھا۔ اسی لیے میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ آرمی میں جائے۔ پر آج جب وہ ہم میں نہیں ہے۔ مجھے احساس ہوتا ہے کہ کاش میں اس سے کبھی نہ جھگڑتی۔ مختصر سی تو وہ زندگی لایا تھا اور وہ ہی میرے خوف کی نذر ہوگئی۔ میں اگر پوری طرح غلط نہیں تو صحیح بھی نہیں تھی۔ ہمارے ملک میں آئے دن لوگ دہشت گردی' ٹارگٹ کلنگ' روڈ ایکسیڈنٹ میں مرتے ہیں۔ اس کی زندگی اتنی ہی تھی۔ وہ اگر شہید نہ ہوتا تو کسی اور طریقے سے مر جاتا۔ موت اگر آنی ہے تو کیوں نہ اپنے ملک و قوم پر نثار ہوا جائے۔ آج مجھے فخر ہے شہریار شہید پر اس کی کزن اس کی ساتھی ہونے پر اور یہ فخر قیامت تک ہماری گردنوں کو ان شہیدوں کی بہنیں' بیٹیاں' مائیں اور بیویاں ہونے پر سربلند رکھے گا۔ آج نا صرف میں ایک شہید کی کزن بلکہ ایک غازی کی بیوی بھی ہوں۔ خدا اگر

Digitized by Google

مجھے سوزندگیاں بھی دے تو میں ان سپاہیوں کو ہی اپنے لیے چنوں گی۔" ایک نظر ہال میں موجود خاموش افراد پر ڈالی۔ "آئی ایم پراؤڈ آف یو کیپٹن شہریار شہید اینڈ پاک آرمی۔" وہ تالیوں کی گونج میں اسٹیج سے نیچے اتری اور چلتے ہوئے میجر اسد کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی۔ میجر اسد نے مسکرا کر اپنی شریک حیات کو دیکھا۔

❀.....❀.....❀

کیپٹن شہریار کے بچھڑنے کا غم اس کے لیے معمولی نہ تھا۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوگیا تھا۔ وہ ایک ہفتہ اسپتال میں رہنے کے بعد گھر لوٹی تھی۔ جسمانی گھاؤ بھر گئے تھے مگر جو دھچکا دل کو لگا تھا اس سے سنبھلنے کے لیے ایک طویل عرصہ درکار تھا۔ وہ اپنے غم میں اس قدر مدہوش تھی کہ اماں جان کو یکسر بھلائے ہوئے تھی مگر ہوش جب آیا تب وہ بستر مرگ پر جا پہنچیں تھیں۔ ان کی صرف ایک ہی خواہش تھی کہ وہ صنوبر کو رخصت کردیں۔ تب ہی میجر اسد کے والدین اس کا پروپوزل لائے تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔ اس کو کسی صورت قائل ہوتا نہ دیکھ کر میجر اسد نے خود بات کرنے کی ٹھانی۔

"اگر آپ بھی باقی سب کی طرح مجھے قائل کرنے آئے ہیں تو میرا جواب وہی ہے جو میں باقی سب کو دے چکی ہوں۔" وہ اکھڑی اکھڑی سی میجر اسد کے روبرو کھڑی تھی۔

"اگر میں کہوں یہ ہم سب کے ساتھ ساتھ شہریار کی بھی خواہش تھی تو....."

"مطلب.....؟"

"مطلب یہ کہ اگر شہریار بھی چاہتا ہو کہ آپ مجھ سے شادی کرلیں تو کیا آپ تب بھی انکار کریں گی؟"

"اور آپ کو کیسے پتا چلا کہ شہری بھی یہی چاہتا تھا؟" اس کے نخوت سے کہنے پر میجر اسد نے ہتھیلی کھول کر شہریار کی دی ہوئی انگوٹھی سامنے کردی۔

"شہید ہونے سے پہلے یہ انگوٹھی شہریار نے مجھ تک پہنچائی تھی اور کیوں پہنچائی تھی۔ یہ آپ مجھ سے بہتر جانتی ہوں گی۔ اگر آپ پھر بھی انکار کرنا چاہتی ہیں تو ہم سب آپ کو فورس نہیں کریں گے۔" وہ انگوٹھی کو میز پر رکھ کر صنوبر کے کمرے سے چلا گیا تھا۔ وہ سکتہ زدہ سی انگوٹھی کو گھور رہی تھی جو اس نے خود شہریار کی انگلی میں پہنائی تھی۔

"اگر مجھے کچھ ہوجائے یا کسی وجہ سے ہم مل نہ پائیں تو وعدہ کرتا ہوں یہ انگوٹھی میں ایسے شخص کو سونپ کر جاؤں گا جو تمہارا مجھ سے بھی زیادہ خیال رکھے۔" فیصلہ مشکل تھا مگر ہوگیا تھا۔ ایک چھوٹی سی تقریب رکھ کر اسے میجر اسد کے نام کردیا گیا تھا۔

"میری وفائیں، میرا وجود آخری سانس تک آپ کے ساتھ رہے گا۔ میں ہمیشہ آپ کی وفادار رہوں گی مگر دل میں شاید ہی آپ کو وہ مقام دے پاؤں جو شہریار کا میری زندگی میں تھا۔ اس لیے ہوسکے تو مجھے اس کے لیے معاف کردیجیے گا۔" عروسی جوڑے میں سادگی سے سجی ہوئی صنوبر نے فقط اتنا ہی میجر اسد سے کہا تھا جواباً وہ اس کا ہاتھ تھام کر متانت سے گویا ہوئے۔

"مجھے تمہارے دل میں نہیں فقط تمہاری آنکھوں میں اپنا عکس چاہیے کیونکہ آنکھیں دل کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔" میجر اسد کی زندگی میں شامل ہوکر وہ حقیقتاً کچی خوشیوں سے روشناس ہوئی تھی۔ اس نے اپنے اندر تحمل اور ٹھہراؤ کو اترتے پایا تھا۔

کبھی پرچم میں لپٹے ہم، کبھی ہم غازی ہوتے ہیں
جو ہو جاتی ہے ماں راضی، تو بیٹے شہید ہوتے ہیں

بیک گراؤنڈ میں نغمہ گونج رہا تھا۔ صنوبر نے آہستگی سے اپنا سر میجر اسد کے کاندھے پر ٹکا دیا۔ میجر اسد نے چونک کر اسے دیکھا اور مطمئن ہوکر اپنے مضبوط بازوؤں کا حصار اس کے گرد تان دیا۔ شہریار نے ایک انمول موتی ان کے حوالے کیا تھا، جس کی تاعمر حفاظت انہیں سیپ بن کر کرنا تھی۔

❀

www.naeyufaq.com

Digitized by Google

پرچھائیں

سیدہ مسزنہ

وہ اپنے اردگرد سے بے نیاز خود میں مگن چلی جارہی تھی۔ حالات نے اسے ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا کہ وہ ہر کسی سے ناآشنا ہوچکی تھی۔ حتیٰ کہ خود سے بھی۔ اسی مدہوشی میں وہ کب سامنے سے آتی گاڑی سے ٹکرائی اسے پتا ہی نہ چلا۔ وہ بھی کوئی شریف آدمی تھا جو اس حالت میں روڈ پر چھوڑنے کے بجائے اسے ہسپتال میں لے آیا تھا۔ اپنے موبائل پر آتی کال کو نظرانداز کرتے وہ صرف اس کے ہوش میں آنے کا منتظر تھا۔

نیہا کو ہوش میں آتا دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔

"میں کہاں ہوں؟" نیہا نے ہوش میں آتے ہی پوچھا۔

"یہ ہسپتال ہے۔" اس نے کھنکھارتے ہوئے کہا۔ ہسپتال کا سن کر وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "میں یہاں کیسے آئی اور آپ کون ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"آپ تو شاید سڑک پر سیر کرنے کے ارادے سے نکلی تھیں اور میری گاڑی کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ اب اگر آپ اجازت دیں تو میں چلا جاؤں۔" ریان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"سوری مجھے دھیان نہیں رہا۔"

"نو ایکسیوز اب بس آپ جلدی سے اٹھ جائیں تاکہ میں بھی جاسکوں۔" وہ اسے لے کر کاؤنٹر پر آیا ڈسچارج سلپ لینے۔ نیہا نے ہسپتال کو دیکھا وہ کافی بڑا ہسپتال تھا۔ ضرور اس کا بل بھی بہت زیادہ ہوگا۔ اس نے اپنے پرس میں دیکھا اس کے پاس ہزار روپے تھے۔ کاؤنٹر پر موجود شخص نے سلپ اس کی طرف بڑھائی تو اس نے خاموشی سے لے لی۔

"آٹھ ہزار روپے.....!" اس نے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کا تاثر ابھرا جسے دیکھ کر ریان کو کہنا پڑا۔

"یہ بل میں دے چکا ہوں اب آپ گھر چلیں۔" لیکن اس کے یہ کہنے سے نیہا کی پریشانی اور بڑھ گئی۔

"آپ نے یہ کیوں کیا؟" اس نے غصے سے کہا پھر اس کی طرف وہ رقم بڑھائی جو اس کے پاس تھی۔

"میرے پاس ابھی یہ ہیں آپ یہ رکھ لیں۔ باقی پیسے میں آپ کو آدھے گھنٹے میں دیتی ہوں۔ ویسے بھی میری ماما میری منتظر ہیں اور میں پہلے ہی کافی دیر سے یہاں ہوں۔"

"دیکھیں محترمہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔" لیکن وہ اس کی بات سنے بغیر تیزی سے آگے بڑھ گئی ناچار ریان کو بھی اس کے پیچھے جانا پڑا تھا۔

❁......❁......❁

نیہا اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر اپنے گھر کا راستہ سمجھانے لگی تھی۔ علاقے کو دیکھ کر اس نے یہ بات جان لی تھی کہ وہ ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک گھر کے اندر داخل ہوکر وہ چند منٹ بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں مطلوبہ رقم تھی۔

"پلیز ایسا نہ کریں کروڑوں کا بزنس کرنے والا بندہ ہزاروں لیتا ہوا اچھا نہیں لگے گا۔" ریان نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کا کروڑوں کا بزنس ہو یا اربوں کا۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، جس کو اس سے فرق پڑے آپ اس سے رابطہ کریں آپ جاسکتے ہیں۔" وہ پلٹنے لگی تو اس نے کہا۔

"میرا نام ریان حسن ہے، حیرت کی بات ہے آپ کو اپنے محسن کے نام میں بھی انٹرسٹ نہیں۔" نیہا نے جھٹکے سے دروازہ بند کیا اور وہ اس کی بداخلاقی پر سر جھٹک کر مڑ گیا تھا۔

❁......❁......❁

بشریٰ حسن اپنے بیٹے ریان حسن کی شادی علیزے منصور سے کرنا چاہتی تھیں جو ان کے مرحوم شوہر بلال حسن

Digitized by Google

کے بزنس پارٹنر بھی تھے۔ بلال حسن کی منصور علی کے ساتھ ففٹی پرسنٹ کی پارٹنرشپ تھی۔ انہوں نے اپنا بزنس پاکستان کے علاوہ لندن میں بھی پھیلا رکھا تھا جسے اب ان کا اکلوتا بیٹا ریان حسن سنبھال رہا تھا۔ وہ لندن مہینے میں صرف ایک بار جاتا' وہاں کا بزنس زیادہ تر منصور علی ہی سنبھالتے تھے۔ علیزے منصور ایک شوخ مزاج' باتونی اور ضدی لڑکی تھی۔ اس کی اور ریان کی عادتیں بھی بہت ملتی تھیں' وہ دونوں لندن میں ساتھ ہی پڑھے تھے اور ایک دوسروں کی عادتوں سے بھی بخوبی واقف تھے۔ ریان گھر میں داخل ہوا تو اس کی منتظر بشریٰ بیگم اس پر برس پڑیں۔

"ریان...... تمہیں کچھ یاد بھی ہے صبح آٹھ بجے نکلے تھے علیزے کو لینے کے لیے وہ بے چاری دو گھنٹے تک تمہارا وہاں انتظار کرتی رہی لیکن تم تو وہاں پہنچے ہی نہیں اور اب آرہے ہو۔"

"آپ مجھ پر غصہ کرنا چھوڑیں گی تو بتاؤں گا ناں کہ ہوا کیا تھا۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔ "دراصل ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔"

"کیا......؟" بشریٰ بیگم نے پریشانی سے اس کو دیکھا۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا لیکن میری گاڑی سے ایک لڑکی ٹکرا گئی تھی بس اسی کو لے کر ہسپتال گیا' تین چار گھنٹے وہاں لگ گئے۔ اس قدر ٹینشن میں تھا کہ آپ لوگوں کی کال بھی اٹینڈ نہیں کرسکا۔" اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اب وہ لڑکی تو ٹھیک ہے بھائی؟" رمشہ نے پوچھا۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہے' چھوٹا سا ایکسیڈنٹ تھا۔"

"سنو تم علیزے سے مل لینا۔" بشریٰ بیگم نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر چلا گیا۔

اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے وہ پیسے نکالے جو تیمہا نے اس کو دیے تھے' اس نے وہ لفافے میں ڈال کر رکھ دیے وہ ان کو استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

Digitized by Google

"مجھے یقین ہے تم مجھے چار دن نہ سہی لیکن دو دن ضرور یاد رکھوں گی۔" اس نے سوچا۔

"تم نے سارے پیسے دے دیے اسے۔" رقیہ بیگم نے اس سے پوچھا۔

"جی امی کیا کرتی ہسپتال کا خرچا ہی اتنا زیادہ تھا آپ فکر نہ کریں میں گھر کے خرچے کے لیے آفس سے کچھ پیسے ایڈوانس لے لوں گی۔" عیبہا انہیں تسلی دی۔

"نہیں رہنے دو۔ مہینے کا آخر ہے جیسے تیسے گزر ہی جائے گا تم بتاؤ کسی کیا پریشانی تھی جو تمہاری یہ حالت ہوئی؟" انہوں نے عیبہا کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں' کائنات ابھی تک یونی سے نہیں آئی؟" اس نے بات بدلنے کی خاطر کہا۔

"کل تم نے احسن کو کال کی تھی تو اس نے فون اٹھایا۔ مجھ سے سچ بولنا عیبہا۔ اب کوئی جھوٹ نہیں چلے گا۔" انہوں نے غصے سے پوچھا۔

"ہاں اٹھایا تھا مگر اس بار اس نے نہیں اس کی بیوی نے....." عیبہا کہہ کر ان کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی رقیہ بیگم اس کی بات سن کر حیران رہ گئی تھیں۔

احسن جنید سے اس کی منگنی چار سال پہلے ہوئی تھی۔ احسن امریکہ جانے کے بعد چھ ماہ تک عیبہا سے رابطہ میں رہا پھر آہستہ آہستہ اس نے کال کرنا چھوڑ دی عیبہا ہی کال کرتی کبھی اٹھا لیتا اور کبھی نہیں' وہ عیبہا سے اپنی مصروفیات کا ذکر ہی کرتا رہتا۔ اس نے وہاں ایک پاکستانی لڑکی سے شادی کر لی تھی اور عیبہا کو اس کا پتا بھی نہیں لگنے دیا تھا۔ وہ اب بھی عیبہا کو آسرے میں رکھنا چاہتا تھا لیکن کل اچانک اس کی شادی کا پتا چل ہی گیا اور عیبہا کو لگا جیسے اس کی زندگی کے چار سال لاحاصل گزر گئے ہوں۔

ریان آفس جانے کے لیے صبح جلدی اٹھ کر تیار ہو گیا تھا۔ بشریٰ بیگم ناشتے پر اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ جب آیا تو بشریٰ بیگم نے بغور اسے دیکھا۔

"تم آج بھی آفس جاؤ گے۔" انہوں نے کہا تو اس نے حیرانی سے اپنی ماں کا دیکھا۔

"کیوں آج ایسا کیا ہے؟ جو آپ یہ سوال کر رہی ہیں۔" ریان نے حیران ہو پوچھا۔

"طلیز سے آئی ہوئی ہے' تمہیں اسے آؤٹنگ پر لے جانا چاہیے' وہ کبھی کبھی تو پاکستان آتی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"ویک اینڈ پر لے جاؤں گا مما آپ فکر نہ کریں۔ اچھا میں اب چلتا ہوں۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا۔

"سنو گاڑی دھیان سے چلانا کہیں دوبارہ کل والی غلطی نہ کرنا۔"

"اوہ مما..... وہ میری غلطی نہیں تھی۔ اس لڑکی کی تھی جو سڑک کو ایک کھلا میدان سمجھ کر چل رہی تھی۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"اچھا پھر بھی خیال رکھنا۔" بشریٰ بیگم اسے دیکھ کر مسکرائیں۔ سارے راستے اس کی نظریں اس لڑکی کو ڈھونڈتی رہیں لیکن وہ کہیں بھی نظر نہیں آئی تھی۔

وہ صبح آفس جانے کے لیے اٹھی تو اس وقت کائنات گہری نیند سو رہی تھی۔ اس نے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا اور ناشتہ کر کے آفس کے لیے روانہ ہو گئی۔ وہ کافی دیر سے کھڑی بس کا انتظار کر رہی تھی۔ جب ہی اس کے سامنے ایک گاڑی آ کر رکی تو وہ حیران ہوتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"السلام علیکم۔" ریان نے اس کے قریب آ کر کہا تو عیبہا اس کو حیرت سے دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا رہا تھا اور وہ جواب دینے کے بجائے مسلسل روڈ پر دیکھ رہی تھی۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس کی بالکل خاموشی پر ریان نے سوال کیا۔

"آپ کے سامنے ہی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوئی تھی اور جہاں تک مجھے یاد ہے ڈاکٹر نے کہا تھا..... شی از فائن۔ تو اب اس سوال کا کوئی جواز نہیں بنتا۔"

Digitized by Google

"ویسے آپ میرا سیدھے سادے سوال کا سیدھا جواب بھی تو دے سکتی تھیں۔ اپنے راستوں کی طرح ٹیڑھا میڑھا جواب دینے کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔ نیہا نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اچھا چھوڑیں میں اپنے آفس جارہا تھا۔ آپ کو یہاں دیکھا تو آگیا سوچا کہ آپ کہیں پھر سے ایکسیڈنٹ نہ کرالیں۔" ریان نے ہنستے ہوئے کہا وہ اسے مسلسل تپا رہا تھا اور وہ غصہ ضبط کرتے سرخ ہورہی تھی۔

"اوہ میری بس......" اپنے سامنے سے بس کو گزرتا دیکھ کر وہ بولی۔ "ارے روکو۔" مگر اب وہ اتنی دور تھی کہ وہ بس کو صرف جاتا ہی دیکھ سکتی تھی۔ اسے ریان پر شدید غصہ آیا۔

"آپ کہیں تو میں آپ کو آفس چھوڑ دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"نہیں۔ آپ جائیں رکشہ......" نیہا نے سختی سے کہا اور کچھ دور کھڑے رکشے والے کو آواز دی پھر ریان کو حیران چھوڑ کر اس میں بیٹھ کر چلی گئی۔ ریان ہنستے ہوئے اسے جاتا دیکھتا رہا پھر اسے پتا نہیں کیا سوجھی وہ گاڑی میں بیٹھ کر اس رکشے کا تعاقب کرنے لگا۔ نیہا اس کے برابر والی کمپنی میں چلی گئی تو وہ کچھ دیر حیران کھڑا رہا۔

"یہ یہاں کام کرتی ہے اتنا قریب۔" اس نے سوچا۔

نیہا سارا دن کام میں مصروف رہی لیکن اس دوران بھی ریان کے خیال نے بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ کتنی بار سر جھٹک کر اس نے اس خیال کو دور کرنا چاہا پر اس کی شخصیت اتنی پُرکشش تھی کہ ہر بار وہ ناکام ہوجاتی تھی۔ بلآخر تھک کر اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ ابھی تو دل کا ایک زخم نہیں بھرا تھا کہ اچانک یہ دوسرا شخص آ گیا تھا اور کیوں؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ شام کو جب وہ آفس سے نکلی تو اس نے چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں ریان تو اس کے انتظار میں نہیں کھڑا اور اسے نہ پاکر اسے ذرا سا اطمینان بھی ہوا اس لیے تیز قدموں سے چلتی ہوئی وہ بس اسٹاپ پرآ کھڑی ہوئی اور بس کا انتظار کیے بغیر ہی وہ پاس سے گزرتے رکشہ کو ہاتھ سے روکتی اس میں سوار ہوگئی تھی۔

❀ ❀ ❀

ثمینہ بیگم کے شوہر سکندر قریشی دس سال سے کینیڈا میں کام کرتے تھے۔ صرف عید تہوار پر ہی پاکستان آتا تھا وہ ہر مہینے ایک اچھی خاصی رقم اپنی گھر والوں کے لیے بھجواتے تھے۔ دونوں بچے اتنے قابل اور سمجھدار تھے کہ ان پیسوں میں سے بھی ثمینہ بیگم بہت کچھ بچا لیتیں۔ اذلان اور تانیہ دونوں یونیورسٹی میں پڑھتے تھے اور اب ان لوگوں نے اپنا گھر بھی خرید لیا تھا اذلان کی تعلیم بھی مکمل ہونے والی تھی وہ چاہتا تھا کہ وہ بھی کینیڈا میں سیٹل ہوجائے اس لیے ثمینہ اذلان کو جلد سے جلد کینیڈا بھیجنا چاہتی تھیں۔

دوپہر کے کھانے پر ساری فیملی موجود تھی۔ آج صبح ہی یونی میں کائنات نے تانیہ کو نیہا کی منگنی ٹوٹنے کا بتایا تھا وہ اسی بات کو لے کر اداس تھی۔

"مما آج مجھے کائنات بتارہی تھی کہ اس کی بہن کی منگنی ٹوٹ گئی ہے چار سال پرانی منگنی تھی اور اس شخص نے تو وہاں شادی بھی کرلی بے چاری بہت پریشان ہے اب اس کی بہن کا کیا ہوگا؟ اس کے چار سال برباد ہوگئے۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"بس تانیہ اب چپ چاپ کھانا کھاؤ تمہیں ضرورت نہیں ہے دوسروں کی فکریں پالنے کی۔" ثمینہ بیگم نے غصے سے کہا۔

"لیکن مما وہ میری دوست کی بہن ہے کوئی غیر نہیں۔"

"ان کو پریشان نہیں ہونا چاہیے نیہا تو بہت اچھی لڑکی ہے اس کو تو کوئی بھی اچھا شخص مل سکتا ہے اور جلد مل جائے گا۔" اذلان نے کہا تو ثمینہ بیگم نے اسے دیکھا۔

"تم دونوں اتنی فضول باتیں کررہے ہو آئندہ اپنی دوستوں کا یا ان کے گھر والوں کا یہاں ذکر نہ کرنا۔" انہوں نے تانیہ کی طرف دیکھ کر کہا جو حیران ہوکر اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی۔ ثمینہ بیگم غصے سے اٹھ کر چلی گئیں لیکن اذلان سمجھ گیا کہ وہ اپنے اس رویہ سے اذلان کو آگے بڑھنے سے

Digitized by Google

روکنا چاہ رہی تھیں لیکن انہیں اس بات کا اندازہ تک نہ تھا کہ وہ آگے تو کب کا بڑھ چکا ہے بس اب پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ کھانے کے بعد اذلان تانیہ کے کمرے میں آیا تاکہ اس سے بات کر سکے لیکن وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"تم یہاں منہ بنا کر کیوں بیٹھی ہو تانیہ؟" اذلان اس کو خاموش بیٹھا دیکھ کر بولا وہ کافی دیر سے پریشان بیٹھی تھی۔

"کچھ نہیں بھائی..... بس مما دوسروں کو صرف اپنی نظر سے دیکھتی ہیں اور اسی پر یقین کر لیتی ہیں۔" تانیہ نے کہا۔

"کیا مطلب..... تم کہنا کیا چاہ رہی ہو کھل کر کہو۔" اذلان نے حیران ہو کر کہا۔

"وہ مجھے کائنات کے گھر نہیں جانے دے رہیں پرسوں پیپر ہے میں تیاری کیسے کروں گی اب یونی آف ہے۔" تانیہ نے ساری بات اسے بتائی وہ تو خود بھی پوچھنے آیا تھا کہ وہ کائنات کے گھر کیوں نہیں جا رہی لیکن اس کے پوچھنے سے پہلے ہی اسے علم ہو گیا کہ وجہ کیا ہے۔

"تم تیار ہو جاؤ میں تمہیں کائنات کے گھر چھوڑ کر آتا ہوں۔" اس نے کہا تو تانیہ کھل اٹھی پھر وہ تیار ہو کر اذلان کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

❁.....❁.....❁

ریان اسلام آباد اکیلا آنا چاہتا تھا لیکن بشریٰ بیگم نے علیزے کو بھی اس کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ وہ اب بھی اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ دراصل وہ اسے کسی آسرے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ علیزے بھی یہ بات بخوبی محسوس کر رہی تھی۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آتا اب تم اتنے خاموش کیوں رہنے لگے ہو۔ لندن میں جب ہم ساتھ پڑھتے تھے تب تو تم اتنی ساری باتیں کرتے تھے کہ مجھے تمہیں چپ کروانا پڑاتا تھا اور اب اتنے خاموشی کیوں ہے ریان؟"

"علیزے زندگی میں ہمیشہ ویسا تو نہیں ہوتا جیسا ہم چاہتے ہیں، کبھی کبھی قسمت ہمیں وہاں لا کھڑا کرتی ہے جہاں جانے کا ہم نے سوچا بھی نہیں ہوتا مگر ہم پھر بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ کبھی تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر تو کبھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اور میں بھی اب ایسی ہی جگہ کھڑا ہوں۔" ریان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ تذبذب کا شکار ہو گئی۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ کھل کر کہو۔" اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ریان کیا کہنا چاہتا ہے۔

"علیزے شادی اور محبت تو قسمت سے ہوتی ہے اگر ہماری نہیں ہوئی تب بھی ہم بہت اچھے دوست رہیں گے۔" ریان نے کہا پھر خود ہی اس سے نظریں چرانے لگا وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے پاس کوئی اور آپشن بھی ہے یا تم مجھے آپشن کے طور پر رکھنا چاہتے ہو۔" اس نے طنزیہ پوچھا۔

"نہیں علیزے محبت میں آپشن نہیں ہوتا صرف محبت ہوتی ہے پہلی بھی اور آخری بھی۔" ریان نے کہا۔

"کیا تم مجھے انکار کر رہے ہو ریان؟" اس نے اپنے آنسو پیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں علیزے میں انکار نہیں کر رہا لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔" اس واضح الفاظ میں کہا۔

"تو کیا کسی اور کو پسند کرتے ہو تم؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

"ہاں۔" ریان کے یک لفظی جواب پر وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔ اب وہ ایک پل بھی وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی۔ تب ہی رات کی فلائٹ سے کراچی واپس چلی گئی تھی۔

علیزے فوراً وہ وہاں سے جانا چاہتی تھی لیکن بشریٰ بیگم نے اسے روک لیا تھا۔ وہ ان کے کہنے پر صرف ایک رات رکنے کو تیار ہوئی۔ ریان کو بھی اس کی وجہ سے اگلے ہی دن اسلام آباد سے واپس آنا پڑا تھا۔

"یہ میں کیا سن رہی ہوں ریان؟" وہ درشت لہجے میں بولیں تو ریان اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"پلیز مما..... مجھے ایسا تو نہ سمجھیں بابا کے جانے کے بعد میں آپ کی ہر خواہش اور آپ کے ہر فیصلے کو ترجیح دیتا آیا ہوں بس صرف آج آپ سے یہ ایک فیصلہ خود سے کرنے کی اجازت مانگ رہا ہوں۔ میں آپ سے بہت

Digitized by Google

محبت کرتا ہوں۔ آپ کی عزت کرتا ہوں اتنی جتنی میں اس دنیا میں کسی کی بھی نہیں کرتا لیکن پلیز آج یہ ایک فیصلہ کرنے کی اجازت مجھے دے دیں۔" اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ بشریٰ بیگم اس کی آنکھوں میں محبت کی گہرائی کو دیکھ رہی تھیں اس محبت کی گہرائی جوان کی محبت پر بھاری ہوئی تھیں۔ محبت پر اتنی گہری چوٹ لگے تو زخم بھی گہرا ہوتا ہے۔

"ٹھیک ہے اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں راضی ہوں اور ابھی جا کر علیزے کو منع کر دیتی ہوں۔" وہ تیزی سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئیں اور ریان بھی ان کے پیچھے چل دیا تھا۔

"تم جا سکتی ہو علیزے میرے لیے میرے بیٹے کی خوشی سے زیادہ اس دنیا میں کوئی چیز اہم نہیں ہے۔" بشریٰ بیگم نے اس سے کہا تو وہ کچھ دیر تک حیران کھڑی رہی پھر خاموشی سے چلی گئی۔

"سوری مما۔" ریان نے مدھم لہجے میں کہا لیکن وہ بہت خوش تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ اس ہفتے ہم اس لڑکی کے گھر چلیں گے اسے بتا دینا۔" وہ اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرائیں ریان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ اتنی آسانی سے ہو جائے گا لیکن اسے اپنی ماں کی محبت پر یقین ضرور آ گیا تھا۔

ساری رات اس نے اس انتظار میں گزاری کہ کب صبح ہو اور وہ نبیہا کو یہ خوش خبری سنائے۔ وہ بہت بڑے امتحان میں با آسانی کامیاب ہو گیا تھا۔ اسے نبیہا سے زیادہ اپنی ماں کو منانا مشکل لگ رہا تھا جو اپنی برسوں کی محبت کو تقسیم کرنے جا رہی تھیں۔ ریان صبح سویرے ہی آفس کے لیے نکل گیا تھا۔ وہ اتنا خوش تھا کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر اس کے پاس پہنچ جائے وہ وقت سے بہت پہلے اس کی کمپنی کے باہر آ کھڑا ہوا تھا۔

"نبیہا..... میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اپنی عزت بنانا چاہتا ہوں میری محبت کی شدت کا تم اندازہ نہیں کر سکتیں لیکن مجھے تمہاری تڑپ بھی نظر آ رہی ہے پلیز انکار نہ کرنا۔ میں کل یہاں پر ہی اسی جگہ تمہارے جواب کا منتظر رہوں گا۔" وہ کہہ رہا تھا اور نبیہا اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ چلا گیا لیکن نبیہا کچھ دیر تک وہیں کھڑی رہی جیسے اپنے آپ کو اس کے کہے لفظوں کا یقین دلا رہی ہو۔

اس نے گھر آ کر ساری بات رقیہ بیگم کو بتائی۔ وہ خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات لیے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"دیکھا نبیہا میں کہتی تھی ناں کہ اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ اب ماشاء اللہ کیسا اچھا شخص آ گیا تمہاری زندگی میں بس تم اس کے گھر والوں کو کل بلا لو۔" رقیہ بیگم تو ریان کے رشتے کا سن کر خوش ہو گئیں انہیں لگا جیسے ان کی ساری دعائیں قبول ہو گئی ہوں۔

"لیکن امی یوں اچانک..... میرا مطلب ہے آج ہی تو اس نے کہا ہے اور میں اگلے دن ہی بلوا لوں تو انہیں لگے گا جیسے میں ان کا ہی انتظار کر رہی تھی۔" اس نے کہا۔

"نبیہا اب تمہارے لیے یہی بہتر ہو گا کہ تم احسن کے خیال سے باہر آ جاؤ جلد سے جلد اور کہیں تم نے ریان کو تو حسن کے بارے میں نہیں بتا دیا؟" انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔

"ابھی تک تو نہیں بتایا لیکن امی میں اسے سب کچھ بتا دوں گی پھر اس کی مرضی ہے مجھے قبول کرے یا نہیں۔" نبیہا نے کہا تو رقیہ بیگم کو غصہ آ گیا۔

"تمہارا تو دماغ خراب ہے اس شخص کی وجہ سے اپنے آنے والے کل کو کیوں برباد کر رہی ہو۔ مرد چاہے جتنا بھی اچھا کیوں نہ ہو۔ نبیہا اپنی بیوی کی زندگی میں کسی اور مرد کی پرچھائی برداشت نہیں کرتا۔" رقیہ بیگم نے کہا۔

"لیکن میں کچھ نہیں چھپاؤں گی نہ کوئی جھوٹ بولوں گی آپ مجھے مجبور نہ کریں مما۔" اس نے کہا۔

"تم نے اگر ایسا کیا تو تم ریان کو کھو دو گی۔ دیکھو نبیہا روشن چراغ کو بے وجہ نہ بجھواؤ روشن رہنے دو ورنہ تمہاری

امید ختم ہوجائے گی۔" وہ ان باتوں پر سوچتی رہی اسے احساس ہونے لگا وہ واقعی اس چراغ کو بجھانا نہیں چاہتی ریان اس کے دل میں اپنی جگہ بنا چکا تھا۔ وہ ریان کو احسن کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گی اس نے فیصلہ کرلیا تھا۔

……

بشریٰ بیگم نے نیہا کو سادگی سے انگوٹھی پہنا دی تھی۔ نیہا کے گھر میں ہی یہ سادہ سی تقریب رکھی گئی تھی جس میں صرف گھر کے افراد اور حیدرآباد سے اس کی کلثوم خالہ کو بلایا گیا تھا۔ ریان تو بہت دھوم دھام سے منگنی کرنا چاہتا تھا لیکن نیہا نے اسے منع کردیا تھا اس لیے مجبوراً اسے ماننا پڑا وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ ریان کی نظریں اس پر سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے بات کرے مگر وہاں سب لوگوں کی موجودگی میں اسے موقع نہیں مل رہا تھا۔ بشریٰ بیگم کافی دیر سے اس پر نظر رکھے ہوئے تھیں۔ اس کی بے چینی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ کھانا شروع ہونے پر سب کھانے کی طرف متوجہ ہوئے تو اسے نیہا سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔

"تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو نیہا۔" اس کو دیکھتے ہوئے ریان نے کہا۔

"تو اس میں کون سی نئی بات ہے پارلر سے تیار ہو کر آئی ہوں ہر کوئی یہی کہہ رہا ہے۔" وہ اسے تنگ کرنے لگی۔

"یعنی میرے کہنے میں اور کسی اور کے کہنے میں کوئی فرق نہیں تمہارے لیے تو میں یہاں بیٹھ کر کیا کروں گا میں بھی اندر جارہا ہوں۔" ریان نے چڑ کر کہا اور وہاں سے اٹھ کر جانے لگا۔

"سوری۔" نیہا نے آہستہ سے کہا تو وہ رک گیا رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا جو شوخ سی مسکراہٹ لیے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی ہنس دیا تھا۔

……

"ازلان کی والدہ سے بات کرنی ہے۔" مسلسل ہوتی فون کی بیل نے ان کی نیند میں خلل ڈالا۔ بہت بے دلی سے انہوں نے ریسیور اٹھایا تھا۔

"جی آپ کون۔" ثمینہ بیگم نے کہا۔

"میں احمد بات کررہا ہوں دراصل ازلان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے میں اسے ہسپتال لے کر آیا ہوں آپ پلیز جلدی آجائیں۔" یہ سن کر ثمینہ بیگم کے ہاتھ سے فون گر گیا وہ جلدی سے چادر لے کر نکل گئیں۔ تانیہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ سارے راستے ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے تھے۔ ہسپتال پہنچ کر بھی وہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں پارہی تھیں۔ بیٹے کے حادثہ نے انہیں بے کل کردیا تھا۔ تانیہ مسلسل انہیں سنبھالنے کی کوشش کررہی تھی۔ ازلان کو سرجری کے بعد ہوش آگیا تھا لیکن اب بھی اس کی حالت مکمل ٹھیک نہیں تھی۔ احمد نے ثمینہ بیگم کو ساری بات بتائی اگر انہیں ازلان کی حالت کا پہلے سے علم نہ ہوتا تو وہ احمد کو ہی قصوروار سمجھتیں۔

"ابھی بھی مریض کی حالت صحیح نہیں ہے وہ اب بھی اسٹریس میں ہیں اگر کوئی مسئلہ ہے تو اسے حل کریں ورنہ ان کی طبیعت مزید بگڑ جائے گی۔" ڈاکٹر کے الفاظ نے انہیں عجیب سی کیفیت میں مبتلا کردیا تھا۔ جب ہی وہ سوالی بن کر اس در تک آگئی تھیں۔ جہاں وہ آنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"میں تانیہ کی والدہ ہوں۔ آپ پلیز نیہا کو بلادیں مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے پلیز۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔

"آپ بیٹھیں تو۔" رقیہ بیگم نے ثمینہ بیگم کی حالت دیکھ کر کہا۔

"نہیں آپ پلیز اسے بلادیں میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میرا بیٹا بہت اذیت میں ہے…… پلیز۔" ثمینہ بیگم اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ پائیں ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رقیہ بیگم کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو نیہا کو بلا لائیں۔

"چلو نیہا…… پلیز میرے ساتھ چلو مجھے تمہاری ضرورت ہے میری مدد کرو۔" وہ بولیں اور نیہا کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں۔

Digitized by Google

"کہاں جانا ہے..... کیا ہوا ہے آنٹی؟"
"ہسپتال..... لوازن کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے وہ ہسپتال میں ہے پلیز میرے ساتھ چلو۔" وہ مسلسل رو رہی تھی۔ نیہا کا چہرہ زرد پڑ گیا۔
"میں کیا مدد کرسکتی ہوں؟" اس نے اپنی امی کو دیکھتے ہوئے پوچھا جو مسلسل اسے دیکھ رہی تھیں۔
"تم اس سے مل لو گی تو اس کی آس پوری ہوجائے گی ایک بار میرے ساتھ چلو۔" ثمینہ بیگم نے منت بھرے انداز میں کہا۔
"یہ کیا کہہ رہی ہیں آنٹی؟ آپ کون سی آس، کون سی امید؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے، کیسی باتیں کررہی ہیں آپ؟ میں نے اسے کبھی کوئی امید نہیں دلائی، میں تو اس سے ایک دو بار ملی ہوں گی اور اتنی بڑی بات کہہ دی آپ نے.....' نیہا نے حیرانی سے کہا۔
"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو تم کچھ نہیں جانتیں لیکن اب تو وہ امید لگا بیٹھا ہے تم سے۔ میں جانتی ہوں تمہاری منگنی ہوگئی ہے اب میں چاہ کر بھی کچھ نہیں کرسکتی۔" وہ التجائیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔
"سوری آنٹی۔ میں ایسا نہیں کرسکتی کہ پہلے امید باندھوں اور پھر دھوکہ دوں، میری منگنی ہوگئی ہے۔" وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔
"تم کیسی بے حس عورت ہو جو تمہیں ایک شخص کی تکلیف کا بھی احساس نہیں، تم میں تو انسانیت بھی نہیں۔" وہ چلائیں۔ چلانے کی آواز نیہا کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ رقیہ بیگم جو چپ سادھے حیران کھڑی تھیں۔ نیہا کے کمرے کی طرف بھاگیں۔ وہ نیہا کو راضی کرنا چاہتی تھیں کیونکہ ان سے ایک ماں کی بے بسی دیکھی نہیں جارہی تھی۔

❁......❁......❁

وہ اندھیرے کمرے میں تنہا بیٹھا تھا۔ بالکل تنہا، شکستہ شخص جو جنگ لڑے بغیر ہار گیا ہو۔ اسے موقع ہی نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ثابت کرسکے اور شکست کا فیصلہ سنادیا گیا تھا آزمائے بغیر۔ اس کے کانوں میں اب بھی وہ الفاظ گونج رہے تھے جو نیہا نے ثمینہ بیگم سے کہے تھے۔ جب ثمینہ بیگم یہ سب چھپتے ہوئے سن رہی تھیں تب وہ بے ہوش نہیں تھا۔ وہ سب سن رہا تھا۔ نیہا کے سب وہ جملے بار بار اس کے دماغ میں گونج رہے تھے۔
"کاش نیہا تم ایک بار آجاتیں پھر میں کبھی آنے کا نہ کہتا۔" وہ اپنی سوچوں میں گم تھا۔ ثمینہ بیگم اس کے کمرے کے باہر آ کر رک گئیں۔ رات بہت بیت چکی تھی لیکن نیند اب ان کی آنکھوں سے دور تھی۔ ان کا بیٹا جاگ رہا تھا تو وہ کیسے سو سکتی تھیں۔ وہ لوازن کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئیں، انہیں دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔
"اب طبیعت کیسی ہے تمہاری؟" ثمینہ بیگم نے پوچھا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"ٹھیک ہوں۔ آپ اب تک جاگ رہی ہیں؟" اس نے پوچھا۔
"جس ماں کی اولاد بے چین ہو وہ ماں کیسے سو سکتی ہے۔ تمہیں یاد ہے جب تم چھوٹے تھے تب تم اپنی ہر بات سب سے پہلے آ کر مجھے بتاتے تھے جو بھی تمہارے ذہن میں یا دل میں ہوتا تھا مجھے کہتے تھے بلا جھجک۔ ہمارے درمیان تو ماں بیٹے کے علاوہ دوستی کا رشتہ بھی ہے تو یہ خاموشی کیوں لوازن جو کچھ بھی تمہارے دل میں ہے مجھ سے کہہ دو اسے خود تک محدود نہ رکھو۔" لوازن اپنی ماں کے گلے لگ کر رونے لگا۔
"بیٹا..... اسے بھول جاؤ وہ تمہارے لائق نہیں ہے وہ بہت خود غرض اور انا پرست لڑکی ہے اسے صرف اپنی ذات کا خیال ہے اور ویسے بھی اب تو اس کی منگنی بھی ہوگئی ہے تمہارے لیے تو میں چاند سی دلہن لاؤں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ خاموش رہا اس کی خود غرضی کی ایک مثال تو وہ خود بھی دیکھ چکا تھا۔

❁......❁......❁

"ریان تمہاری نیہا سے بات ہوئی۔" بشریٰ بیگم نے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"کیسی بات ممی؟" اس نے پوچھا۔

Digitized by Google

"شاپنگ کی۔ اسے ساتھ لے کر جانا ہے تمہیں شاپنگ کرانے بھول گئے۔"

"نہیں مجھے یاد ہے لیکن مما اس کا مزاج ایسا نہیں ہے کہ وہ یوں میرے ساتھ ابھی سے شاپنگ پر جائے۔" ریان نے کہا۔

"کیا مطلب ابھی سے اور ویسے بھی میں اس کی ماں سے بات کر چکی ہوں انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو نبیہا کو کیا اعتراض۔"

"اچھا تو میں رمشہ کو بھی ساتھ لے جاؤں گا تاکہ وہ مطمئن رہے۔" اس نے کہا تو بشریٰ بیگم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"کیسی عجیب باتیں کرتے ہو تم۔ یہاں لوگ کسی کو لے کر جانا نہیں چاہتے تاکہ اکیلے بات کر سکیں اور ایک تم لوگ ہو سمجھ سے بالاتر' بہرحال تمہیں جیسے جانا ہو چلے جانا مگر رمشہ نہیں جائے گی۔"

"مما وہ نہیں تو آپ تو میری مدد کریں نبیہا کسی صورت راضی نہیں ہوگی۔" اس نے کہا۔

"تو پھر اس کی بہن کو ہی لے جانا۔"

"یہ اچھا آئیڈیا ہے اب تو وہ مان ہی جائے گی۔" اس نے چٹکی بجا کر کہا۔

اس نے نبیہا سے بات کی تو وہ کائنات کے ساتھ جانے پر راضی ہوگئی۔ وہ اسے شاپنگ پر لے گیا کافی دیر تک وہ شاپنگ کرتے رہے۔ کائنات بھی ان کے ساتھ ہی رہی۔ ریان اسے اپنے لیے کچھ خریدنے کا کہتا رہا لیکن وہ مسلسل منع کرتی رہی تھی۔

"میں تھک گئی ہوں فوڈ کورٹ میں جا کر بیٹھ جاتی ہوں۔ آپ دونوں بھی وہاں آجایئے گا۔" اتنا کہہ کر کائنات وہاں سے چلی گی۔

"یار اتنی بیزار کیوں ہے' تم دونوں کے درمیان کوئی بات ہوئی ہے کیا؟" ریان نے اس کے جانے کے بعد نبیہا سے پوچھا۔

"نہیں ایسا تو کچھ نہیں ہے دراصل وہ میری وجہ سے آئی ہے تو بور ہو رہی ہے۔" نبیہا نے کہا۔

"آپ یہاں.....!" کائنات نے اذلان کو وہاں دیکھا تو چونک گئی۔ وہ پرفیوم کی شاپ پر خریداری کی غرض سے آیا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ تھوڑی دیر بعد سنبھل کر بولا۔

"میں نبیہا آپی کے ساتھ آئی ہوں ان کی شادی کی شاپنگ کرنے ریان بھائی بھی ہمارے ساتھ ہیں۔" اس نے کہا۔

"کیا ہم کچھ دیر بات کر سکتے ہیں؟" کائنات نے کہا تو اذلان کچھ سوچ کر اس کے ساتھ چل دیا وہ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس کی باتوں سے اذلان کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اس کے ایکسیڈینٹ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔

"پچھلے دنوں تم کہیں گئی ہوئی تھیں۔" اس نے کنفرم کرنے کے لیے پوچھا۔

"میں حیدرآباد گئی ہوئی تھی خالہ کے یہاں کل ہی تو آئی ہوں۔" اس نے کہا تو اذلان مسکرا دیا۔

"کائنات....." وہ اچانک وہاں آئی اور دونوں کو ساتھ دیکھ کر شاکڈ رہ گئی تھی۔ وہ دونوں ساتھ کھڑے تھے اذلان پیچھے ہٹ گیا وہ کچھ دیر تک نبیہا کو دیکھتا رہا پھر وہاں سے چلا گیا۔ کائنات نے اسے روکنا چاہا لیکن اس نے ایک نہ سنی اور چپ چاپ چلا گیا۔

"اچھا ہوا خود چلا گیا ورنہ میرے لیے پھر کوئی پریشانی کھڑی کر دیتا۔" وہ کائنات کو لے کر گھر آگئی سارے راستے وہ دونوں خاموش رہی تھیں۔ ریان کو آفس سے کال آگئی تھی وہ معذرت کرتا چلا گیا تھا۔

❀.....❀.....❀

نبیہا آفس جا رہی تھی کہ اچانک راستے میں پرانی دوست سے ملاقات ہوگئی۔ اگرچہ وہ تو شناسائی کے مراحل طے کرنے میں ناکام رہی تھی لیکن سنبل نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کروایا تو اسے بھی سب کچھ یاد آگیا۔

"ارے یار تم تو اتنی بدل گئی ہو اتنی موٹی ہوگئیں اور چہرہ

Digitized by Google

تو پورا گول مٹول سا ہوگیا ہے میں تمہیں بالکل بھی پہچان نہیں سکی۔" نیہا نے اسے پہچانتے ہوئے کہا وہ اس کی بہت اچھی دوست تھی۔

"اب تین بچے ہوگے ہیں میرے تو اب اماں ہی لگوں گی ناں۔" وہ بھی ہنس دی۔

"اور سناؤ کیسی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"میرا گھر قریب ہی ہے تھوڑی دیر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" اس نے کہا تو نیہا نے وقت دیکھا پھر اس کے گھر چلی آئی۔

"اب بتاؤ تم کہ تمہاری احسن بھائی سے شادی ہوگئی؟" اس نے نیہا کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"وہ ایک ہفتے بعد میری شادی ہے احسن سے نہیں ریان سے۔" نیہا نے کہا۔

"کیا.....! لیکن میرے سامنے تو تمہاری احسن بھائی کے ساتھ منگنی ہوئی تھی۔ ایسا کیا ہوگیا نیہا جو تم انہیں چھوڑ کر کسی اور سے شادی کررہی ہو۔" وہ حیران ہوکر بولی۔

"میں نے اسے نہیں چھوڑا بلکہ اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اس نے امریکہ میں شادی کرلی پھر میں کیا کرتی منگنی ختم۔" وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اف خدایا..... کتنے دعوئی کرتے تھے وہ تم سے محبت کے سارے توڑ ڈالے چھوڑو اس شخص کو وہ تمہارے لائق ہی نہیں تھا اچھا یہ بتاؤ شادی کس سے کررہی ہو؟"

"ریان حسن سے میری منگنی ہوگئی ہے حسن گروپ آف انڈسٹریز کے آنرز اگلے ہفتے شادی ہے وہ بہت اچھے ہیں کبھی کبھی میں سوچتی ہوں نہ جانے میری کون سی نیکی اللہ کو پسند آگئی جو اس نے مجھے ریان جیسا چاہنے والا ہمسفر عطا کردیا۔" اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔

"دیکھو جو ہوتا ہے بہتری کے لیے ہوتا ہے تمہاری ان نم آنکھوں نے ثابت کردیا کہ صرف وہ نہیں تم بھی انہیں بہت چاہتی ہو۔"

"ہاں بہت زیادہ۔" اس نے کہا۔

"اچھا تم نے ریان کو احسن کے بارے میں بتایا کہ نہیں؟" حسنبل نے پوچھا۔

"میں بتانا چاہتی تھی لیکن امی کو خوف تھا کہ کہیں وہ پیچھے نہ ہٹ جائیں اس لیے نہیں بتایا اور سچ پوچھو تو مجھے بھی یہی ڈر تھا حسنبل۔"

"یہ کیا کیا تم نے نیہا..... اپنے ڈر کی وجہ سے اتنا بڑا سچ چھپالیا۔ احسن وہ تمہارا منگیتر رہ چکا ہے کوئی راہ گزر نہیں تھا جو تم نے نظر انداز کردیا۔ تمہیں بتادینا چاہیے وہ اچھے انسان ہیں اس بات کو اہمیت نہیں دیں گے۔" وہ اسے سمجھانے لگی۔

"تم اتنی سمجھدار ہو نیہا اور یہ بات اچھی طرح جانتی ہو کہ مرد کی زندگی میں چاہے ہزار لڑکیاں ہوں لیکن وہ عورت کی زندگی میں کسی اور مرد کی پرچھائی تک برداشت نہیں کرتا' نہ اس کی آنکھوں میں نہ اس کے دل میں اور نہ اس کے ماضی میں۔" اس نے کہا۔

"اچھا میں کچھ سوچتی ہوں اس بارے میں۔"

"ہاں ضرور سوچنا۔"

"میں اب چلتی ہوں اللہ حافظ۔" نیہا اس کی باتوں کی سچائی سے گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

❀.....❀.....❀

شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی' وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ سرخ شرارے پر سنہری کام انتہائی نفاست سے کیا گیا تھا جبکہ ریان میرون شیروانی میں ملبوس تھا۔ دونوں ہی بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ شادی کی تقریب میں موجود ہر کوئی دلہا' دلہن کی تعریف کررہا تھا پھر وہ رخصت ہوکر ریان کے گھر آگئی تھی۔

"میں آج اپنے آپ کو اس دنیا کا خوش نصیب انسان سمجھ رہا ہوں جس نے جو چاہا پالیا وہ بھی بہت آسانی سے' میں ہمیشہ تم سے محبت کروں گا بہت زیادہ۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"میں بھی کوشش کروں گی کہ میری وجہ سے آپ کو کبھی مایوسی کا سامنا نہ ہو بس آپ کا اعتبار چاہیے ہوگا چاہے کچھ

Digitized by Google

بھی ہو کبھی اپنے سے دور مت کیجیے گا۔" اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔

"ارے تم رو کیوں رہی ہو یار؟" وہ عیہا کے آنسو اپنی پوروں پر چنتے لگا۔

"ایسا کبھی نہیں ہوگا میں تمہیں اپنے سے دور کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا اب پلیز رو مت اگر تمہاری آواز سن کر کوئی آ گیا تو سب سمجھیں گے نہ جانے میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو تم رو دی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"بس تم کبھی بھی ہم دونوں میں کسی تیسرے کو شامل نہ کرنا نہ میں اپنی فیملی کو کروں گا نہ تم اپنی فیملی کو کرنا ہم اپنے مسائل خود حل کریں گے۔" وہ بولا۔

"اچھا اب جلدی سے اپنی آنکھیں بند کرو۔" ریان نے کہا تو اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ ریان نے اس کی انگلی میں ایک خوب صورت سی انگوٹھی پہنا دی۔

"واہ کتنی خوب صورت رنگ ہے یہ تو ڈائمنڈ کی لگ رہی ہے ریان۔" وہ حیران ہو کر بولی۔ عیہا خود کو خوش نصیب سمجھ رہی تھی کہ اسے اتنا چاہنے والا ہم سفر ملا ہے۔

❀.....❀.....❀

ولیمے کے ایک ہفتے بعد وہ ہنی مون پر سوئزرلینڈ چلے گئے وہاں سے آتے ہی ریان نے آفس جانا شروع کر دیا تھا۔ عیہا نے گھر کے کاموں میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ ویسے بھی ریان کے آفس چلے جانے کے بعد وہ گھر میں بور ہوتی رہتی تھی۔ ریان کے کہنے پر اس نے آفس جانا چھوڑ دیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے ریان کے لیے خود چائے بنانا چاہی تھی۔ وہ اس کے جگانے سے پہلے ہی چائے بنانے کچن میں چلی آئی تھی۔ وہ چائے کا پانی چولہے پر رکھتی ملازمہ کو ہدایت دے کر خود ریان کو اٹھانے کمرے میں آئی تب ہی بشریٰ بیگم کچن میں آئیں۔

"یہ چائے کا پانی تم نے رکھا ہے؟"

"نہیں بیگم صاحبہ..... عیہا بی بی خود رکھ کر گئیں ہیں۔" اس نے کہا۔

"تم ایسا کرو میرے کمرے سے چشمہ لے آؤ کب سے ڈھونڈ رہی ہوں مل نہیں رہا۔"

"جی بیگم صاحبہ....." وہ چلی گئی۔

"نمک کہاں ہے نظر کیوں نہیں آ رہا۔" وہ چائے میں ڈالنے کے لیے نمک تلاش کرنے لگیں جب کہیں نظر نہ آیا تو پسی ہوئی کالی مرچ چائے کے ابلتے پانی میں ڈال دی۔

"اب اٹھ بھی جاؤ ریان..... بے چارہ الارم بھی بج بج کے بند ہو گیا ہے۔" عیہا اس کو جگانے لگی۔

"کیا ہے یار تم بھی ڈانٹ ڈانٹ کر جگاتی ہو کبھی پیار سے بھی جگایا کرو۔" وہ اسے دیکھ کر بولا۔

"اچھا پیار کی باتیں بعد میں کریں گے۔ جلدی سے فریش ہو کر نیچے آئیں میں ناشتہ میز پر لگا رہی ہوں۔" وہ ریان کو واش روم کی طرف دھکیلتی ہوئی مسکرا کر کمرے سے نکل گئی۔

"رانی رانی۔" ریان نے ملازمہ کو آواز لگائی تو وہ بھاگتے ہوئے آئی۔

"یہ چائے کس نے بنائی ہے لے جاؤ اسے یہاں سے کہاں ہوتا ہے تم لوگوں کا دماغ۔ چھوٹا سا کام بھی ڈھنگ سے نہیں کر سکتے جاؤ اب میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو لے جاؤ اسے یہاں سے۔" وہ اس کی سنے بغیر بول رہا تھا۔

"سارا موڈ خراب کر دیا۔ تم کیوں ایسے کھڑی ہو۔"

"ریان..... چائے میں نے بنائی تھی۔" اس نے کہا تو ریان نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا جیسے اسے یہ توقع نہ ہو۔

"اچھا..... میں آفس جا رہا ہوں۔" اس نے اپنا کوٹ اور بیگ اٹھایا اور چلا گیا وہ خود بھی پچھتا رہا تھا کہ کاش اسے پتا ہوتا کہ چائے عیہا نے بنائی ہے تو وہ اتنا غصہ تو نہ کرتا۔

کائنات کی دوستی تو تانیہ سے تھے اور اکثر تانیہ کو ان کے گھر چھوڑنے اذلان ہی آتا تھا۔ جب بھی وہ ان کے گھر جاتی تو تب بھی اس کی اتفاقیہ ملاقات ہو جاتی تھی اگرچہ وہ سب ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے لیکن وہ کبھی نہ تانیہ پر اپنے جذبات آشکار کر پائی تھی اور نہ ہی عیہا سے کچھ کہہ سکی تھی کہ نجانے کب اور کیسے وہ اذلان کے سامنے اپنا آپ ہار

Digitized by Google

چکی ہے۔ اذلان کی اپنے گھر آمد کو وہ یہی سمجھتی آئی تھی کہ شاید اس کے نوخیز جذبوں کی خبر اذلان کو بھی ہوگئی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ دراصل اذلان اس کی خاطر نہیں بلکہ نیہا کی ایک جھلک دیکھنے کی خاطر وہاں آتا تھا لیکن آج وہ جیسا اپنے دل کی ہر بات کرنے کا ارادہ کر چکی تھی۔

اذلان کا یونیورسٹی میں آج آخری پیپر تھا کائنات مسلسل اسے کال کر رہی تھی لیکن وہ اسے نظر انداز کر رہا تھا لیکن وہ بھی اپنی دھن کی پکی تھی۔ جیسے ہی اس کا پیپر ختم ہوا وہ اس کے ڈپارٹمنٹ پہنچ گئی۔

"اذلان..... اذلان....." اس نے اسے دیکھ کر آوازیں لگانا شروع کردیں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ جا رہا تھا وہ بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے آئی تو اذلان نے رک کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا۔ اس طرح سے آوازیں کیوں لگا رہی ہو؟" وہ غصے سے بولا۔

"آج آپ کا لاسٹ پیپر تھا ناں؟" وہ بولی۔

"ہاں۔"

"پھر آپ میری کال تو اٹھائیں گے ناں۔" اس کے اس نادانستہ سوال نے اذلان کو حیران کردیا۔

"میں اب چلتا ہوں میرے دوست انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے جواب دیے بغیر کہا۔

"مجھ سے بھاگ رہے ہیں؟" اس نے کہا۔

"میں تم سے کیوں بھاگوں گا۔ میں نے کچھ چوری تھوڑی کیا ہے۔" اس نے کہا۔

"چوری تو کی ہے مگر آپ مان نہیں رہے۔" وہ بے دھڑک ہو کر بولی تو اذلان کو لگا جیسے سامنے اس کا عکس کھڑا ہو۔ محبت سے گندھا اور سامنے والے پر بھی اپنا عکس نقش کرنا چاہتا ہو۔ کائنات کے اس واضح اظہار پر وہ الجھ گیا۔

وہ گھر آ کر بھی کائنات کے متعلق سوچتا رہا لیکن اپنے دل میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں بنا پا رہا تھا۔ اس کا دل تو نیہا کو خواہش مند تھا اور صرف اسی کا ساتھ چاہتا تھا ایسے میں وہ کائنات سے دھوکا نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے خاموشی سے اپنے والد کے پاس کینیڈا جانے کا ارادہ کرلیا اور پھر چند دنوں میں ہی وہ کینیڈا چلا گیا تھا۔

نیہا کی شادی کو دو مہینے ہو گئے تھے لیکن ان دو ماہ کے دوران اس کے ساتھ پے در پے عجیب و غریب واقعات ہو رہے تھے۔ وہ تو اپنے آپ کو کفایت شعار اور سلیقہ مند سمجھتی تھی لیکن کسی نے چن چن کر اس کی خوش فہمی کی دھجیاں بکھیر دیں تھیں۔ کبھی سالن میں نمک تیز ہو جاتا تو کبھی ریان کی شرٹ جل جاتی تو کبھی اس کی اہم فائل ہی نہیں ملتی۔ وہ جتنا دھیان اور توجہ سے کام کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ اتنے ہی بگڑ جاتے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اس کے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ ریان منہ سے کچھ بول تو نہیں رہا تھا لیکن یہ سب وہ بھی بہت شدت سے محسوس کر رہا تھا اس کے سامنے نیہا کا جو امیج تھا وہ زائل ہو رہا تھا لیکن وہ اس سے اب بھی بہت محبت کرتا تھا اس لیے وہ مسلسل اس محبت کا لحاظ کر رہا تھا جو اسے ہر بار نیہا سے سوال کرنے سے روک دیتا۔ وہ خود تو پریشان تھا لیکن اسے پریشانی میں دیکھنا نہیں چاہتا تھا لیکن آخر ایسا کب تک چلتا رہے گا یہ سوچ اسے بھی پریشان کر رہی تھی۔

اس کے دوست کی شادی ہوئی تو مجبوراً اسے اپنے گھر دعوت پر بلانا پڑا۔ اس نے نیہا کو خاص تنبیہ کی تھی کہ وہ کسی کام میں دخل نہیں دے گی۔ دعوت کے سارے انتظامات بشریٰ بیگم ہی سنبھالیں گیں۔ اسے برا تو لگا لیکن وہ خاموش رہی۔ شام کو وہ لوگ آئے تو وہ بہت اچھے سے تیار ہوئی تھی۔ سلمان اور اس کی بیوی سے وہ خوش اخلاقی سے ملی تھی۔

"کیسے ہو سلمان؟" بشریٰ بیگم نے اس سے ملتے ہوئے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں آنٹی لیکن آپ تو مجھ سے بھی زیادہ فٹ لگ رہی ہیں۔" اس نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"تو بی بوائے تم ابھی تک نہیں بدلے یعنی امریکہ نے بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔" بشریٰ بیگم نے کہا۔

Digitized by Google

"بگاڑ تو بہت کچھ دیا ہے آہستہ آہستہ آپ کو نظر بھی آجائے گا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"کھانا لگ گیا ہے آپ لوگ آجائیں۔" نیہا بلانے آئی تو سب اٹھ گئے۔

"کھانا تو بہت مزے کا ہے لگتا ہے بھابی نے پکایا ہے۔" اس نے نیہا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ نیہا نے نہیں میں نے پکایا ہے۔" بشریٰ بیگم نے بے دھڑک کہا۔ ریان نے ماں کی طرف دیکھا جیسے اسے اس کی توقع نہیں تھی۔ نیہا نظریں چرا گئی۔ ریان بھی خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف ہوگیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ کچن میں آ کر کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

......✿......✿......

وہ صبح اٹھی تو بہت پریشان تھی۔ اسے لگا کہ ریان ابھی تک اس سے ناراض ہے۔ اس نے سنبل کے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ اس وقت اسے اپنی دوست سے زیادہ بہترین شخص کوئی اور نظر نہیں آیا تھا جو اس کی مشکل آسان کرتا۔ وہ بشریٰ بیگم سے اجازت لے کر اس کے گھر چلی آئی۔ سنبل اسے اچانک دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"یار...... میرے ساتھ بہت عجیب سے واقعات ہورہے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا سب کچھ اتنا دھیان سے کرتی ہوں پھر بھی غلط ہوجاتا ہے۔" اس نے سنبل کو سب کچھ بتایا۔

"اس کا مطلب کوئی ہے جو تمہیں ریان کی نظروں میں گرانا چاہ رہا ہے تم اب اپنے اردگرد نظر رکھو وہ ضرور کوئی قریب کا بندہ ہے۔"

"لیکن گھر میں تو سب بہت اچھے ہیں بھلا کسی کو مجھ سے کیا دشمنی ہوگی۔" وہ بولی۔

"ہوسکتا ہے کوئی باہر کا بندہ خاموشی سے یہ کام کررہا ہو۔ بس اب حاضر دماغی سے کام لینا ہے۔" اس نے کہا۔ سنبل اسے کافی دیر تک سمجھاتی رہی اور اس کی باتیں اس کی سمجھ میں بھی آ گئی تھیں۔ وہ کافی دیر سنبل کے ساتھ رہی تھی اور اسے وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔

......✿......✿......

"مما...... یہ نیہا کہاں ہے؟" ریان نے گھر فون کر کے نیہا کا پوچھا۔

"وہ گھر پر نہیں ہے۔"

"تو کہاں گئی ہے آپ کو بتا کر گئی ہے کیا؟"

"نہیں بیٹا...... مجھے تو خود نوکروں سے پتا چلا ہے۔" بشریٰ بیگم نے جھوٹ بولا۔

"یہ لڑکی بھی...... اچھا ٹھیک ہے وہ گھر آئے تو مجھے بتا دیجیے گا۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔" بشریٰ بیگم نے کہا۔

ریان نے رقیہ بیگم کو فون کیا لیکن وہ وہاں پر بھی نہیں تھی۔ اس نے اپنے طور پر کائنات سے معلوم کرنا چاہا لیکن وہاں سے بھی اس کی موجودگی کا علم نہ ہوا۔ پریشانی کے عالم میں وہ فوراً ہی آفس سے نکل گیا۔ دو گھنٹے تک سڑکوں کی خاک چھاننے کے بعد اسے وہ گھر کے قریب بس اسٹاپ پر نظر آئی۔

"بیٹھو۔" اس نے کہا وہ ریان کو دیکھ کر حیران ہوئی لیکن خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"کہاں گئی تھیں؟"

"اپنی دوست سے ملنے۔"

"تو کسی کو بتایا کیوں نہیں؟"

"لیکن میں نے مما کو بتایا تھا۔"

"پلیز نیہا اگر بتایا تھا تو ڈرائیور کو ساتھ لے کر کیوں نہیں آئیں۔"

"گاڑی خراب تھی۔ اس لیے رکشے میں آئی تھی۔"

"شٹ اپ۔" ریان نے غصے سے کہا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں تم مما سے پوچھ لو۔" اس نے کہا۔

"مما سے...... آر یو شیور کہ مما سے پوچھ لوں؟" اس نے گھر گاڑی روکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں پوچھ لیں۔"

Digitized by Google

"چلو اندر۔" اس نے عیہا کا ہاتھ پکڑا اور بشریٰ بیگم کے کمرے کے باہر رک گیا۔

"دیکھو عیہا ایک بار پھر سوچ لو۔"

"ہاں مجھے یاد ہے میں نے انہیں بتایا تھا۔" اس نے یقین سے کہا۔

"تو پھر چلو۔"

"کیا بات کر رہی ہو عیہا' مجھے تم سے ایسی توقع نہیں تھی۔ تم مجھ پر جھوٹا الزام لگا رہی ہو۔" اس کی بات سن کر بشریٰ بیگم چراغ پا ہوگئی۔

"کیا کہہ رہی ہیں مما' آپ نے ہی تو کہا تھا کہ ڈرائیور....." وہ بشریٰ بیگم کی بات سن کر ہکا بکا رہ گئی اس کے سمجھ نہ آرہا تھا کہ مما کو کیا ہوگیا ہے وہ کیوں انکار کر رہی ہیں۔

"بس کرو تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" ریان چلایا اس نے ریان کی طرف دیکھا۔ وہ بہت غصے میں تھا' وہ بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"سوری مما۔"

"کوئی بات نہیں وہ بھول گئی ہوگی۔ تم اسے سمجھا دو آئندہ ایسی بھول نہیں چلے گی۔" بشریٰ بیگم نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے مما۔" اس نے کہا۔ ریان کو عیہا کے رویہ سے شدید دھچکا لگا تھا۔ آخر کیا وجہ ہے جو وہ اتنی حواس باختہ ہوگئی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں آیا تو عیہا نے رو رو کر اپنا حال برا کر لیا تھا۔ وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گیا اور اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

اس کا دل گھبرانے لگا تو وہ ٹیرس پر آگئی۔ وہ شدت سے ریان کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی نظریں دروازے پر آکر روکتیں تو کبھی وہ ٹینشن میں پھر سے تیز قدموں سے چلنے لگتی ریان کو بھی آج دیر ہوگئی تھی۔ اس کے لیے انتظار کا ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا ریان کی گاڑی کو آتا دیکھ کر وہ بھاگتے ہوئے ٹیرس سے نیچے آئی لیکن تب تک وہ نیچے موجود بشریٰ بیگم کے کمرے کی لائٹ کو جلتا دیکھ کر بشریٰ بیگم کے کمرے میں چلا گیا۔ عیہا اب اس کمرے کے باہر چکر لگانے لگی کافی دیر ہوگئی تو اسے ڈر لگنے لگا اب وہ بشریٰ بیگم سے خوف زدہ رہنے لگی تھی۔

"تم یہاں کیوں کھڑی ہو؟" ریان نے اسے بشریٰ بیگم کے دروازے کے باہر کھڑا دیکھ کر پوچھا۔

"تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ اتنی دیر کردی آج اور آتے ہی مما کے کمرے میں چلے گئے۔" وہ اس سے شکوہ کرنے لگی۔

"ہاں کیا کروں کام بہت بڑھ گیا ہے..... چلو آؤ اوپر کمرے میں چلتے ہیں۔"

"مما سے کیا بات کرنی تھی؟"

"وہ رمشہ کی شادی کرنا چاہتی ہیں دو تین مہینے بعد بس یہی بات کرنی تھی۔" اس نے کہا۔

"اتنی جلدی کیوں؟"

"جلدی تو نہیں ہے صحیح ہے..... اب وہ بھی اپنے گھر کی ہوجائے ویسے مجھے اچھا لگا۔"

"کیا۔"

"تمہارا میرے لیے انتظار کرنا۔" وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"وہ تو ہمیشہ کرتی ہوں اب تمہیں نظر نہیں آتا تو الگ بات ہے۔" وہ اس کا کوٹ لے کر رکھنے لگی۔

"اچھا تم نے کھانا کھایا۔" اس نے عیہا سے پوچھا وہ شرمندہ ہوگئی۔ جو سوال اسے کرنا چاہیے تھا وہ ریان کر رہا ہے۔

"وہ میں پوچھنے ہی والی تھی۔ تم نے کھالیا؟" عیہا نے کہا۔

"ہاں آفس میں کھالیا تھا تم بھی کھالو میں فریش ہو کر آتا ہوں۔"

"لیکن....." عیہا کچھ کہنا چاہتی تھی۔ وہ سنے بغیر شاور لینے چلا گیا وہ اپنے اور ریان کے رشتے کو اتنا مضبوط کر لینا چاہتی تھی کہ کوئی بھی تیسرا ان کے درمیان غلط فہمی پیدا نہ

کر سکے۔ وہ اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اب وقت نہیں رہا تھا۔

وہ بہت محتاط ہوگئی تھی نہیں چاہتی تھی کہ بشریٰ بیگم کے ہاتھ اب کوئی ایسی بات آئے جس کو وہ بنیاد بنا کر ریان کو اس کے خلاف کریں اور ریان پھر بشریٰ بیگم کے سامنے اس کی بے عزتی کرے۔ اس نے اپنے میکہ بھی جانا چھوڑ دیا تھا اور پوری توجہ اپنے گھر کو دے رہی تھی اور ریان بھی اس تبدیلی پر خوش تھا۔ اسے اب کھانے میں نمک مرچ تیز نہیں ملتا تھا اور نہ ہی قمیص جلی ہوئی ملتی تھی ایک طرح سے سب کچھ بہتر ہوگیا تھا اور وہ سب کچھ بہتر ہونے پر دل میں شکر ادا کر رہی تھی۔ اسے اپنے گھر اور محبت کو ہر صورت بچانا تھا۔ اس لیے پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھی۔ بشریٰ بیگم بھی اس کا بغور جائزہ لے رہی تھیں مگر آج کل وہ رمشہ کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں اس لیے اس پر خاص توجہ نہیں دے رہی تھیں۔ ورنہ نبیہا تو انہیں شروع دن سے ناپسند تھی یہ تو ریان کی ضد اور اس کے دل کا معاملہ تھا جو وہ اسے بیاہ کر لے آئی تھیں اور اب چاہتی تھیں کہ وہ ریان کے دل سے اتر جائے اور وہ خود ہی اسے گھر سے نکال دے۔

علیزے کو ریان شروع سے ہی پسند تھا اور جب سے اس نے یہ سنا تھا کہ وہ ریان کی دلہن بنے گی اس کے لیے دل نے عجیب سی لے پر دھڑکنا شروع کر دیا تھا پر نبیہا کے درمیان میں آجانے سے اسے بھی ضد ہوگئی تھی اور پھر اب بشریٰ بیگم بھی یہ ہی چاہتی تھیں اس لیے بھی علیزے مطمئن ہوگئی تھی اور اس کھیل کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں لیکن ابھی تک خاموش تماشائی تھی۔ وہ منتظر تھی کہ کب بشریٰ بیگم اسے کھیل میں شامل ہونے کا کہتی ہیں۔ جب کہ ان سب باتوں سے ابھی نبیہا بے خبر تھی وہ جانتی تھی تو صرف اتنا کہ بشریٰ بیگم اسے ناپسند کرتی ہیں اور اس کی وجہ اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔ اس شام وہ ریان کے ساتھ بازار جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ ریان بھی آج اتفاق سے آفس سے جلدی آ گیا تھا اور اب وہ دونوں بازار جانے کے لیے سیڑھیاں اتر رہے تھے کہ اچانک رمشہ اپنے کمرے سے نکلی اور ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"بھابی آپ کہاں جا رہی ہیں مجھے آپ کے ساتھ پارلر جانا تھا۔" وہ فوراً بولی۔

"میرے ساتھ.....!" اس نے حیران ہو کر رمشہ اور ریان کو دیکھا۔ ریان رمشہ کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں نبیہا تم اسے پارلر لے جاؤ اور ریان تم علیزے کو مارکیٹ لے جاؤ بچی نے ابھی تک شادی کی تیاری نہیں کی۔" بشریٰ بیگم جو لاؤنج میں صوفہ پر بیٹھی تھیں فوراً پروگرام ترتیب دیا۔ نبیہا جز بز ہو کر رہ گئی کتنے عرصے بعد تو وہ ریان کے ساتھ کہیں باہر جا رہی تھی علیزے کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی تھی پہلی بار تو وہ کھیل میں شامل ہو رہی تھی۔

"چلو علیزے میں تمہیں اور رمشہ کو پارلر چھوڑ دوں۔ تمہاری جلد بھی بہت رف ہو رہی ہے۔" ریان نے طنزاً کہا اور سب کو حیران چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے نبیہا اور رمشہ بھی نکل گئیں جبکہ بشریٰ بیگم تلملا کر رہ گئی تھیں۔

"یہ لڑکی بڑی چالاک ہے جیسے ہی ریان اس سے دور ہونے لگتا ہے ضرور ایسا کر دیتی ہے کہ وہ سب کچھ بھول کر اس کے قریب آجاتا ہے اب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔" بشریٰ بیگم غصے سے بولیں۔

"ہاں..... لیکن آپ بیٹھ جائیں اس طرح سے چکر لگانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ کچھ سوچیں دو مہینے کب کے پورے ہو چکے اب تو چوتھا بھی ختم ہو جائے گا آپ مجھے کب تک روکے رکھیں گی۔"

"سوچا تھا کہ جب اسے پتا چلے گا کہ سب کچھ میں کر رہی ہوں تو خود ہی ہار مان کر پیچھے ہٹ جائے گی لیکن یہ تو چال چلنے لگی۔" بشریٰ بیگم نے کہا۔

"لگتا ہے مجھے بھی اب انگلی ٹیڑھی کرنی پڑے گی۔"

"کیا مطلب..... کیا کریں گی اب آپ؟"

"اسے اپنی خودداری بہت عزیز ہے نا سنا ہے کسی سے ایک روپیہ لینا بھی اسے گوارہ نہیں ہوتا اب دیکھنا ریان کی

Digitized by Google

نظروں سے گرادوں گی میں اسے۔"

"اف اومما..... ریان بھائی کے پیسوں پر اسی کا حق ہے وہ لاکھوں بھی لے لی گی تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"مانگ کر لینے اور بن مانگے لینے میں بہت فرق ہوتا ہے مانگ لو تو اجازت بن مانگے تو چوری۔" بشریٰ بیگم نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے وہ لوگ آ گئے۔" کار کا ہارن سن کر رمشہ بولی۔

وہ اب بشریٰ بیگم کی چال دیکھنا چاہتی تھی کہ سب کچھ جلد سے جلد ہوجائے اور ریان علیزے کا ہوجائے مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

❁.....❁.....❁

رمشہ کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی اور وہ رخصت ہوکر اپنے گھر چلی گئی تھی۔ تقریب کے دوران سب نے ہی بشریٰ بیگم سے ان کی بہو کی تعریف کی تھی جس پر وہ مسکرا کر رہ گئی تھیں۔ نیہا لگ بھی بہت پیاری رہی تھی اور سب سے ہی بہت ملنساری سے مل رہی تھی۔ بشریٰ بیگم کو یہ بات ناگوار گزر رہی تھی لیکن انہوں نے ٹوکا نہیں تھا ایک تو موقع ایسا تھا دوسرا وہ خود بھی موقع کی تلاش میں تھیں گھر آ کر انہوں نے سرد نظروں سے نیہا کو دیکھا۔

"تم کسی حسن کو جانتی ہو؟" ان کے پوچھنے پر وہ گڑبڑائی فوراً سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔ ریان بھی اسے دیکھنے لگا تھا۔

"بتاؤ جانتی ہو کہ نہیں؟" وہ غصہ سے بولیں۔

"جی جانتی ہوں۔"

"صرف جانتی ہو یا کوئی تعلق بھی رہا ہے؟" ان کی بات پر نیہا کا دل چاہا کہ وہ کہیں دور بھاگ جائے یا پھر حسن نام کے ساتھ اس سے جڑا ہر تعلق بھول جائے۔

"بتاؤ نیہا امی کچھ پوچھ رہی ہیں؟" ریان نے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

"میرا یقین کریں ریان میرے دل میں صرف آپ ہیں اور کوئی نہیں میں نے صرف آپ سے محبت کی ہے۔" وہ رونے لگی جبکہ ریان حیران نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ یقین بعد میں دلانا پہلے میرے سوال کا جواب دو کہ اس سے کوئی تعلق رہا ہے یا نہیں؟" بشریٰ بیگم غصہ سے چیخیں۔

"میری منگنی ہوئی تھی اس سے۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"دیکھ لو ریان یہ بات ہم سے چھپائی گئی اور مجھے یقین ہے کہ تم بھی بے خبر ہوگے۔" بشریٰ بیگم استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔ "آج شادی میں ایک خاتون نے بتایا تو مجھے یقین نہیں آیا لیکن پھر حسن کی بیوی سے اتفاق سے وہیں ملاقات ہوگی اور اس نے بھی یہی بتایا اور ان دونوں کی ملاقاتوں کا بھی۔"

"تم اب بھی اس سے ملتی ہو؟" ریان چیخا اور وہ لرز گئی۔

"نہیں یہ جھوٹ ہیپ بہتان ہے مجھ پر میں اس سے کبھی نہیں ملی۔"

"جھوٹ بول رہی ہو تم..... مجھے اب تم پر یقین نہیں ہے نیہا۔" اس نے اسے بازو سے جکڑا اور وہ تکلیف کی شدت سے سسک اٹھی۔

"میرا یقین کریں ریان یہ سب جھوٹ ہے میں نے آپ سے یہ بات چھپائی یہ میری غلطی ہے پر میں کبھی حسن سے نہیں ملی۔"

"بند کرو اپنی بکواس۔" ریان نے اسے جھٹکے سے چھوڑا۔ "دفع ہوجاؤ یہاں سے میری زندگی سے نکل جاؤ اتنی دور کہ میں تمہاری صورت بھی نہ دیکھ سکوں۔" وہ غصہ سے پاگل ہو رہا تھا۔

"پلیز ریان میرا یقین کریں میں سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ اس کے پیروں میں بیٹھ گئی اور ساتھ ہی اس کے پیر پکڑ لیے تھے۔ "مجھے خود سے دور مت کریں۔"

"نکل جاؤ یہاں سے..... اب یہاں تمہاری کوئی جگہ نہیں۔" ریان نے اسے اٹھا کر دھکے دے کر گھر سے نکالا

Digitized by Google

دیا۔ وہ اپنی صفائی دیتی رہی اپنے بے گناہ ہونے کی قسمیں کھاتی رہی پر ریان نے کان نہیں دھرے تھے۔ اسے گھر سے نکال کر دروازہ بند کردیا اور چوکیدار کو بھی اس کے لیے دروازہ نہ کھولنے کا حکم دیتا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ بشریٰ بیگم فاتحانہ انداز میں مسکرائیں۔ وہ اب اپنے مقصد میں کامیاب ہونے جارہی تھیں۔

......

عیشا رات کے اندھیرے سے خوف زدہ ہوتی خود کو دوپٹے میں اچھی طرح چھپاتی مین روڈ تک آئی اور پاس سے گزرتے رکشہ کو ہاتھ سے روکتی' اسے پتا سمجھاتی اس میں سوار ہوگئی تھی۔ کچھ دیر بعد رکشہ اس کے گھر کے آگے رکا تھا۔ وہ رکشہ سے اتر کر گھر کی بیل بجانے لگی۔ رات کا ایک پہر گزر چکا تھا اور اتنی رات کسی کی آمد رقیہ بیگم کے لیے پریشانی کا باعث تھی۔ انہوں نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا اور عیشا کو کسی لٹے پٹے مسافر کی طرح سامنے دیکھ کر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

"ہائے میری بچی کیا ہوا...... اس وقت کیسے آنا ہوا؟"

وہ پریشانی سے اس سے پوچھ رہی تھیں اور وہ ان کے سارے سوالوں کے جواب لیے زمین پر آ گری تھی۔ رقیہ بیگم کی پریشانی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ بھی اس کے ہاتھ سہلاتیں تو کبھی اس کا چہرہ تھپکنے لگتیں' ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر کیا بات ہوئی ہے تب ہی کائنات بھی اٹھ کر آ گئی تھی اور رقیہ بیگم اس کی مدد سے عیشا کو اٹھا کر صحن کے تخت تک لے لائی تھیں۔

"کیا ہوا ہے یہ اس وقت کیسے آئی ہے؟" کائنات نے پوچھا تو رقیہ بیگم نے نفی میں سر ہلادیا۔

"پتا نہیں میں تو اس سے پوچھ رہی تھی اور یہ ہے کہ کچھ بھی بتانے سے پہلے بے ہوش ہوگئی۔" رقیہ بیگم نے کہا تو کائنات جلدی سے پانی لے آئی اور چند چھینٹے عیشا کے چہرے پر مارنے کے ساتھ پانی کا گلاس بھی اس کے ہونٹوں سے لگالیا۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آرہی تھی۔ رقیہ بیگم نے آگے بڑھ کر اس کا سر اونچا کیا' عیشا نے آنکھیں کھول کر رقیہ بیگم اور کائنات کو دیکھا اور ایک بار پھر رونے لگی تھی۔

"امی...... میں نے کچھ نہیں کیا' میں قسم کھاتی ہوں میں نے کچھ نہیں کیا۔"

"ہوا کیا ہے یہ تو بتاؤ؟" کائنات نے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی اور پھر ساری بات بتاتی چلی گئی۔

اس کی بات سن کر رقیہ بیگم حیران رہ گئیں۔ انہیں بشریٰ بیگم سے اس بات کی امید نہیں تھی اور ریان تو اس سے محبت کرتا تھا پھر اس نے کیوں اعتبار نہیں کیا یہ بات ان کی پریشانی میں اضافہ کررہی تھی۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے ریان کو فون کیا لیکن دوسری طرف مسلسل بیل ہورہی تھی اور وہ کال ریسیو نہیں کررہا تھا بالآخر انہوں نے بشریٰ بیگم کو فون کیا۔

"مجھے آپ کے ہی فون کا انتظار تھا۔" کال ریسیو کرتے ہی بشریٰ بیگم نے کہا اور اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"اور مجھے اس حرکت کی توقع نہیں تھی ارے انسان سے غلطی ہوجاتی ہے پر آپ نے تو الزام ہی لگادیا۔"

"الزام نہیں بی بی یہی سچ ہے کہ آپ کی بیٹی کا چال چلن ٹھیک نہیں۔"

"اللہ کا خوف کریں بشریٰ بیگم۔" رقیہ بیگم تلملائیں' بشریٰ بیگم ان کی بیٹی کو بدکردار کہہ رہی تھیں یہ بات وہ کیسے برداشت کرتیں۔

"میری بیٹی کا چال چلن ٹھیک ہے منگنی ہوئی تھی اور دنیا میں تو ہزاروں لڑکیوں کی منگنی ہوکر ٹوٹ جاتی ہے اس کا کیا مطلب کہ ان کا چال چلن ٹھیک نہیں ہوتا۔ لڑکوں میں بھی کھوٹ ہوتا ہے۔"

"ہوتا ہوگا بی بی پر یہاں بات آپ کی بیٹی کی ہے' ایک تو اس نے یہ بات ہم سے چھپائی اور اوپر سے وہ شادی کے بعد بھی حسن سے مل رہی ہے یہ بات ہم برداشت نہیں کرسکتے۔" بشریٰ بیگم قدرے غصہ سے بولیں۔

"یہ جھوٹ ہے' میری بیٹی ایسی نہیں ہے۔"

"ایسی ہے یا ویسی ہے اس سے مجھے کوئی غرض نہیں

Digitized by Google

لیکن اب میں نہیں چاہتی کہ میرے سسرال میں لوگ اس حوالے سے باتیں بنائیں اس لیے ہم اس قصہ کو ہی ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔" رقیہ بیگم سچ مچ چکرا گئیں۔

"آپ بھی ایک بیٹی کی ماں ہیں اس کو سامنے رکھ کر سوچیں۔"

"اول تو میری بیٹی ایسی نہیں اور پھر اس کو سامنے رکھ کر سوچ رہی ہوں بہتر ہوگا کہ آپ مجھے دوبارہ فون نہ کریں۔" بشریٰ بیگم نے کہہ کر فون بند کر دیا اور مسکرا کر علیزے کو دیکھا۔ وہ بھی اس قصہ کو ختم ہوتا دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

"یہ تو بہت اچھا ہو گیا آنٹی ایک دم ہی سب ختم' اب ریان صرف میرا ہو کر رہے گا۔ اسے اب کوئی مجھ سے جدا نہیں کر سکتا' وہ اب صرف میرا ہے۔" ریان جو کمرے سے نکل کر ساری باتیں سن چکا تھا ایک دم سے چکرا کر رہ گیا۔

یعنی یہ سب اس کی ماں کی سازش تھی اور وہ بے خبر تھا اور آج جب حقیقت سامنے آئی تو وہ اپنی ہی نظروں میں گر گیا تھا۔ کیوں اس نے اس وقت نیہا کی بات کا یقین نہیں کیا تھا۔ غصہ میں آ کر اسے گھر سے نکال دیا تھا اور اب کیسے وہ اس کا سامنا کرے گا۔ یہ سوچ کر وہ سیڑھیاں اترتا لاؤنج میں آیا تھا۔

"بہت خوب..... بہت اچھا کھیل کھیلا آپ دونوں نے۔" اس نے تالی بجائی۔ "آپ اپنے ہی بیٹے کا گھر برباد کرنے چلی تھیں اور وہ بھی صرف اس لیے کہ آپ علیزے کو پسند کرتی ہیں اور اسے بہو بنانا چاہتی ہیں مگر میں اس سے شادی کرنا نہیں چاہتا اگر یہ دنیا کی آخری لڑکی ہوتی تب بھی نہیں۔"

"کیوں..... کیا برائی ہے مجھ میں؟" علیزے تلملا کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"ایک عورت ہو کر ایک عورت کا گھر اجاڑنے چلی ہو' یہ برائی سب برائیوں پر حاوی ہے سمجھیں تم اور مما آپ بھی تو ایک عورت ہیں' ایک بیٹی کی ماں بھی اگر آپ کی بیٹی کے ساتھ یہ سب ہوتا تو کیا کرتیں آپ؟" وہ غصہ میں ان کی طرف بڑھتا سوال کر رہا تھا اور وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"آپ ماں نہیں ہیں..... کم سے کم میری تو نہیں ورنہ میری خوشی کا ہی خیال کر لیتیں۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تیزی سے گھر سے نکل گیا تھا جبکہ بشریٰ بیگم سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔

❀.....❀.....❀

"نیہا....." اس نے دروازے سے اندر آتے ہی اسے پکارا۔ وہ کمرے سے نکل کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور وہ اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں نے تم پر یقین نہیں کیا نیہا' اپنی محبت پر یقین نہیں کیا۔ اتنی کمزور تو نہیں تھی میری محبت جو لوگوں کی باتوں میں آ گیا تھا میں۔" اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ "مجھے معاف کر دو نیہا..... پلیز مجھے معاف کر دو۔"

"نہیں ریان..... ایسا نہیں کہیں میرے دل میں آپ کے لیے کوئی میل نہیں۔" وہ اس کے ہاتھ تھام کر بولی۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔ نیہا میں تو خود کو تمہاری پرچھائی کہتا ہوں کیونکہ خیالوں میں بھی ہر وقت تمہارے ساتھ رہتا ہوں پھر میں نے کیوں کیا ایسا....."

"بس کر دیں ریان۔" وہ اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"میں بھی آپ سے بہت محبت کرتی ہوں اور آپ سے دھوکہ نہیں کر سکتی نہ ہی آپ کے سوا جینے کا تصور کر سکتی ہوں۔" اس نے کہہ کر اس کے سینے سے سر ٹکا دیا تھا۔ ریان نے بھی محبت سے اسے تھام لیا تھا سورج کی روشنی نے ہر منظر کو واضح کر دیا تھا۔

❀

www.naeyufaq.com